سوانح

مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ علیہ

شاہد

مؤلف

محمد سعید الرحمٰن علوی رحمہ اللہ

بخاری اکیڈمی دارِ بنی ہاشم۔ مہربان کالونی ملتان

سوانح

مولانا محمد علی جالندھری

رحمتہ اللہ علیہ

ولادت: فروری ۱۸۹۶ء

انتقال: ۲۶/صفر المظفر ۱۳۹۱ھ ۲۱/اپریل ۱۹۷۱ء

مؤلف:
محمد سعید الرحمٰن علوی رحمہ اللہ

بخاری اکیڈمی، دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

انتساب

منکرین ختم نبوت اور مرتدین کے خلاف پروانگان ختم نبوت

کے

قافلہ سالار

حضرت الامام سیدنا ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ،

کے

مجاہدانہ اور روحانی کردار

کے

امین و وارث

مخدومنا المعظم حضرۃ مولانا خان محمد نقشبندی مجددی

متع اللہ المسلمین ببقائھم ونفعنا بعلومھم ومعارفھم

کی نذر

ع۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف

مولانا محمد علی جالندھریؒ

پروردۂ دامان اکابر ہیں نگاہیں
دل علم کا گنجینۂ انوار ہے گویا
آزادیٔ کامل کے لئے رزمِ عمل میں
اخلاص کی چلتی ہوئی تلوار ہے گویا

(علامہ انور صابریؒ دیوبند)

منقبت حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ

گلستانِ محمد کی کلی ہے
کہ آلِ مصطفےٰ کا مقتدی ہے
بخاری کی جو ایمان کی ہیں فصلیں
یہ ان فصلوں کا عنوانِ جلی ہے
جہاد و جُہد کی راہوں کا سالار
ہر ایک میدان میں مقدامِ اوّلی ہے
ہے ظاہر و باطن اس کا یکساں
تصنع اور تلزق سے بری ہے
سیاست میں مہارت اس کی ثابت
گرچہ مولوی ہے مسجدی ہے
محمد اور علی کا ہے یہ خادم
کہ نام اس کا محمد علی ہے

علامہ طالوتؒ

فہرست

عرضِ ناشر

اکتوبر ۱۹۹۴ء کے آخر کا قصہ ہے۔ مسلم کالونی ربوہ میں مجلس تحفظ ختم نبوت کی سالانہ کانفرنس کے اجلاس جاری تھے۔ میں اپنی جماعتی ذمہ داریوں کے سلسلے میں مجلس احرار اسلام کے تبلیغی مرکز مدرسہ ختم نبوت مسجد احرار ربوہ میں موجود تھا۔ حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ کانفرنس میں تشریف لائے ہوئے تھے اور میں ان کی دعائیں لینے ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہیں حضرت مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی مرحوم سے ملاقات ہوئی۔

آپ کانفرنس میں شرکت کے لئے تشریف لائے ہیں؟

میں نے علوی صاحب سے پوچھا

میں حضرت مولانا خان محمد مدظلہ سے دعائیں لینے آیا ہوں۔

علوی صاحب نے جواب دیا

حضرت کی خدمت میں حاضری گویا ہماری قدر مشترک تھی۔ وہ مسجد احرار بھی تشریف لائے۔ ابن امیر شریعت حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ سے ملاقات کے بعد نماز عشاء وہیں ادا کی۔ علوی صاحب مرحوم نے بتایا کہ وہ آج ہی لاہور واپس جانا چاہتے ہیں۔ مجھے بھی اسی روز لاہور جانا تھا۔ چنانچہ میں ان کا ہم سفر ہو گیا۔ علوی صاحب مرحوم سے میری ملاقاتوں کا عرصہ تقریباً پندرہ سال پر محیط ہے۔ لیکن یہ میری آخری ملاقات تھی۔

چند سال قبل انہوں نے بتایا تھا کہ وہ حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت و سوانح پر ایک کتاب لکھ رہے ہیں۔ پھر ایک دن انہوں نے مجھے بتایا کہ "میں نے مسودہ مکمل کر لیا ہے مگر "ٹیکسٹ بک بورڈ" نے ابن انشاء کی "اردو کی آخری کتاب" کی طرح اس مسودہ کو نامنظور کر دیا ہے۔" اس کی تفصیل علوی صاحب مرحوم کے "حرفے چند" میں موجود ہے۔ تب انہوں نے فرمائش کی کہ یہ کتاب آپ شائع کریں۔

اس آخری ملاقات میں انہوں نے بتایا کہ کتاب تیار ہے۔ مسودہ کتابت ہو چکا ہے۔ میں چند روز تک آپ کے سپرد کر دوں گا۔ میں ایک ہفتہ کے بعد لاہور واپسی کا وعدہ کر کے ملتان آ گیا اور تیسرے دن ۲۰/ اکتوبر ۱۹۹۴ء کو علوی مرحوم اللہ کو پیارے ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

برادر محترم مولانا عزیز الرحمٰن خورشید نے اپنے مرحوم بھائی کی لائبریری اور مسودات کو

محفوظ کیا اور انہیں یہ مسودہ بھی مل گیا۔ علوی صاحب مرحوم کو اس دنیا سے رخصت ہوئے چار سال بیت چکے ہیں اور آج برادر محترم مولانا عزیز الرحمٰن خورشید کی توجہ سے یہ کتاب منصۂ شہود پر آ رہی ہے۔

حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ ایک انتھک عالم اور مجاہد تھے۔ انہوں نے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز مجلس احرار اسلام سے کیا۔ وہ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے معتمد ساتھیوں میں سے تھے۔ عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ اور ردّ مرزائیت کے لئے مجلس احرار اسلام کے سٹیج سے انہوں نے جو قربانیاں دیں وہ تاریخ کا زرّیں باب ہے۔ قیام پاکستان کے بعد مجلس احرار اسلام کی سیاسی حیثیت ختم کر دی گئی اور جماعت کی سرگرمیوں کو تبلیغی محاذ کے لئے وقف کر دیا گیا۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت کے نتیجہ میں مجلس احرار اسلام کو خلاف قانون قرار دے دیا گیا تو جماعت کے شعبۂ تبلیغ تحفظ ختم نبوت (قائم شدہ ۱۹۳۴ء قادیان) کو متحرک کر کے کام جاری رکھا گیا۔ حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۵۴ء میں اسی شعبہ کو مجلس تحفظ ختم نبوت کے نام سے ایک مستقل اور الگ جماعت کی شکل دے دی۔ ظاہر ہے کہ مجلس میں تمام لوگ وہی تھے جو احرار میں سرگرم تھے۔ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس کے پہلے امیر اور مولانا محمد علی جالندھری ناظم اعلیٰ منتخب ہوئے۔ حضرت امیر شریعت نے احرار سے پابندی اٹھنے کے بعد جماعت کو منظم کرنے پر زور دیا۔ آپ ہی کے حکم پر حضرت شیخ حسام الدین اور ماسٹر تاج الدین انصاری رحمہم اللہ احرار کی تنظیم و ترتیب میں مصروف عمل ہوئے۔ حضرت امیر شریعتؒ نے آخر وقت تک احرار و ختم نبوت کی سرپرستی فرمائی۔ ان کی دعاؤں اور محنت کے صلہ میں آج بھی قافلۂ احرار تحفظ ختم نبوت کے لئے پوری آب و تاب اور شان و شوکت کے ساتھ رواں دواں ہے۔

۲۸ر فروری ۱۹۷۶ء کو جانشین امیر شریعت حضرت مولانا سید ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ربوہ میں مسلمانوں کی پہلی جامع مسجد کا سنگ بنیاد رکھا۔ ان کی گرفتاری کے بعد ابن امیر شریعت فاتح ربوہ حضرت مولانا سید عطاء المحسن بخاری مدظلہ نے نماز جمعہ کی امامت کرائی۔ آج مسجد احرار ربوہ میں مدرسہ ختم نبوت قائم ہے اور اسلام کی تعلیم و تبلیغ کا فریضہ انجام دے رہا ہے۔

کتاب اپنی جگہ ایک مکمل اور بھرپور دستاویز ہے۔ مجھے بعض مندرجات سے اتفاق نہیں اور ریکارڈ کی رو سے ان کی صحت محل نظر ہے۔ علوی مرحوم حیات ہوتے تو میری گذارش پر ضرور نظر ثانی فرماتے۔ تاہم میں نے کتاب کے متن کو نہیں چھیڑا، البتہ جہاں وضاحت کی ضرورت محسوس کی وہاں ناشر کی طرف سے الگ حواشی درج کر دیئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ، علوی صاحب مرحوم کی اس محنت کو قبول فرمائے۔ (آمین)

سید محمد کفیل بخاری

مدیر ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان

تشکر

سوانح مولانا محمد علی جالندھری جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے، برادر عزیز مولانا سعید الرحمن علوی مرحوم نے مولانا جالندھری کے فرزند، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے ناظم اعلیٰ مولانا عزیز الرحمن جالندھری کی خواہش پر مرتب کی۔ کتاب کے پڑھنے سے قارئین کو اندازہ ہو گا کہ عزیز علوی مرحوم نے کتنی عرق ریزی سے اس کو مرتب کیا۔ مولانا کی مکمل زندگی کا مکمل نقشہ اس کتاب میں اجاگر کیا گیا ہے۔

عزیز مرحوم نے مسودہ مکمل کر کے مولانا عزیز الرحمن کے حوالہ کیا اور جب مولانا نے ایک عرصہ تک توجہ نہ دی تو مرحوم نے ان سے واپس لے کر خود چھاپنے کا عزم کیا۔ کتابت کے مراحل کے بعد پروف ریڈنگ کا مرحلہ شروع تھا کہ آں عزیز اچانک داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ ان کے انتقال کے بعد میں نے پھر برادرم مولانا عزیز الرحمن جالندھری سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ آپ اس کتاب کو شائع کریں۔

مگر اللہ جانے کس مصلحت کے پیش نظر انہوں نے میری اس درخواست پر توجہ نہ کی۔ میں اپنے مخدوم زادہ برادر عزیز سید محمد کفیل شاہ صاحب بخاری کا شکر گزار ہوں۔ جنہوں نے میری اس خواہش کو عملی جامہ پہناتے ہوئے اس کتاب کی اشاعت کا اہتمام کیا اور تمام مصارف برداشت کئے۔ کتاب کی پروف ریڈنگ کے سلسلہ میں میرے مخلص بھائی محمد عمر فاروقی ناظم ماہنامہ شمس الاسلام (بھیرہ) بھی شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے شبانہ روز محنت کر کے اس کی تصحیح کی۔ جزاکم اللہ احسن الجزا

عزیز الرحمن خورشید علوی

علوی منزل، بھیرہ

خطیب جامع مسجد فاروقیہ محلہ اسلام نگر ملکوال (منڈی بہاء الدین)

تقدیم

مولانا محمد علی جالندھری ہمارے عہد کے ایک درویش صفت مبلغ تھے جنہوں نے تحفظ ختم نبوت کیلئے نہ صرف تحریراً، تقریراً خدمات سر انجام دیں بلکہ پابند سلاسل بھی ہوئے۔ حضور ختم المرتبت صلی اللہ علیہ وسلم سے انکی محبت و عقیدت اس قدر گہری تھی کہ تحریک تحفظ ختم نبوت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا۔ تعاقب قادیانیت میں دن رات ایک کر دیا۔ اپنے اپنے جذبۂ اخلاص و محبت کی ایک نظیر قائم کر دی۔ انکی ہمت اور حوصلہ اور کام سے لگن آئندہ کام کرنیوالوں کیلئے مشعل راہ ہے۔

عزیزی مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی نے انکی شخصیت اور دینی خدمات پر اپنی زندگی میں اس کتاب کو مرتب کیا۔ عزیز کی زندگی نے وفا نہ کی ورنہ ان سے اس درویش کو بہت امیدیں وابستہ تھیں۔ زبان و قلم کے ساتھ صحیح فکر کے حامل تھے۔ لیکن مشیت ایزدی کے سامنے سر تسلیم خم ہے۔

یہ کتاب ان شاء اللہ مولانا محمد علی جالندھری ؒ کی شخصیت کے حوالہ سے تحریکی کام کرنے والوں کے لئے بہت مفید ہوگی۔

فقیر خان محمد عفی عنہ

خانقاہ سراجیہ

۲۳، جمادی الاوّل ۱۴۱۹ھ

ضابطہ

کتاب: ———— سوانح مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ
مؤلف: ———— محمد سعید الرحمٰن علوی رحمہ اللہ
ضخامت: ———— ۱۹۲ صفحات
تعداد: ———— ایک ہزار
اشاعت اوّل: ———— جمادی الثانی ۱۴۱۹ھ اکتوبر ۱۹۹۸ء
قیمت: ———— ۱۵۰ روپے

○○○

ناشر:
بخاری اکیڈمی، دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

ملنے کے پتے

○ المحمود اکیڈمی، سیکنڈ فلور، عزیز مارکیٹ اردو بازار لاہور
○ مکتبہ معاویہ، دار العلوم ختمِ نبوت جامع مسجد بلاک ۱۲ چیچاوطنی ضلع ساہیوال

○

مولانا محمد علی جالندہری

عالم عاقل مدبر، ذکی مجاہد، جفاکش، متواضع
باوقار اور انتھک جدوجہد کرنے والے انسان

(مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ)

○

حرفِ چند

مجھے اب سال بھی یاد نہیں، مہینہ اور تاریخ کہاں یاد ہوگی، جب مکرم مولانا محمد شریف جالندھری رحمۃ اللہ تعالیٰ، برادر گرامی مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری اور محترم مولانا اللہ وسایا نے دفتر مجلس تحفظ ختم نبوت لاہور (بیرون دہلی دروازہ) میں یاد فرمایا، میں حاضر ہوا تو ان حضرات نے اس خواہش کا اظہار فرمایا، جس میں حکم کی قوت تھی کہ میں "مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ تعالیٰ کی سوانح حیات" مرتب کروں۔

یہ حکم یا خواہش ایک طرح میرے دل کی آواز تھی کیونکہ حضرت مولانا سے میرے خاندان کے کئی طرح کے تعلقات تھے، وہ میرے والد بزرگوار مولانا محمد رمضان علوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے لئے چچا، بڑے بھائی، محسن و مہربان دوست، دیانت دار مشیر اور بہت کچھ تھے، ہماری تعلیم سے لے کر بہت سے گھریلو مسائل تک ابا جان، مولانا سے مشورہ لیتے اور وہ بڑے اخلاص و محبت کے ساتھ مشورہ مرحمت فرماتے ----اس لئے ان کی سیرت و سوانح پر قلم اٹھانا میری سعادت مندی تھی اس مقصد کیلئے ان پر ہر سہ حضرات کے علاوہ مولانا عبدالرحیم اشعر نے بہت تعاون فرمایا، مجلس کے دفتر سے ضروری ریکارڈ کی فوٹو کاپیاں وغیرہ مرحمت فرمائیں، مجلس کے مختلف سالوں کی رپورٹیں نکال کر تھمادیں۔

ادھر جامعہ عربی خیر المدارس ملتان کے مہتمم، استاذ گرامی مولانا محمد شریف جالندھری رحمہ اللہ تعالیٰ نے جالندھر کے زمانہ کا وہ رجسٹر مرحمت فرمادیا جس سے زمانہ جالندھر کے بہت سے اہم گوشے اور مدرسہ کے لئے مولانا کی جہد و سعی کا علم ہوا جبکہ بہت سے حضرات کئی مرتبہ اس رجسٹر کے حصول کی کوشش میں ناکام ہو چکے تھے ----ان کے لئے یہ پہلو بڑا حیرت ناک تھا---- بہرحال یہ استاذ گرامی کا ایسا احسان تھا جس کا صلہ سوائے دعائے خیر ممکن نہیں۔

مدرسہ خیر المدارس کے استاذ حدیث مولانا محمد صدیق---- جو احقر کے محترم استاذ اور حضرت مولانا رحمہ اللہ تعالیٰ کے فرزند نسبتی ہیں نے بہت سی معلومات فراہم کیں۔

ان حضرات و احباب کے علاوہ والد گرامی مولانا محمد رمضان علوی، عم محترم مولانا تاج محمود، مولانا فاضل رشیدی، مولانا حبیب اللہ اور مولانا المرحوم کے سلطان پور لودھی کے زمانہ کے اہم شاگرد و عقیدت مند اور میرے منہ بولے چچا محترم شیخ غلام رسول صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ نے مواد کی فراہمی اور معلومات کے ضمن میں گرامی قدر احسانات فرمائے جس کا صلہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے انہیں ملے گا۔

علاوہ ازیں مجلس کے سابق مبلغ مولانا غلام مصطفیٰ بہاولپوری اور میرے برادر بزرگ اور خاندان کے موجودہ سربراہ مولانا عزیز الرحمٰن خورشید نے بے حد کرم گستری کی جبکہ بعض مطبوعہ کتابوں سے بھی میں نے استفادہ کیا جن میں حیات امیر شریعت از محترم جانباز مرزا اور منیر انکواری رپورٹ وغیرہ شامل ہیں۔

مجلس کے عمائدین اور احباب نے جب یہ حکم ارشاد فرمایا تو جھنگ کے محترم ادیب و صحافی جناب بلال زبیری مرحوم کی ایک مختصر' نامکمل لیکن بہت قیمتی تحریر میرے سپرد کی جس سے مجھے بہت ہی فائدہ ہوا۔ جس کی وجہ سے ان احباب کے شکریہ کے ساتھ مرحوم زبیری کے لئے دعاگو ہوں۔

میں نے بڑے مختصر عرصہ میں کتاب کا ابتدائی حصہ مرتب کر لیا تھا---- یہ وہ حصہ تھا جس کے مواد کا حصول بہت مشکل تھا' لیکن مولانا عزیز الرحمٰن اور مولانا اللہ وسایا کے ساتھ اس وقت مولانا محمد شریف جالندھری اور مولانا اشعر نے اس پر نظر ثانی کی۔

----- ان حضرات میں سے مولانا جالندھری اب دنیا میں موجود نہیں---- رحمہ اللہ تعالیٰ----- لیکن اس موقعہ پر ایک ایسا المیہ رونما ہوا جس کی تفصیل میرے لئے سوہان روح ہے اور اس کا تذکرہ کرنا بہت پریشان کن---- مختصراً' یہ کہ وہ مسودہ "سمگل" ہو گیا اور اس کی روشنی میں ایک "مخلص انسان" نے ایک تذکرہ مرتب کر ڈالا- (۱)

اس صورت حال کی وجہ سے میرا دل ایسا اچاٹ ہوا کہ بارہا اس نامکمل مسودہ کو مکمل کرنے کا ارادہ کیا مجلس کے احباب کی طرف سے بھی تقاضا ہوا لیکن ارادے بن بن کر ٹوٹتے رہے اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی' آج جب میں یہ سطور سپرد قلم کر رہا ہوں تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے مکمل مسودہ میرے سامنے پڑا ہے جسے میں نے چند دن میں مکمل کیا اور گذشتہ رات ہی اس کی تکمیل ہوئی۔

اس کی تکمیل کی جہاں مجھے بے حد خوشی ہے وہاں اس کا رنج بھی ہے کہ میرے بہت سے مخلص و کرم فرما بزرگ' میرے محسن و مربی اور میری خدمت و محنت پر ڈھیروں دعائیں دینے والے' اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں' جو اس مسودہ کو دیکھ کر نہ صرف دعائیں دیتے بلکہ اپنے علم و تجربہ کی بنیاد پر مشورے عنایت کر کے اس کو مزید خوبصورت بناتے' نکھارتے آہ--- کہ ابا حضور' مولانا تاج محمود' مولانا حبیب اللہ' مولانا محمد شریف جالندھری مہتمم خیر المدارس' مولانا محمد شریف جالندھری ناظم مجلس اور شیخ غلام رسول سبھی اس دنیا سے رخصت ہو گئے---- اللہ تعالیٰ ان پر ڈھیروں رحمتیں نازل فرمائے اور ان کی روحانی برکات سے محروم نہ فرمائے---- ان حالات میں دل کا ٹوٹ جانا امر واقعہ ہے لیکن بہرحال' ادائیگی فرض کے جذبہ سے میں نے ایک کام کر دیا---- اور اب اسے بزرگان ملت اور محبان عزیز

---

(۱) پروفیسر ڈاکٹر نور محمد غفاری کی طرف اشارہ ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب "حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمتہ اللہ علیہ" کے مقدمہ میں صفحہ ۱۳ پر مولانا علوی مرحوم کے اس مسودہ کا ذکر کیا ہے (ناشر)

کی نظر کر رہا ہوں۔

اس سارے کام میں خیر و خوبی کی جو بات نظر آئے اسے اللہ تعالیٰ کا کرم حضور خاتم النبین والمعصومین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علی آلہ واصحابہ وسلم کی روحانی توجہ 'صاحب تذکرہ اور میرے مرحوم بزرگوں کی روحانی برکت' زندہ بزرگوں اور احباب کی دعاؤں کا ثمرہ خیال فرمائیں اور جو کوتاہی نظر آئے اسے میرے قصور علم و فہم پر محمول کر کے اصلاح کے لئے رہنمائی فرمائیں۔ جس پر میں از حد مشکور ہوں گا۔

اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے اس خدمت کو قبول فرما کر آنے والی نسلوں کے لئے اسے مینارہ نور بنائے اور مولانا المرحوم اور ان کے احباب کی قائم کردہ مجلس تحفظ ختم نبوت کو دن دونی رات چوگنی ترقی عطاء فرمائے اور مجلس سے وابستہ تمام حضرات کو دولت خلوص و اخلاص سے سرفراز فرمائے۔

ع۔ ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

اللھم ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم بحرمتہ النبی الکریم محمد الامین خاتم النبیین والمعصومین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی الہ واصحابہ وسلم

خاکپائے مجاہدین احرار

محمد سعید الرحمٰن علوی

۱۲۔ آر شاہ جمال لاہور 54600

خاندان

ارائیں برادری ملک کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی ہے تاریخی روایات اس برادری کا رشتہ ان مجاہدین سے جوڑتی ہیں جو محمد بن قاسم رحمہ اللہ تعالیٰ کی معیت میں یہاں وارد ہوئے تھے۔ماضی قریب اور موجودہ زمانہ میں بڑے بڑے نامور لوگ اس برادری میں پیدا ہوئے جنہوں نے ملک و قوم کی تقدیر میں نمایاں کردار ادا کیا۔مجاہدین لدھیانہ کے خاندان سے ملک کا بچہ بچہ واقف ہے بالخصوص رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اور ان کے عم محترم مولانا مفتی محمد نعیم لدھیانوی اسی برادری کے سرخیل افراد تھے۔اس خاندان کے بزرگوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کے کفریات کا سب سے پہلے بھانڈا پھوڑا اور اس خاندان کے بزرگوں نے 1857ء کے جہاد میں فی سبیل اللہ باقاعدہ حصہ لیا۔

خاندان تاریخ ارائیں کے مصنف نے اس خاندان کے جد اعلیٰ کا نام سلیم الراعی لکھا ہے جو حجاج بن یوسف کے کمانڈر تھے اور سندھ و بلوچستان کی بغاوتیں فرد کرنے پر مامور تھے۔ان کی اولاد حکمران تھی اسی نسبت سے "راعی" کہلاتی، یہی لفظ بگڑتے بگڑتے ارائیں بن گیا۔۔۔۔ راعی کے ارائیں بن جانے کی ایک وجہ "دربار اکبری" سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ مغل اعظم اکبر بادشاہ نے ملا مبارک کے خاندان کی بے راہ روی کا شکار ہو کر جب دین الٰہی ایجاد کیا تو اس میں دوسری خرابیوں کے علاوہ بعض عربی الفاظ ممنوع قرار دے دیئے چنانچہ "اعوان" آوان بنا تو "راعی" ارائیں بن گیا واللہ اعلم بالصواب)

تاریخ ارائیاں

اس قوم کے افراد کو سندھ و پنجاب میں بڑی بڑی جاگیریں عطاء ہوئی تھیں بنیادی طور پر یہ لوگ زراعت پیشہ تھے اس لئے عرب سے یہاں نقل مکانی کرنے کے بعد اسی قدیم پیشہ سے اپنی روزی کماتے رہے۔تمام سرکاری کاغذات میں انہیں زراعت پیشہ یا کاشتکار ہی لکھا جاتا رہا۔

مولانا مرحوم کی گوت کی قومی و ملی خدمات کا تذکرہ کہیں نہیں ملتا معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے یہ سعادت آپ کے مقدر میں لکھی تھی کیونکہ آپ اپنی خدمات کی وجہ سے امتیازی مقام کے مالک ہوئے اور صفحہ ہستی پر اپنا نام نقش کر گئے۔فرحمہ اللہ تعالی

پیدائش

ضلع جالندھر کی تحصیل نکودر میں ایک قصبہ ہے جس کا نام ہے "رائے پور ارائیاں" اسے مرحوم کے مولد و منشاء ہونے کا شرف حاصل ہے یہ قصبہ جہاں مادی طور پر سرسبز و شاداب تھا وہاں علمی اور روحانی طور پر بھی اس کی اہمیت مسلم تھی۔ اس دور میں سن و سال لکھنے کا رواج نہ تھا اس لئے حتمی طور پر تاریخ پیدائش کا تعین ممکن نہیں ہاں عمر کا لحاظ و حساب کر کے 1896ء بنتا ہے اور غالباً آپ نے کسی خاندانی روایت کے تحت ایک موقعہ پر فروری کے مہینہ کا ذکر کیا تھا۔

آپ کے والد بزرگوار حاجی محمد ابراہیم صاحب مرحوم بہت متدین، متشرع اور متقی انسان تھے۔ مسلکاً اہل حدیث تھے ان کی شب بیداری اور مہمان نوازی کا چرچا تھا ان کی خواہش تھی کہ اس چاند کو دینی علوم سے آراستہ و پیراستہ کریں۔ چنانچہ وہ اپنے مخلصانہ ارادے میں کامیاب ہوئے اور "محمد علی" دنیائے علم و معرفت میں نیر تاباں بن کر چمکے۔ مرحوم کے منجھلے صاحبزادے مولوی حافظ عزیز الرحمٰن صاحب کی روایت کے مطابق اہل حدیث مسلک ترک کر کے حنفیت اختیار کرنے کا سبب یہ ہوا کہ آپ کے علاقہ میں حضرت فقیہ عصر قطب زماں مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کا بہت چرچا تھا ادھر جالندھر شہر کے قریب سلفی حضرات کا ڈیرہ تھا جہاں مولانا کے والد مرحوم آتے جاتے رہتے تھے۔ تعلیم کے ابتدائی مراحل طے ہو گئے تو والد مرحوم تکمیل تعلیم کی غرض سے خود اپنے ساتھ لیکر دہلی گئے اور پھر دیوبند۔۔۔ دہلی میں میاں نذیر حسین صاحب مرحوم کی درسگاہ کا جائزہ لیا پھر اسی طرح جائزہ لینے کی نیت سے دیوبند تشریف لے گئے۔ حضرت گنگوہی کی نسبت اور خود دیوبند کی تعلیمی خدمات کے سبب اس سے پہلے ہی آشنا تھے والد مرحوم نے دیوبند کی تعلیم پسند کی اور ارشاد فرمایا کہ گھر کی باتیں سیکھنی ہوں تو دہلی موزوں ہے۔ جبکہ علم یہاں دیوبند میں ہے۔ چنانچہ دیوبند میں آپ ٹک گئے اور یہاں کے فیضان نے مزاج میں وہ اعتدال پیدا کر دیا جو حنفیت و دیوبندیت کا لازمی اثر ہے۔ ساری عمر اسی انداز سے مصروف عمل رہے اور اپنے ہاتھوں بنائے ہوئے دفتر ختم نبوت میں جان جان آفریں کے سپرد کر کے اپنے محترم استاذ حضرت مولانا خیر محمد قدس سرہ' کے مدرسہ خیر المدارس کی دار الحدیث کے عقب میں مولانا کے پہلو میں ہمیشہ کے لئے آسودہ خواب ہو گئے۔ "تغمدہ اللہ بغفرانہ"

تعلیم

چونکہ والد مرحوم کی خواہش دینی علوم کی تھی۔ اس لئے انہوں نے اپنے گاؤں کے قریب ایک

دوسرے گاؤں رائے پور گوجراں کے مدرسہ میں آپ کو داخل کرا دیا۔ اس سے قبل گاؤں کے مدرسہ میں جو بنیادی طور پر مسجد کا مکتب تھا کچھ دنوں استفادہ کیا جس سے آپ کو حروف کی پہچان ہو گئی۔ موصوف کو حفظ کلام ربانی کا بے حد شوق تھا لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ جس کا آپ کو عمر بھر افسوس رہا اور پھر اس کی تلافی یوں کی گئی کہ آپ نے اپنے بچوں بچیوں حتیٰ کہ پوتوں، نواسوں سب کو قرآن مجید یاد کرایا۔ اور اس مہکتے چمن کو دیکھ کر آپ خوشی اور مسرت محسوس کرتے۔۔۔۔ گاؤں کے مکتب کے بعد مدرسہ رشیدیہ رائے پور گوجراں میں تشریف لائے حضرت قطب الاقطاب شاہ عبدالرحیم رائے پور رحمہ اللہ تعالیٰ کے فیض یافتہ انتہائی باخدا اور صالح بزرگ حضرت محمد صالح قدس سرہ کی گرمی نفس اس درسگاہ کا باعث تھی۔ جبکہ مہتمم حضرت مولانا فضل احمد رائے پوری رحمہ اللہ تعالیٰ صدر مدرس استاذ العلماء فقیہ پنجاب مولانا مفتی فقیر اللہ قدس سرہ۔ جو حضرت شیخ العالم مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ کے تلمیذ رشید تھے۔

اس اجمالی کیفیت سے اس مدرسہ کی جو فضا ہو گی اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں، واقعہ یہ ہے کہ یہاں صرف تلاوت کتاب و تعلیم کتاب کا کام ہی نہیں ہوتا تھا بلکہ یہاں دلوں کے مانجھنے کا کام بھی ہوتا تھا۔ اور وہ اس طرح نہیں کہ طلبہ بت ہوں اور ذکر و فکر، مراقبہ و نوافل میں وقت گزاریں کیونکہ ہمارے اسلاف دور طالب علمی میں باقاعدہ سلوک کیخلاف تھے وہ طالب علم کی ریاضت و مجاہدہ کا راز کتاب سے اس کے تعلق کو بتلاتے تھے۔ لیکن وہ اتنے پاک باز اور پاک طینت تھے کہ طلبہ غیر شعوری طور پر ان کے رنگ میں رنگے جاتے اور جب انہیں دستار فضیلت ملتی تو ایک شیخ وقت کی اجازت بھی بالعموم ساتھ ہوتی۔۔۔۔ دارالعلوم دیوبند کے متعلق یہ بات تواتر کے درجہ میں پہنچی ہوئی ہے کہ اس کے صدر مدرس و شیخ الحدیث سے لے کر خاکروب تک سبھی ولی اللہ ہوتے۔۔۔۔ ہمارا محض عقیدت مندانہ دعویٰ نہیں بلکہ مشاہدہ اور حقائق اس بات کے غماز ہیں کہ اس مادر علمی سے وابستہ سبھی درسگاؤں کا یہی حال تھا پر افسوس آج وہ روحانیت کی گرمی سرد پڑ گئی جس کے سبب فتنوں کے کتنے ہی دروازے کھل گئے۔ "فیا حسرتا"

رائے پور گوجراں کی یہی درسگاہ رشیدیہ ملک کے خونی حادثہ کے بعد منٹگمری حال ساہیوال منتقل ہو گئی اور اب الحمدللہ ملک کی صف اول کی درسگاہوں میں سے ایک ہے (اللہ نظر بد سے بچائے) آج اسے شیخ وقت مولانا عبدالعزیز چک 11، چیچہ وطنی جیسے بزرگوں کی سرپرستی حاصل ہے۔ تو حضرت مفتی فقیر اللہ صاحب قدس سرہ کے دو صاحبزادوں حضرت مولانا محمد عبداللہ اور مولانا حبیب اللہ کی تعلیمی و تنظیمی تجربات اس کا سرمایہ ہیں۔ جبکہ تیسرے صاحبزادے مولانا قاری لطف اللہ صاحب راہ حق میں شہید ہو کر

زندہ جاوید ہو گئے۔(۱)

مدرسہ رشیدیہ ہمارے مدارس میں جس امتیازی حیثیت کا مالک ہے۔اس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کی مستقل تاریخ مرتب ہو----- دیکھیں یہ سعادت کس کے حصہ میں آتی ہے۔یہاں ہم صرف ایک بات عرض کریں گے اور وہ یہ کہ مصر کے علماء کا جو وفد علامہ رشید رضا رحمہ اللہ تعالیٰ کی قیادت میں یہاں آیا تھا اس نے اس مدرسہ کو بھی دیکھا اور جاتے ہوئے اپنے تاثرات اس طرح سپرد قلم کئے کہ۔

"اگر ہم شہری فضا سے دور اور خاموش فضا لیکن علم و حکمت اور روحانی تربیت سے معمور اس مرکز علم و ادب کو نہ دیکھتے تو ہمارا سفر ہند ناکام ہوتا"

(روداد مجلس تحفظ ختم نبوت1391ھ ،صفحہ 2'3)

حضرت مفتی فقیراللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے صاحبزادے مولانا حبیب اللہ فاضل رشیدی نے اپنی والدہ محترمہ سے روایت کی کہ جب مولانا محمد علی مدرسہ رشیدیہ میں داخل ہوئے تو مفتی صاحب نے گھر میں ذکر کیا کہ ایک چھوٹا لڑکا تعلیم حاصل کرنے آیا ہے جو بہت ذہین اور ذکی ہے----- یہ لڑکا وہی تھا جو آئندہ چل کر مولانا محمد علی کہلایا بہت چھوٹا ہونے کے سبب مفتی صاحب کے گھر میں ہی اس لڑکے کا قیام ہوتا اور یہ اس کی سعادت مندی تھی کہ استاذ محترم کے گھر کے اکثر کام وہ اپنے ہاتھ سے انجام دیتا۔ہمت پور نامی قصبہ وہاں سے تین میل تھا جہاں سے آٹا پسوا کر لانا اور دو میل دور دریا سے لکڑیاں لانا سب مولانا کے کام تھے ان کا کھانا استاذ محترم کے ساتھ پکتا اس طرح تعلیم کے ساتھ تربیت اور خدمت کے مراحل طے ہوتے رہے۔

مدرسہ رشیدیہ کے علاوہ آپ نے لدھیانہ کے بعض مدارس میں بھی پڑھا لیکن ان کی تفصیلات معلوم نہیں ہو سکیں۔البتہ رشیدیہ کے علاوہ منڈی صادق گنج ضلع بہاولنگر میں غزنوی حضرات کے مدرسہ میں آپ کی تعلیم کا مکمل ثبوت موجود ہے۔اس مدرسہ میں حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہ مدرس تھے ان کا وطن مالوف بھی جالندھر تھا حضرت مفتی فقیراللہ صاحب قدس سرہ سے انہیں بھی شرف تلمذ حاصل تھا۔مولانا محمد علی کی تعلیم و تربیت میں مفتی صاحب مرحوم کے بعد مولانا خیر محمد صاحب کا بہت حصہ ہے اور استاذ شاگرد کا یہ رشتہ محبت و مودت آئندہ چل کر ایسا رنگ لایا کہ دینی تعلق کے ساتھ دنیوی قرابت داری بھی ہو گئی اور وہ اس طرح کہ مولانا محمد علی کے صاحبزادے حافظ حبیب الرحمن مولانا خیر محمد کے فرزند نسبتی قرار پائے۔

۱؎ جس وقت یہ سطور لکھی گئیں حضرت مولانا عبدالعزیز قدس سرہ ،مولانا محمد عبداللہ ،اور مولانا حبیب اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ بقید حیات تھے۔افسوس کہ یکے بعد دیگرے ان کے سانحہ ہائے ارتحال کے بعد جامعہ رشیدیہ اپنے ان مربیوں کے برکات و فیوض سے محروم ہو گیا۔کئی طرح کی آزمائشوں اور فتنوں سے گزرنے کے بعد اب اس گلستان کی پھر سے چمن بندی ہو رہی ہے۔اللہ تعالیٰ اس کے مستقبل کو ماضی کی طرح درخشاں اور قابل رشک بنادے۔آمین

استاذ شاگرد کے سیاسی مسلک میں واضح اختلاف تھا کہ حضرت مولانا خیر محمد حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے خلیفہ ارشد تھے تو مولانا محمد علی مجلس احرار اسلام کے ذمہ دار رہنما تھے۔ لیکن امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد (کانگریس) اور نواب صدر یار جنگ' مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی (غیر کانگریسی) کے مثالی تعلقات کا دوسرا عکس کہیں نظر نہیں آتا ہے تو مولانا خیر محمد اور مولانا محمد علی کے تعلقات میں کیا قباحت؟' مولانا محمد علی استاذ محترم کا آخر وقت تک اس طرح احترام کرتے جیسے چھوٹا بچہ باپ کا احترام کرتا ہے اور یہ اتفاق ہے کہ مولانا خیر محمد کے چھ ماہ بعد مولانا محمد علی اس دنیا سے رخصت ہوئے جبکہ مولانا خیر محمد سے چھ ماہ قبل ایک دوسرے بزرگ حضرت مولانا محمد ابراہیم (میاں چنوں) خلیفہ راشد حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہ دنیا سے سدھار گئے۔ مولانا جالندھری نے استاذ محترم مولانا خیر محمد کی توجہ سے حضرت تھانوی کے مواعظ کا بکثرت مطالعہ کیا اور بقول مولانا حبیب اللہ رشیدی فرمایا کہ "ان سے مجھے اطمینان قلب نصیب ہوا اور یہ حضرت استاذ کا مجھ پر بہت بڑا احسان ہے۔"

ہم آئندہ چل کر بتلائیں گے کہ مولانا خیر محمد صاحب نے جب اپنی علمی سرگرمیوں کا مرکز جالندھر کو بنایا تو اس میں ان کے دست و بازو مولانا محمد علی ہی تھے اور تقسیم کے بعد خیر المدارس کا ملتان میں قیام بھی آپ کی سعی و کوشش کا مرہون منت ہے ملتان میں مولانا محمد علی نے جو قربانی دی اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔

ان تعلیمی سرگرمیوں کے بعد مولانا نے مادر علمی دارالعلوم دیوبند کا رخ کیا جو اس زمانہ میں دنیائے اسلام کا سب سے بڑا علمی مرکز تھا۔ وہاں جانے کا رجحان تو مفتی فقیر اللہ صاحب کی توجہ سے ہوا اس کے باوجود جیسا کہ پہلے گزرا والد صاحب کے ساتھ دھلی بھی تشریف لے گئے۔ چونکہ دل دیوبند کی طرف مائل تھا اس لئے والد صاحب کا رجحان بھی اس طرف ہو گیا اور آپ دیوبند کے ہو کر رہ گئے---- دیوبند میں اس زمانہ میں امام العصر حضرت العلام الشیخ محمد انور الکشمیری قدس سرہ رونق بزم علم تھے اس ہونہار شاگرد نے محدث عصر کے سامنے زانوائے تلمذ تہہ کیا اور وہاں سے بامراد و سرخرو ہو کر نکلے۔

حضرت الاستاذ کی وصیت

دارالعلوم دیوبند کے فضلاء فراغت کے بعد واپس ہونے لگتے تو اساتذہ کرام سے الوداعی ملاقات کرتے۔ دعا کراتے اور اساتذہ اپنے ان نونہالان کو نصیحت فرماتے۔ حضرت امام العصر سید انور شاہ صاحب قدس سرہ فتنہ قادیانیت کے سلسلہ میں جس قدر حساس تھے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ قریبا" ہر طالب علم کو اس فتنہ کے استیصال کی طرف توجہ دلاتے۔ مولانا جالندھری جب حضرت الاستاذ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو واپسی کی اجازت طلب کرتے ہوئے دعا کی درخواست کی اور عرض کیا کہ میرا خاندان اہل حدیث ہے جبکہ میں حنفی ہوں خطرہ ہے کہ گھر میں اختلافی مسائل سے بدمزگی پیدا

نہ ہو- رفع اختلاف اور اصلاح ذات البین کے لئے خصوصی دعا فرمائیں----- حضرت شاہ صاحب قدس سرہ نے ارشاد فرمایا-

بھائی مولوی صاحب!----اہل سنت اور اہل حدیث کے اختلافات کی کیا فکر ہے- [1]

تمہارے پنجاب میں جھوٹی نبوت 'کذاب نبی' دجال امت اور خطرناک پارٹی پیدا ہو چکی ہے یہ پارٹی کافرانہ عقائد اور غیر اسلامی مسائل کی حامل ہے- یہ لوگ اپنے عقائد کی بنا پر مرتد ہو چکے ہیں اور مسلمانوں کو مرتد بناتے ہیں- مولوی صاحب! اس فتنہ کا مقابلہ کرو اور مسلمانوں کے باہمی اختلافی مسائل سے بچتے رہو- قادیانی فتنہ اور طائفہ مرتدہ کے خلاف کام کر کے حضور علیہ السلام کی روح طیبہ کو خوش کرو- مسلمانوں اور اسلامی فرقوں کے مسائل میں اختلاف کے باوجود "اتحاد عمل" اور آپس میں اتفاق رکھتے ہوئے منکرین جہاد و ختم نبوت کے مقابلہ پر سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر رہنا چاہیے- مزید فرمایا' مسلمان فرقوں کے درمیان اختلاف ہو تو ہو لیکن مخالفت نہ ہو اور سب مسلمانوں کو سب سے پہلے نبوت کاذبہ کا ڈٹ کر مقابلہ اور مسلمانوں کی طرف سے مدافعت کرنی چاہیے- مزید فرمایا کہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ نے خلافت کے زمانہ میں مصطفیٰ کمال اور مسلمانان ترکی کی تکفیر کے فتویٰ کو مسترد کر دیا تھا- مقصد یہی تھا کہ مسلمان کو اس سطح پر نہیں آنا چاہیے کہ دوسروں کی تکفیر کرنے لگے ہاں جنہوں نے اسلام کو از خود ترک کر کے خود ساختہ معتقدات و نظریات گھڑ لئے اور اپنے لئے کفر کو پسند کر لیا ان کے کفر کا اظہار اور ان سے مقابلہ از بس ضروری ہے اور اس معاملہ میں کسی قسم کا تساہل و مداہنت جائز نہیں-

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کاشمیری قدس سرہ کا وہ تفصیلی بیان بعنوان دعوت حفظ ایمان بھی شامل کر دیا جائے جو آپ نے 12 ذی قعدہ 1351ھ کو دیوبند سے جاری فرمایا----اس بیان کا پس منظر وہ نام نہاد کشمیر کمیٹی تھی جس کا مقصد مظلوم کشمیری عوام کے حقوق کا تحفظ تھا لیکن درپردہ مرزائیت کی جڑیں اس خطہ میں مضبوط کرنا مقصود تھیں اس لئے سرکار پرستوں نے مرزا بشیر الدین محمود آنجہانی کو اس کا صدر بنوا دیا- حضرت شاہ صاحب کے بیان کا متن درج ذیل ہے-

---

[1] حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقصد واضح ہے کہ یہ اختلافات بہرنوع فروعی ہیں ان کے معاملہ میں اگر باہمی احترام کا لحاظ رکھا جائے تو کوئی حرج کی بات نہیں' لیکن اگر ایسا ہو جائے کہ کوئی فریق ان کی آڑ میں غلو اختیار کر لے تو پھر اس خود سری کا جواب بہر طور ضروری ہو جاتا ہے-(علوی)

حامداً و مصلیاً و مسلماً! السلام علیکم یا اہل الاسلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'
محمد انور شاہ کشمیری عفا اللہ عنہ بحیثیت ایمان و اسلام و اخوت دینی اور امت مرحومہ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضاء ہونے کے لحاظ سے کافہ اہل اسلام خواص و عوام کی عالی خدمت میں عرض گذار ہے کہ اگرچہ فتنے طرح طرح کے حوادث اور وارداتیں اس دین سماوی پر وقتاً فوقتاً گزرتی رہی ہیں اور باوجود اس کے کہ آخری پیغام خدائے برحق کا یہ ہے۔ کہ

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا O
ترجمہ:۔ آج کے دن میں نے دین تمہارا کمال کو پہنچایا اور اپنی نعمت تم پر پوری کردی اور اسلام پر ہی تمہارا دین ہونے کے لئے راضی ہوا۔

ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین وکان اللہ بکل شئی علیما O
ترجمہ:۔ نہیں محمد ﷺ کسی کے باپ تمہارے مردوں میں سے لیکن ہیں رسول' اللہ کے اور خاتم پیغمبروں کے اور اللہ ہر چیز کا اپنے امور میں سے عالم ہے۔

اور اس کے قطعی الدلالت ہونے پر بھی امت محمدیہ کا اجماع منعقد ہو گیا اور ختم نبوت کا عقیدہ ڈین محمدی کا اساسی اصول قرار پایا اور جس امت نے ہم تک یہ آیت پہنچائی اسی امت نے یہ مراد بھی پہنچائی اور اس دعویٰ پر مسیلمہ کذاب اور اسود کاذب کو قتل کیا اور بڑا کفر دونوں کا یہ دعویٰ قرار دیکر کذاب مشتہر کیا اور باقی جرائم کو کذاب کے ماتحت رکھا۔ مگر پھر بھی بحکم حدیث نبوی بہت سے دجالوں نے نبوت کے دعوے کئے اور ان کی حکومتیں بھی رہیں اور بالآخر واصل جہنم ہوئے۔ ہمارے اس منحوس زمانے میں جو یورپ کی افتاد سے ایمان اور خصائل ایمان کی فنا کا زمانہ ہے منشی غلام احمد قادیانی کا فتنہ درپیش ہے اور گذشتہ فتنوں سے مزید اور شدید ہے اور حکومت وقت بھی بمقابلہ مسلمانوں' قادیانی جماعت کی امداد اور اعانت کر رہی ہے۔ یہ جماعت بہ نسبت یہود اور نصاریٰ و ہنود کے اہل اسلام کے ساتھ زیادہ عداوت رکھتی ہے۔ کوئی چیز ان کے اور اہل اسلام کے درمیان مشترک اور اتحادی باقی نہیں رہی منشی غلام احمد قادیانی جو اس زمانہ کا دجال اکبر ہے بیس جزو حی قرآن مجید پر اضافہ کرتا ہے۔ جو کوئی ان کی اس بیس جزو حی کا انکار کرے اور ان کو نبی نہ مانے' وہ ان کے نزدیک کافر ہے اور اولاد زنا ہے اور کوئی اسلامی تعلق مثل جنازہ کی نماز اور نکاح کے اس کے ساتھ جائز نہیں۔ پھر قرآن مجید کی تفسیر اس نے اپنے قبضہ میں کر رکھی ہے۔ دوسرے کسی کا کوئی حصہ نہیں لگتا۔ جیسے فارسی مثل ہے۔

ع۔۔۔۔ خوردن ز من ولقمہ شمردن از تو

اس کی تفسیر کے متعلق خواہ کل امت کا اختلاف ہو وہ سب اس کے نزدیک گمراہ ہیں۔ حدیث پیغمبر اسلام کی جو اس کی وحی کے موافق نہ ہو' اس کی نسبت اس کی تصریح ہے کہ ردی کے ٹوکرے میں پھینک دی جائے۔ ان دو اصول اسلام یعنی کتاب اور سنت کی تو اس کے نزدیک یہ حاصلات ہے اور بحسب تصریح

اس کے اس پر شریعت بھی نازل ہوئی ہے۔ اور بمقابلہ اس عقیدہ اسلامیہ کے کہ بعد ختم نبوت کے آئندہ کوئی شریعت نہیں ہو گی۔ صریح ادعاء شریعت کیا ہے اور نیز اس کا اعلان ہے کہ آئندہ حج قادیان ہوا کرے گا اور نیز جہاد شرعی اس کے آنے سے منسوخ ہو گیا اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات تو تین ہی ہزار نقل ہوئے ہیں۔ منشی غلام احمد قادیانی کے تین لاکھ اور دس لاکھ تک ہیں۔ جن میں تحصیل چندہ کی کامیابی بھی شمار ہے اور اس کے اشعار ہیں۔

زندہ شد ہر نبی ہر رسولے نہاں بہ پیر ہنم

آنچہ حق داد ہر نبی را جام داد آں جام رامرا با تمام

نیز اپنی مسیحیت کی تولید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کہ جن پر ایمان دین محمدی ہے ایسی توہین کی ہے کہ جس سے دل اور جگر شق ہوتا ہے اور اس کے نزدیک تحقیق توہین ہے۔ الزامی یا بقول نصاریٰ تو درکنار رہی توہین عیسیٰ علیہ السلام میں علاوہ اپنی تحقیق توہین کے ایک اور طریقہ بھی اختیار کیا ہے کہ نقل نصاریٰ کے سر رکھ کر توہین سے اپنا دل ٹھنڈا کرتا ہے۔

گفتہ آید در حدیث دیگراں

یہ معاملہ اسی پیغمبر کے ساتھ کیا ہے تاکہ عظمت ان کی وثوق سے اتار دے اور خود مسیح بن بیٹھے اسی واسطے ہنود کے پیشواؤں کے ساتھ ایسا نہیں کیا بلکہ توقیر کی ہے اور ایسے ہی بزرگان اسلام امام حسینؓ وغیرہم کی تحقیر اور اپنی تعلّی میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ غرض یہ کہ اس دجال کی دعوت اس کے نزدیک سب انبیاء اور رسل صلوات اللہ علیہم سے بڑھ چڑھ کر اور افضل و اکمل ہے۔

علماء اسلام نے اس فتنہ کے استیصال میں خاصی خدمتیں کیں مگر وہ خدمتیں انفرادی اور خصوصی تھیں۔ اس وقت کہ ایک لطیفہ غیب نمودار ہوا ہے کہ مجاہد ملت جناب سامی القاب مولوی ظفر علی خان صاحب دام برکاتہ' اس خدمت کا فرض ادا کر رہے ہیں جس کی وجہ سے اس وقت جناب ممدوح اور ان کے رفقاء جناب مولوی عبدالحنان صاحب ہزاروی' مولوی لال حسین صاحب اختر اور احمد یار خان صاحب سپرد حوالات ہیں۔ ہم کو کچھ حمیت اور حمایت اسلام سے کام لینا چاہیے۔ اہل خطہ کشمیر سمجھ اور بوجھ لیں کہ جو کچھ قادیانی جماعت ان کی امداد کر رہی ہے وہ اہل خطہ کے ایمان کی قیمت ہے اور ناممکن ہے کہ کوئی امداد اور ہمدردی اس فرقہ کی ایمان خریدنے کے سوا ہو۔

دانی کہ چنگ دعود چہ تقریر می کنند

پنہاں خورید بادہ کہ تکفیر می کنند

اور جن لوگوں نے اس فرقہ کے ساتھ کسی قسم کی رواداری بھی برتی ہے وہ خطرہ میں ہیں یہ نہ سمجھیں کہ یہ کوئی معمولی بیعت ہے۔ بلکہ ایک چھوٹی پیغمبری سے ایک بڑی پیغمبری قادیانی میں تحویل ہونا

ہے۔اور جس کا جی چاہے ان عقائد ملعونہ قادیانی کا ثبوت ہم سے لے اور اس شدید وقت میں کہ وطن کو بے خبر کر کے ایمان پر چھاپہ مارا گیا ہے' کچھ غیرت ایمانی کا ثبوت دے۔

جن حضرات نے اس احقر ہیچمیز سے حدیث شریف کے حرف پڑھے ہیں جو تقریباً دو ہزار ہوں گے وہ اس وقت کچھ ہمدردی اسلام کی کر جائیں اور کلمہ حق کہہ جائیں اور انجمن دعوت وارشاد میں شرکت فرمائیں۔

اس فرقہ کی تکفیر میں توقف یا تو اس وجہ سے ہے کہ صحیح علم نصیب نہیں ہوا اور اب تک ایمان اور کفر کا فرق ہی معلوم نہیں اور نہ کوئی حقیقت محصلہ ایمان کی ان کے ذہن میں ہے اور یا کوئی مصلحت دنیاوی دامن گیر ہے۔ورنہ اسلام کوئی نسبی اور نسلی لقب نہیں ہے۔جیسے یہود اور ہنود کہ زائل نہ ہو۔ اور جو کوئی بھی اپنے آپ کو مسلمان کہے بس وہ قوم نسبی لقب یا ملکی وشہری نسبت کی طرح لائینگ رہے بلکہ عقائد اور عمل کا نام ہے اور ضروریات قطعیہ اور متواترات شرعیہ میں کوئی تاویل یا تحریف بھی کفر والحاد ہے۔جب کوئی ایک حکم قطعی اور متواتر شرعی کا انکار کر دے وہ کافر ہے۔خواہ اور بہت سے کام اسلام کے کرتا ہو۔ان اللہ لیئوید الدین بالرجل الفاجر۔اسی میں وارد ہوا ہے حق تعالٰی صحیح علم اور صحیح سمجھ اور توفیق عمل نصیب کرے۔آمین

انتباہ

آخر میں یہ عاجز بحیثیت رعیت ریاست کشمیر ہونے کے حکومت کو متنبہ کرنا چاہتا ہے کہ قادیانی عقیدہ کا آدمی عالم اسلام کے نزدیک مسلمان نہیں ہے۔لہٰذا حکومت کشمیر وجمیع اہل اسلام اور مذہب قدیمی اہل کشمیر کی رعایت کرتے ہوئے قادیانیوں کی بھرتی اسکولوں اور محکموں میں نہ کرے ورنہ اختلال امن کا اندیشہ ہے۔

محمد انور شاہ کشمیری عفا اللہ عنہ

از دیوبند محلہ خانقاہ 12 ذیقعدہ 1351ھ

اور جب حضرت شاہ صاحب قدس سرہ اپنے آخری سفر پر لاہور تشریف لائے تو موچی دروازہ کے تاریخی باغ میں ایک عظیم اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

> "جو مسلمان قیامت کے دن حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت چاہتا ہے وہ قادیانیت کی تردید کرے کیونکہ اس تحریک کا مقصد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی نبوت کو مٹا کر قادیانی نبوت کو فروغ دینا ہے"۔(روداد مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان 1382ھ صفحہ 12-13)

مزید اس موقعہ پر یہ بھی ملاحظہ فرمائیں کہ اکثر قائدین احرار کے شیخ و مربی حضرت اقدس رائے پوری کا معاملہ اس سلسلے میں حضرت الامام السید محمد انور شاہ صاحب جیسا تھا بقول صاحب تذکرہ مولانا محمد علی صاحب جالندھری

"مرزائیت کی نسبت جس قدر متفکر رہتے آپ کو معلوم ہی ہے جب میں حاضر ہوتا فرماتے مرزائیوں کا کیا حال ہے؟ اگر کوئی خوشی کی بات بتائی جاتی اکثر فرماتے الحمد للہ - اگر ہنسی والی بات ہوتی تو ایسا ہنستے کہ تمام بدن مبارک متحرک ہو جاتا---- ایک دفعہ حاضر ہوا تو ایک نوٹ نکال کر عطا فرمایا کہ ختم نبوت کے کام کی امداد میری طرف سے' پھر مجلس میں حاضرین کو توجہ دلائی سب نے امداد کی حضرت مولانا فضل احمد صاحب نے دس روپیہ کا نوٹ نکال کر دیا فرمایا پانچ روپے رکھ لو میں پانچ واپس کرنے لگا- حضرت نے فرمایا "واپس کیوں لیتے ہو یہ بھی دے دو" انہوں نے وہ بھی دے دیا-" (سوانح حضرت رائے پوری صفحہ 295)

تدریسی خدمات

موجودہ نسل کا المیہ یہ ہے کہ اس نے علماء کو پہچانا ہی نہیں اور اگر پہچانا بھی تو ایک مقرر و واعظ کی حد تک اور اس میں غالباً قصور ان پیشہ ور آج کل کے واعظین کا ہے جنہوں نے احبار و رہبان یہود کی طرح دعوت و تبلیغ کو جلب منفعت کا ذریعہ بنا رکھا ہے ان کی اکثریت ایسی ہے جس کا تمام تر سرمایہ چند اشعار اور چند بے ربط واقعات ہیں سال کے 365 دنوں میں یہ لوگ ہوس کا شکار ہو کر 366 تقریریں کرتے اور خوب فیس وصول کرتے ہیں ان 366 تقریروں میں کوئی نئی بات' علمی انداز گفتگو' متانت و سنجیدگی یا ضروری مسائل پر قوم کی رہنمائی---- توبہ توبہ انہیں کیا واسطہ' وہی اشعار اور وہی واقعات دہرائیں گے جیب بھاری کریں گے اور چل دیں گے---- مولانا محمد علی خطیب تھے' واعظ تھے' قادر الکلام مقرر اور بلا مبالغہ پنجابی کے ابو الکلام تھے-

حکیم آزاد شیرازی صاحب سیاسی مسلک کے طور پر خاکسار تحریک سے وابستہ تھے اس کے باوجود انہوں نے اس حقیقت کا اعتراف کیا اور خوب' 20 اگست 1971ء کے ہفت روزہ خدام الدین لاہور میں رقم طراز ہیں-

"مولانا محمد علی کی زندگی ایک جفاکش مجاہد کی زندگی تھی میں نے ان کی ذات میں حضرت شیخ التفسیر (مولانا احمد علیؒ) کی روحانیت' امیر شریعت کی خطابت' علامہ المشرقی کی سخت گیری و سخت کوشی کی صفات کا مشاہدہ کیا--- تنظیم کی

صلاحیتوں میں بھی ان کی شخصیت عدیم المثال تھی خطابت میں وہ مولانا
ابوالکلام آزاد کا پنجابی ترجمہ تھے کوئی بات دلیل کے بغیر نہیں کہتے تھے۔اور ہر
دلیل برہان قاطع کی حیثیت رکھتی تھی ان کی تقریریں سادگی اور پرکاری کا
حسین امتزاج تھیں----خصوصاً ختم نبوت کے موضوع پر ان کی تقریروں نے
میرے ایمان کو پختگی بخشی اور لاکھوں مسلمانوں کے ذہنوں سے اوہام باطلہ کو
نکالا۔ قادیانی علم کلام ان کی مدلل تقریروں کے سامنے لاجواب تھا۔"

انہیں آج کے پیشہ ور مقرروں سے کوئی نسبت نہ تھی ان کی تقریریں دلائل و براہین کا متلاطم سمندر ہوتیں، علم کی گہرائی اور گیرائی ان کے خطابات کو امتیاز بخشتی اور وہ ہر سٹیج پر چھا جاتے۔اس کی وجہ ان کی خداداد صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ یہ تھی کہ انہوں نے وقت کے بہترین اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ محنت سے پڑھا اور پڑھائی کے زمانہ میں صرف تعلیم سے واسطہ رکھا۔ فراغت ہوئی تو تدریس کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا۔یہ صحیح ہے کہ اس زمانہ میں بھی انہوں نے اپنے استاذ اکبر حضرت العلام السید محمد انور شاہ قدس سرہ کی ہدایت کے مطابق قادیانی دجل و تلبیس سے خلق خدا کو بچانے کیلئے جدوجہد جاری رکھی اور صداقت اسلام سیرۃ النبی ﷺ ختم نبوت ﷺ حیات مسیح، صدق و کذب مرزا جیسے عنوانات پر تقریریں کیں لیکن کم و بیش سولہ سال بنیادی طور پر آپ درس و تدریس سے وابستہ رہے۔سب سے پہلے جس مدرسہ میں آپ نے تدریسی خدمت سرانجام دیں وہ "دجوہہ خورد ضلع جالندھر" کا مدرسہ اہلسنّت و جماعت ہے۔ جس میں آپ کو صدارت تدریس تفویض کی گئی---- مرحوم جس طرح تقریروں میں ہدایات عوام کے ذہن نشین کراتے تھے یہی حال تدریس کا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ طلباء مسحور ہو کر رہ گئے آپ کے اس دور کے تلامذہ میں "مولانا غلام حیدر صاحب (میاں چنوں ضلع خانیوال) مجلس تحفظ ختم نبوت کی طرف سے اسلام آباد میں مامور رہے"۔ 27-1926ء میں ریاست کپور تھلہ کے قصبے سلطان پور لودھی کے احباب کے اصرار پر وہاں کے مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں تشریف لے گئے۔وہاں تدریس کے ساتھ ساتھ عید گاہ میں جمعہ کا سلسلہ شروع کیا تو خلق خدا الڈ آئی۔استاذ محترم کی نصیحت کے مطابق تردید قادیانیت تو آپ کا محبوب موضوع تھا ہی اس کے ساتھ اصلاح معاشرہ اور تردید بدعات و رسومات کا بہت لحاظ فرماتے اور تدریس کے علاوہ اوقات میں قریبی دیہاتوں اور قصبات میں جا جا کر لوگوں کو بدعات، رسومات، اسراف، فضول خرچی اور اس قسم کی قباحتوں سے روکتے۔اسلام کی سادہ زندگی بسر کرنے کی تلقین کرتے----اس کے بعد وہ وقت آیا کہ آپ جالندھر پلٹ آئے اور اپنے استاذ محترم حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہ کے ایما سے قائم ہونے والے مدرسہ "فیض محمدی" میں استاذ شاگرد مصروف عمل رہے۔اس مدرسہ کو ایک وقت میں بڑا عروج نصیب ہوا۔اس ادارہ کے سرپرست حضرت منشی رحمت علی

صاحب خلیفہ مجاز حضرت رائے پوری قدس سرہما تھے تو اعزازی مہتمم مولانا فضل احمد رائے پوری مرحوم ---- ان حضرات نے درس و تدریس کے سلسلہ میں مولانا خیر محمد اور مولانا محمد علی ہر دو حضرات کو بلایا وہ آئے۔ اس دعوت میں ان دونوں حضرات کے مشترکہ استاذ حضرت مفتی فقیر اللہ صاحب قدس سرہ بھی شامل تھے مولانا خیر محمد کو ناظم تعلیمات بنایا گیا تو مولانا محمد علی کو مبلغ و مدرس۔ ان حضرات کی شبانہ روز محنتوں سے طلبہ کا زبردست ہجوم ہوا علاقہ میں مدرسہ کے معاونین میں اضافہ ہوا اور چند سال میں باقاعدہ دورہ حدیث شروع ہو گیا۔ 17۔ ربیع الاول 1349ھ کی تاریخ مولانا خیر محمد صاحب کے لئے بڑی المناک ثابت ہوئی آپ کے بھائی ہیضہ کی وباء کی وجہ سے انتقال کر گئے آپ کو 15 دن کی باقاعدہ رخصت لینا پڑی ---- حالات نے پلٹا کھایا دونوں حضرات مدرسہ سے فارغ ہو گئے لیکن طلبہ چمٹ گئے اور یوں ان حضرات کو یہ درسگاہ مسجد عالمگیر جالندھر میں منتقل کرنا پڑی۔ اس وقت 60 طلبہ تھے اور ایک تیسرے مدرس مولانا احمد بخش مرحوم بھی ہمراہ تھے۔ چونکہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب کا روحانی تعلق حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ سے تھا اس لئے آپ نے صورت حال سے حضرت کو مطلع کیا۔ آپ کا ذہن یہ تھا کہ اپنے گاؤں عمروال بلا تحصیل نکودر ضلع جالندھر میں مختصر طریقہ سے حسبۃ للہ کام کیا جائے۔ لیکن حضرت تھانوی نے شہر کو ترجیح دی۔ اس کے بعد مولانا خیر محمد نے شہر میں کام کرنے کا فیصلہ کیا اور مدرسہ کا نام "اشرف العلوم" تجویز کیا لیکن مرشد نے "خیر المدارس" نام تجویز کیا۔

19 شوال 1349ھ بمطابق 9 مارچ 1931ء میں اسی مسجد عالمگیر بازار اناری میں اس نام سے کام شروع ہوا جو حضرات ابتدائی شوریٰ کے ممبر تھے ان کے اسماء گرامی یہ ہیں "حضرت مولانا خیر محمد، حضرت مفتی محمد حسن بانی جامعہ اشرفیہ لاہور، حضرت فقیر اللہ صاحب، حضرت مولانا عبد الجبار ابوھری، حضرت مولانا محمد ابراہیم (میاں چنوں) حضرت مولانا احمد بخش اور حضرت مولانا محمد علی رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ"۔

جب بانی مرحوم نے مدرسہ کا اعلان کیا تو ساتھ ہی اساتذہ اور طلبہ سے سوال ہوا کہ جو حضرات عسرو یسر میں ہمارا ساتھ دے سکتے ہیں وہ اپنے آپ کو پیش کریں تاکہ ان کے اسباق کا انتظام ہو سکے۔ تین اساتذہ کے علاوہ جن طلباء نے اس کٹھن وادی میں قدم رکھا ان کے نام یہ ہیں "مولانا محمد عبد اللہ خلف الرشید حضرت مفتی فقیر اللہ صاحب شیخ الحدیث جامعہ رشیدیہ ساہیوال، مولانا عبد الغنی بورے والہ، مولانا غلام فرید، مولانا فضل محمد بانی مدرسہ قاسم العلوم فقیر والی، مولانا شیخ احمد مرحوم بورے والہ، اور مولانا نحی محمد صاحب۔ یہ سبھی حضرات اب جوار الٰہی میں پہنچ گئے ---- رحمہم اللہ تعالیٰ۔

مدرسہ خیر المدارس کے ابتدائی رجسٹر اس بات کے غماز ہیں کہ ابتداء کے کچھ مہینے کس حد تک مصائب کا سامنا کرنا پڑا حتیٰ کہ بقول مولانا خیر محمد چھ ماہ صرف ایک روپیہ چندہ آیا۔ طلبہ باسی روٹی یا چنوں پر گزر بسر کرتے اور مولانا محمد علی کے بقول مہر بنوانے کے لئے چند روپے نہ تھے۔

(روداد مدرسہ خیر المدارس ملتان بابت 1400۔1401ھ)

مدرسہ خیر المدارس سے تعلق

مولانا مرحوم کا اپنے استاذ محترم کے ساتھ مدرسہ خیر المدارس کی بنیاد کے وقت ہی سے تعلق تھا اور اس طرح کا تعلق کہ آپ باقاعدہ شوریٰ کے رکن اور مدرس و مبلغ تھے۔ جہاں آپ طلبہ کو زیور تعلیم سے آراستہ کرتے وہاں مدرسہ کی تعمیرو ترقی کے لئے بھی کوشاں رہتے۔ چند سال بعد آپ مجلس احرار اسلام سے وابستہ ہو گئے۔ استاذ محترم جیساذکی و فطین انسان بھی سمجھتا تھا کہ اس میدان میں اس ہونہار کے عمل و خل سے اللہ تعالٰی کی مخلوق کو زیادہ فائدہ ہو گا اس لئے انہوں نے بھی اجازت دے دی اور یوں مدرسہ سے ضابطہ کا رسمی تعلق نہ رہا لیکن اب جو "غیر رسمی" تعلق شروع ہوا تو وہ دم واپسیں تک رہا اور ایسا کہ اس پر ہزاروں رسمی تعلقات قربان ہو سکتے ہیں۔ مدرسہ کی تعمیرو ترقی اس کی فلاح و بہبود بلکہ کسی کام سے کبھی غافل نہ ہوئے--- اور اس ایک مدرسہ پر ہی کیا منحصر ہے اس قافلہ کے بزرگوں نے جہاں اور کارہائے نمایاں سرانجام دیئے وہاں مدارس کی تعمیرو ترقی میں بڑا موثر کردار ادا کیا اور پھر خیر المدارس تو وہ مدرسہ تھا جس کے ابتدائی ایام میں مرحوم "غریب شہر" کی طرح شامل تھے۔ اساتذہ، طلبہ جو تلخ گھونٹ پی رہے تھے آپ نے بھی بقدر ظرف ان سے تلخی کام و دہن کا اہتمام کیا تھا' اس لئے اس مدرسہ سے ان کی جذباتی وابستگی تھی اور یہ سلسلہ آخر تک قائم رہا--- مولانا موصوف 41ء میں ملتان منتقل ہوئے جس کی تفصیل آئے گی اس وقت تک تو تدریس کا سلسلہ ہی قائم رہا۔ 24 شوال 1349ھ کو جو اجلاس حضرت مولانا خیر محمد قدس سرہ کے مکان پر ہوا اس کی مندرجہ کارروائی سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا احمد بخش مہتمم' مولانا خیر محمد ناظم مدرسہ و تعلیمات اور مولانا محمد علی ناظم شعبہ تبلیغ قرار پائے تھے۔

اسی سال 10 ذیقعدہ کو دوسرا اجلاس ہوا تو اس میں مولانا خیر محمد' مولانا احمد بخش کے مشاہرے 40' 40 روپے اور مولانا محمد علی کا مشاہرہ 25 روپے مقرر ہوا اور پھر آئندہ سال 7 ذیقعدہ کو مولانا خیر محمد مہتمم اور مولانا محمد علی نائب مہتمم قرار پائے۔ یہ سلسلہ 5 شوال 56ھ تک رہا اس تاریخ کو آپ نائب مہتمم کے عہدہ سے مستعفی ہو گئے لیکن 10 ربیع الاول 57ھ کو مدرسہ کی بہتری کی غرض سے دوبارہ نائب مہتمم بنانا طے ہوا۔ تا آنکہ یکم شوال 58ھ کو زندگی بن جانے کے سبب مدرسہ کا کام ترک کر دیا اور 13 شوال 59ھ کو باقاعدہ استعفیٰ دے دیا۔ 27 رمضان 1366ھ بمطابق 15 اگست 1947ء بروز جمعہ مدرسہ کی عمارت نذر آتش ہو گئی--- (تقسیم کا اعلان ہو چکا تھا اور سیاست دانوں کی بے راہ روی 'سفلہ پن اور کمینی حرکات رنگ لا رہی تھیں شہر اور بستیاں اجڑ رہی تھیں مدارس و مساجد ویران ہو رہی تھیں۔ خاص طور پر مشرقی پنجاب' لیگی قیادت کی نااہلی کے سبب اسلامی آثار و روایات سے بالکلیہ محروم ہو رہا تھا۔ مدرسہ خیر المدارس بھی اس المیہ کا شکار ہوا اور عمارت جل کر رہ گئی۔) حضرت مولانا خیر محمد صاحب 19 شوال 1366ھ مطابق 5 ستمبر 47ء بروز جمعہ اپنے گاؤں عمروال بلہ سے چل کر 7 ستمبر 47ء کو نکودر کیمپ پہنچے 4

ذیقعدہ 1366ھ مطابق 6 ستمبر 1947ء کو ٹرک کے ذریعہ روانہ ہو کر 21 ستمبر کو لاہور تشریف لائے اور 29 ستمبر تک وہاں قیام رہا- لاہور تشریف لانے کے بعد ملتان اور فیصل آباد کے احباب کا تقاضہ تھا کہ ہمارے یہاں تشریف لائیں- فیصل آباد سے مشہور عالم و طبیب اور سیاسی ورکر جناب حافظ عبدالمجید نابینا مرحوم محرک تھے تو ملتان سے تحریک مولانا محمد علی کی تھی اور دونوں حضرات لاہور پہنچے ہوئے تھے- آخر ملتان کا فیصلہ ہوا اور آپ 15 ذیقعدہ 1366ھ بمطابق یکم اکتوبر 1947ء بروز چہار شنبہ استاذ محترم کو لے کر ملتان پہنچ گئے- لوہاری گیٹ کے قریب ایک زنانہ ہسپتال کی عمارت جو خالی پڑی تھی مدرسہ کے لئے الاٹ کرائی- 22 ذی قعدہ 1366ھ مطابق 18 اکتوبر 47ء چہار شنبہ کو مدرسہ کا اجراء ہوا- گویا جالندھر کے بعد ملتان میں یہ اس کی نشاۃ ثانیہ تھی- چونکہ وہ عمارت ناکافی تھی اس لئے مولانا محمد علی کی مساعی سے گیان تھلہ کا مندر جس میں موجودہ وقت میں مدرسہ ہے الاٹ ہو گیا اور 18 ذوالحجہ 1366ھ بمطابق 2 نومبر 47ء کو اس عمارت پر قبضہ ہو گیا- مدرسہ کے پہلے مدرس حضرت مولانا خیر محمد صاحب اور ان کے صاحبزادے مولانا محمد شریف صاحب تھے- (1)

اللہ تعالیٰ نے مدرسہ کو ابتداء میں ہی ترقی و عروج کے راستہ پر ڈال دیا اور پہلے سال ہی 13 حضرات دورہ حدیث میں شریک ہوئے مولانا محمد علی مرحوم جو 41ء سے ملتان میں مقیم تھے انہوں نے یہاں مدرسہ محمدیہ بنا رکھا تھا جس میں خوب چہل پہل تھی اس کے اساتذہ طلبہ، فنڈز اور کتابیں وغیرہ سب استاذ محترم کی خدمت میں پیش کر کے خیرالمدارس کے دست و بازو بن گئے- اور آخر وقت تک جی جان سے اس کی ترقی و تعمیر کیلئے کوشاں رہے- اسی کا شاید صلہ تھا کہ انتقال کے بعد خیرالمدارس کے دارالحدیث کے عقب میں استاذ محترم کے پہلو میں مدفون ہوئے- رحمہ اللہ تعالیٰ--- (2)--- خیرالمدارس کے ضمن میں

1ـ مولانا خیر محمد کے بعد یہی مدرسہ خیرالمدارس کے مہتمم قرار پائے- مخلص، سادہ منش اور فقیرانہ طبیعت کے مالک مولانا محمد شریف سفرحج کے دوران چند سال قبل مکہ مکرمہ میں انتقال فرما گئے- (اناللہ وانا الیہ راجعون)- مولانا خیر محمد کی طرح مولانا محمد شریف سے بھی احقر نے اپنے برادر مرحوم مولانا عزیز الرحمن خورشید کے ساتھ استفادہ کیا- اب ان کے فرزند عزیزم قاری محمد حنیف جالندھری سلمہ باپ دادا کی وراثت سنبھالے ہوئے ہیں- (علوی)

2ـ مدرسہ خیرالمدارس سے متعلق مولانا کے جو احساسات تھے اسکا اندازہ اس واقعہ سے ہو گا جو مجلس کے مبلغ مولانا اللہ وسایا صاحب نے مجھے زبانی سنایا اور پھر میری درخواست پر تحریری طور پر ارسال کیا- (علوی)

دراصل مذہبی سیاسی پارٹیاں بھی ان راہوں پر چل کھڑی ہوئیں جو لادین اور بے دین ارباب سیاست اور ان کے طلبہ ونگز کا رویہ تھا- اسی رویہ کا شاخسانہ وہ ہڑتال تھی جو جمعیۃ علماء اسلام کے طلبہ ونگ کی طرف سے مدرسہ خیرالمدارس میں کرائی گئی- اس وقت جمعیۃ کی قیادت پر مولانا مفتی محمود چھائے ہوئے تھے اور مولانا محمد علی کے ان سے تعلقات مثالی نوعیت کے تھے بلکہ مولانا محمد علی ہی تھے جو ایوبی دور میں مرحوم مفتی صاحب کے ممبر اسمبلی منتخب ہونے کے بعد انہیں نوابزادہ نصراللہ خان صاحب کے پاس لے گئے اور ایک طرح انہیں نواب کی سرپرستی میں دیا بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

تقسیم ملک کے بعد کے واقعات سرسری طور پر یہیں پیش کر دیئے گئے۔۔ مدرسہ محمدیہ کے ضمن کی تفصیلات انشاءاللہ آئندہ اپنے مقام پر پیش ہوں گی۔

مجلس احرار اسلام

مجلس احرار اسلام میں مولانا کیسے شامل ہوئے؟ اس کی تفصیل پیش کرنے سے قبل مجلس کا مختصر تعارف ضروری ہے۔ ہندوستان جنت نشان وہ بابرکت خطہ ہے جس کے ایک حصہ میں مصدقہ روایات کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام جنت سے اترنے کے بعد قیام پذیر ہوئے "سبحتہ المرجان" کے فاضل مصنف نے اس مسئلہ پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور حضرت شیخ الاسلام مولانا السید حسین احمد مدنی

بقیہ حاشیہ سابقہ صفحہ

قارئین جانتے ہیں کہ مفتی صاحب اور نواب صاحب کے تعلقات آخر تک مثالی رہے اور مرحوم مفتی صاحب نواب صاحب کے زیر اثر سرگرم عمل رہے۔

قصہ مختصر جب مولانا تبلیغی سفر سے واپس آئے اور ہڑتال کی خبر ہوئی تو فوراً مدرسہ قاسم العلوم مفتی صاحب کے پاس تشریف لے گئے۔۔۔۔ بقول مولانا اللہ وسایا!

"مفتی صاحب اور مولانا کا بہت پیار تھا دونوں حضرات ملتان ہوتے تو بعد از عصر مفتی صاحب دفتر آجاتے۔ یا بعد از عشاء مولانا ان کے مکان پر چلے جاتے۔ لیکن اس دن مولانا فوراً ہی چلے گئے 'بے حد پریشان تھے' جاتے ہی فرمایا "مفتی صاحب زندگی کا علم نہیں کون اس دنیا سے پہلے رخصت ہو بس ایک بات کہنے آیا ہوں کہ جن مجاہدین اسلام کے ہاتھ میں آج آپ نے مولانا خیر محمد کی داڑھی دی ہے یہ وہاں سے فارغ ہو کر آپ اور مولانا غلام غوث کی داڑھی پر ہاتھ ڈالیں گے"

مدارس عربیہ میں ہڑتال کی جو بری روایت چل نکلی ہے معلوم نہیں اس کا اختتام کہاں ہوگا؟

رضاکار احرار کے بھی تھے لیکن وہ نہ صرف علماء کے خادم تھے بلکہ علماء کے خلاف اٹھنے والے ہاتھ بھی توڑ دیتے تھے۔ اس کی سب سے اہم مثال 'تحریک پاکستان کے بہت ہی ہنگامہ خیز دور میں لاہور کا جلسہ ہے جس میں ارباب لیگ نے حضرت مدنی پر ہاتھ ڈالنا چاہا تو حضرت امیر شریعت نے بذات خود مائیک پر کارکنوں اور رضاکاروں سے فرمایا کہ

"میں نے آج کے لئے تمہیں تیار کیا تھا جان دے دینا لیکن کسی ہاتھ کو حضرت کے گریبان تک نہ پہنچنے دینا"۔

پھر جو ہوا تاریخ کا حصہ ہے۔۔۔۔ لیکن افسوس کہ آپ کے رضاکاروں نے ابتداء اپنے گھر سے کی انہوں نے آج خیر محمد پر ہاتھ ڈالا کل آپ پر ڈالیں گے"

یہ کہا اور کف افسوس ملتے ہی نکل آئے اور کئی دن شدید پریشانی میں مبتلا رہے۔ مرحوم نے قلندرانہ انداز میں جو کہا وہ ہو کر رہا اور زندگی کے آخری ایام میں مرحوم مفتی محمد کو یہ صدمہ بھی برداشت کرنا پڑا کہ مدرسہ قاسم العلوم میں شدید ہنگامہ ہوا طلبہ کے ایک گروپ کی سرپرستی وہ فرما رہے تھے تو دوسرے گروپ کی سرپرستی ان کی جماعت کے محترم امیر۔۔۔۔ فیا حسرتا

قدس سرہ نے اپنے ایک رسالہ "ہمارا ہندوستان" میں مصدقہ روایات سے ہندوستان کی اہمیت و قدامت کوالم نشرح کیا ہے۔ ۱؎

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کے تیسرے خلیفہ راشد دوہرے داماد مظلوم امت حضرت سیدنا عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ تعالی عنہ کے دور سعادت میں بجستان و کرمان وغیرہ کے علاقہ میں مسلمانوں کے قدم پڑ چکے تھے جبکہ کچھ عرصہ بعد بنو امیہ کے عہد میمون میں اموی گورنر حجاج بن یوسف ثقفی کے بھتیجے محمد بن قاسم رحمہ اللہ تعالی نے سندھ کی طرف سے داخل ہو کر یہاں اسلام کا پرچم لہرایا۔

اس بلند ہمت قائد و جرنیل کی ہمت و کوشش سے ملتان تک کا علاقہ اسلامی قلم رو کا حصہ بن گیا۔ بعد میں یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا اور مسلمان یہاں بڑے کروفر سے حکومت کرتے رہے۔ ہندوستان کی اس پوری تاریخ میں کسی مرحلہ پر بھی افرادی طور پر مسلمان اکثریت میں نہ آسکے لیکن ان کی عدل گستری، شرافت و مروت اور پاک باطنی نے یہاں کی مختلف اقوام کو ان کا گرویدہ بنا دیا اور وہ اقلیت میں ہونے کے باوجود شاہی و حکومت کے مالک رہے۔۔۔ انقلابات دنیا میں آتے ہیں اور اس طرح سارا نظام تلپٹ ہو جاتا ہے۔ "ان الملوک اذا دخلوا قریتہ افسدوہا وجعلوا اعزہ اہلہا اذلتہ" (سورہ نمل) قرآن عزیز کی اس آیت میں انقلاب کے اثرات کا ہی ذکر ہے اور انسانی تاریخ، قرآنی صداقت کی گواہ ہے کہ بارہا اس قسم کے تغیرات نے دنیا کو تہہ وبالا کیا۔۔ ہندوستان کا مغل دربار وہ پہلا دربار ہے جس میں بدیسی اقوام کی آمد کا سراغ ملتا ہے۔ ان بدیسی اقوام میں بقالان یورپ سرفہرست تھے، حضرت الامام مجدد الف ثانی قدس سرہ نے ان کی نشاندہی کی اور متوقع خطرات سے آگاہ کیا۔ حضرت مجدد صاحب کے بعد امام ولی اللہ قدس سرہ کا دور آیا اب انتہا ہو چکی تھی۔ مغلیہ خاندان کا حکمران اورنگ زیب عالمگیر مرحوم دنیا سے رخصت ہو چکا تھا۔ اور اب تخت شاہی بازی گروں کی زد میں تھا۔ ہر روز حکمران بدلتے اور ملک تھا کہ عجیب و غریب سازشوں کی لہریں اس میں اٹھ رہی تھیں اس عرصہ میں بعض ایسے اندوہناک واقعات پیش آئے کہ انہوں نے مسلمانوں کی عظمت و شوکت کو قصہ پارینہ بنا دیا۔

پلاسی کی جنگ جس میں نواب سراج الدولہ سازشوں کا شکار ہوئے اپنی نوعیت کی اہم ترین جنگ تھی اور گویا مسلمانوں کے زوال و ادبار کی پہلی کڑی۔۔۔ سلطنت خداداد میسور ایک مضبوط مورچہ تھا اس کے جہاندیدہ مخلص اور مدبر حکمران سلطان حیدر علی اور ان کے فرزند ٹیپو سلطان تھے۔ اسی طرح سازش افرنگ کا شکار ہوئے۔ شاہ ولی اللہ کا خانوادہ علم و ادب کے راستہ سے مستقبل کے لئے پلاننگ میں

۱؎ ہر دو کتب احقر کے ذخیرہ کتب میں موجود ہیں۔ (علوی)

معروف تھااور حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے ہندوستان کے دار الحرب ہونے کا فتویٰ دے کر مسلم طاقتوں کو چوکنا کر دیا۔ شاہ صاحب نے محض فتویٰ پر انحصار نہیں کیا بلکہ اس فتویٰ کے عملی اثرات مرتب کرنے کی غرض سے مجاہدین کی جماعت تیار کی جس کے سرخیل و سربراہ حضرت الامام سید احمد شہید بریلوی قدس سرہ تھے۔ سید صاحب "بریلی" کے اس قابل فخر خاندان کے رکن رکین تھے جس کی علم و روحانیت کا دور دور چرچا تھا۔ اس خاندان کے علمی و عملی روابط دھلی اور سرہند تک پھیلے ہوئے تھے اور خود سید صاحب ان تمام نسبتوں کے حامل اور عبقری فطرۃ بزرگ تھے۔ علوم ظاہری گو باقاعدہ طور پر حاصل نہ کئے تھے لیکن وقت کے اجل علماء کرام سے استفادہ ظاہری و باطنی کرتے نظر آتے ہیں ان کے ملفوظات میں علم و معرفت کی وہ گہرائی نظر آتی ہے کہ سبحان اللہ۔ جو دیکھتا ہے حیران رہ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی اس بندہ نوازی پر عش عش کر اٹھتا ہے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی جس کی قہرمانیوں کو سارا ملک محسوس کر رہا تھا اس کی سطوت کو للکارنے کی غرض سے مجاہدین نے ملک کا طول و عرض چھان مارا لیکن آہ کہ 1831ء میں یہ قافلہ بالا کوٹ میں دم توڑ کر رہ گیا--- تاہم بچے کچھے مجاہدین نے اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں اور پھر ایک بار 1857ء میں ملک شعلہ جوالا بن کر رہ گیا--- ستم یہ ہے کہ 1757ء (جنگ پلاسی) سے 1857ء تک ہر معرکہ میں ناکامی و شکست جو ہوئی تو اس کا بنیادی سبب وہ لوگ تھے جنہوں نے اپنے ضمیر جاگیر اور دربار کی کرسی پر قربان کر دیئے تھے۔

روسیاہوں کی ایک ڈار تھی جو سارے ملک میں آمادہ فساد اور منظم سازشوں سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے تحفظ و بقاء اور مجاہدین کو نیچا دکھانے میں معروف تھی۔ علاوہ دوسرے تخریبی ہتھکنڈوں کے اسی زمانہ میں "وھابی" کا لفظ گھڑا گیا اور ملک کے مختلف حصوں میں معروف جہاد مجاہدین پر اس لفظ کو چسپاں کر کے انہیں بدنام کیا گیا۔ مجاہدین دہلی کے ساتھ ساتھ سلطان ٹیپو شہید اسی زد میں آئے جیسا کہ "سلطنت خداداد" کے فاضل مصنف نے تصریح کی ہے۔ 1

"ہمارے ہندوستانی مسلمان" کے انگریز مصنف مسٹر ہنٹر کی کتاب پڑھ کر اس حقیقت کو سمجھنا کچھ مشکل نہیں ہے کہ انگریز کے زرخیز دماغ نے "وھابیت" کا لفظ کیوں گھڑا؟ اور اسے کس خوبصورتی سے اپنے مخالفین پر چسپاں کیا؟---- 2

1۔ جناب محمود منگلوری وہ بالغ نظر مصنف ہیں جنہوں نے سلطنت خداداد "ٹیپو سلطان" اور "صحیفہ ٹیپو سلطان" کے نام سے وقیع کتابیں لکھیں جن میں سلطنت ٹیپو کی مکمل تفصیلات فراہم کی گئی ہیں۔ اس سلطنت کے نظام حکومت کا ذکر ہے اور ٹیپو کے فرمان و احکام کی تفصیل۔ (علوی)

2۔ مولانا ظفر علی خان مرحوم کے خواجہ تابش "ڈاکٹر صادق حسین کے قلم سے اس کتاب کا شستہ ترجمہ میسر ہے۔ (علوی)

1857ء بھی مجاہدین کے خلاف گیا تو یہاں قیامت صغریٰ بپا ہو گئی اب راج ایسٹ انڈیا کمپنی کا نہ تھا بلکہ خداوندان لندن براہ راست حکومت کے مالک بن چکے تھے اور وہ جو ہم نے قرآن عزیز کے حوالہ سے پہلے عرض کیا کہ انقلاب کے سبب حالات اس حد تک تہ وبالا ہو چکے تھے کہ علماء و صلحاء کو پھانسیاں دی جا رہی تھیں مدارس اور خانقاہیں اصطبل بن چکی تھیں مسلمان روساء اور نواب کوڑی کوڑی کے محتاج ہو گئے تھے اور من حیث القوم مسلمان نان جوین کو ترسنے لگے تھے ان کی زمینداریاں، تجارت اور سب کچھ برباد ہو چکے تھے اور وہ چلتی پھرتی لاشوں کی طرح گزر بسر کر رہے تھے۔ لیکن وہ خدا جو کمزوروں کو قوت بخشتا اور مغرور لوگوں کا سر غرور کچلتا ہے اس کی رحمت نے دستگیری کی اور بچے کھچے مجاہدین اپنے امام و مربی حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے خانوادہ کی طرز پر علم و ادب کے راستہ سے معروف کار ہو گئے اور انہوں نے مسلمانوں کی بکھری ہوئی جمعیت کو متحد کرنا شروع کر دیا۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی اور ان کے خدام باصفا حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا ذوالفقار علی دیوبندی، حاجی عابد حسین دیوبندی، مولانا فضل الرحمٰن دیوبندی اور شیخ نہال احمد رحمہم اللہ تعالیٰ نے 1283ھ 1867ء میں جس مکتب و مدرسہ کی بنیاد رکھی اور جو آئندہ چل کر "دارالعلوم دیوبند" کے نام سے معروف ہوا، وہ محض ایک مکتب و مدرسہ نہ تھا بلکہ اس دیار میں مسلمانوں کی عظمت کی بازیابی کی ایک تدبیر تھی۔۔۔۔۔اور واقعہ یہ ہے کہ یہ تدبیر کارگر ہوئی اور ایک طویل عرصہ کی جدوجہد کے بعد انگریز یہاں سے رخصت ہو گیا یہ الگ بات ہے کہ وہ جاتے جاتے ایسا بیج بو گیا جس کے نتیجہ میں انسانیت ایک بار پھر خاک و خون کے سمندر میں ڈوب کر رہ گئی اور ملک کا بڑا حصہ غیر مسلم اقتدار کا شکار ہو گیا اور جو محدود حصہ مسلمان کو ملا اس کی باگ ڈور ان کے قبضہ میں آئی جو نہیں جانتے کہ کہ راہ و رسم شاہبازی کیا ہوتی ہے؟

انگریز مدبرین، بوریہ نشینوں کے اس اقدام سے غافل نہ تھے انہوں نے اس خطہ کو فتنوں کی آماجگاہ بنانے کی غرض سے اپنے پرانے کارتوس یعنی "وہابیت" کو نئے سرے سے ڈھال بنا کر چلا دیا تو دوسری طرف اپنے پرانے نمک خوار اور زلہ ربا خاندان کے ایک فرد مرزا غلام احمد قادیانی کو شہ دی جس نے وحدت ملت کو پارہ پارہ کرنے کی غرض سے کافرگروں سے بڑھ کر فتنہ سامانی کی۔۔۔۔ آج کوئی باشعور انسان اس حقیقت سے ناواقف نہیں کہ یہ دو فتنے جن کے مراکز بریلی اور قادیاں تھے ان کا بنیادی مقصد وحدت ملت کو پارہ پارہ کرنا اور انگریز کے لئے ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبات کو اجاگر کرنا تھا۔ مرزا غلام احمد کی تحریک کا کسی قدر ذکر آئندہ اپنے مقام پر آئے گا۔ (بریلی کے اعلیٰ حضرت کے متعلق اتنا کافی ہے کہ جب یہاں اسلامی روایات و آثار کا ایک ایک نشان مٹایا جا رہا تھا تو وہ ایجابی طور پر "اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام" جیسی کتابیں لکھ کر اور سلبی طور پر مجاہدین حریت کو بے دین گستاخ رسول اور کیا کیا ثابت

کر کے انگریزی راج کا راستہ ہموار کر رہے تھے۔) تیسری طرف علیگڑھ سے ایک آواز اٹھی۔یہ آواز بظاہر بڑی حسین تھی کہ جدید علم سے ملت کو آراستہ کرنے کا عزم تھا لیکن خداوندان علیگڑھ نے جس طرح اسلامی عقائد و روایات کو اپنی عقل کی سان پر کھینچا اور جدید علم کلام کی آڑ میں اسلامی معتقدات کا حلیہ بگاڑا وہ ایک مستقل داستان ہے۔علی گڑھ مسلسل انگریز پرنسپلوں کے تسلط میں رہا حتی کہ شملہ وفد جو عرضداشت تیار کر کے وائسرائے کے پاس لے گیا تھا وہ علی گڑھ کے انگریز پرنسپل کے ذہن کی تخلیق تھی اور اسی کے نتیجہ میں "مسلم زعما" نے 1906ء میں مسلم لیگ قائم کی۔علی گڑھ کے سلسلہ میں غریب علماء کو بہت بدنام کیا گیا اور اب تک ایسے لوگ موجود ہیں لیکن علماء کو جس بات پر اعتراض تھا وہ یہ نہ تھی کہ ہمارے بچے جدید علوم کیوں سیکھ رہے ہیں؟ انہیں اعتراض تھا تو یہ کہ اسلامی عقائد اور بالخصوص مسئلہ جہاد کی من مانی تاویلات کیوں کی جارہی ہیں؟ (i) اور قوم کے شاہین صفت بچوں کو انگریز کی نوکری کیلئے کیوں تیار کیا جارہا ہے؟ ورنہ نفس جدید تعلیم سے اختلاف کا سوال نہ تھا۔حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ (مصنف فتویٰ ہندوستان دارالحرب) کا فتویٰ خود سر سید احمد خان نے اپنی کتاب "اسباب بغاوت ہند" میں نقل کیا ہے جس میں شاہ صاحب نے واضح طور پر فرمایا ہے کہ جدید تعلیم کا حصول جائز ہے۔اس کے علاوہ مولانا نانوتوی، مولانا گنگوہی وغیرہ کے فتاویٰ اور تحریرات موجود ہیں امام العصر مولانا انور شاہ کاشمیری کا ارشاد انوار الباری شرح صحیح بخاری میں دیکھا جاسکتا ہے۔

الغرض اختلافات و مخالفت کی نوعیت بالکل الگ تھی لیکن بخت و اتفاق نے جن لوگوں کو بڑا بنادیا انہوں نے غریب مولوی کے خلاف یہ سوقیانہ مہم کل کی طرح آج بھی جاری کر رکھی ہے اور انصاف و شرافت کی کوئی بات نہیں کرتا۔۔۔۔بہرحال قادیان، علی گڑھ اور بریلی کے مراکز ثلاثہ اپنے اپنے انداز میں انگریزی سطوت کو استحکام بخشنے میں مصروف تھے پر وہ لوگ جن کی نگاہیں سچے خدا پر تھیں وہ "توکلا علی اللہ" اپنی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے تھے اور انگریز تھا کہ ان بوریہ نشینوں سے سخت ہراساں اور پریشان۔

انیسویں صدی کے اختتام سے قبل کانگریس معرض وجود میں آچکی تھی طرفہ تماشہ یہ ہے کہ اس کے قیام میں ایک انگریز کا ہاتھ کارفرما تھا اور مقصد یہ تھا کہ ایک ملکی تنظیم ہو جو تحفظ حقوق کی غرض سے رسمی طور پر آواز اٹھاتی رہے۔۔۔۔ لیکن یہی کانگریس آئندہ چل کر انگریز کے لئے ایک مسئلہ بن گئی گویا

(i) اس سلسلہ میں سر سید احمد خان کی کتب بالخصوص تفسیر قرآن کا سلسلہ اور اس تحریک کے رکن مولوی چراغ علی کی کتاب "تحقیق الجہاد" وغیرہ سے بہت کچھ اندازہ ہو جائے گا جبکہ علی گڑھ تحریک کے ہی اہم رکن سید طفیل احمد کی کتاب "مسلمانوں کا روشن مستقبل" ان تمام معاملات کو سمجھنے کے لئے کلیدی حیثیت رکھتی ہے یہ کتاب طویل عرصہ کے بعد احقر کی کاوش سے اب دوبارہ چھپ گئی ہے۔(علوی)

فرعون کو اپنے گھر میں تربیت یافتہ مد مقابل سے پالا پڑ گیا۔۔۔یہ شب و روز یونہی رواں دواں رہے انیسویں صدی ختم ہوئی انگریز مدبرین کانگریس سے بدکنے لگے تو انہوں نے ان خاندانوں کا سہارا لیا جو ماضی میں مختلف مواقع پر اس کے کام آ چکے تھے۔اس سلسلہ میں سر آغا خان پیش پیش تھے ان کی قیادت میں وفد وائسرائے سے ملا۔جو یادداشت تھی وہ جیسا کہ ہم نے عرض کیا علی گڑھ کے انگریز پرنسپل کے ذہن کی کاوش تھی وائسرائے نے اپنے لاڈلوں کی بات توجہ سے سنی انہیں تھپکی دی۔شملہ کی چوٹیوں سے اتر کر یہ لوگ ڈھاکہ میں جمع ہوئے' نواب سلیم اللہ خان انہی کے قافلہ کے فرد تھے وہاں مسلم لیگ کی نیو اٹھائی گئی اور انگریزی مفادات کا تحفظ اس کا مقصد قرار پایا۔۔۔دار العلوم دیوبند کے ارباب حل و عقد بالخصوص حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ علی گڑھ سے اٹھنے والے فتنوں کو دیکھ رہے تھے انہوں نے چاہا کہ دیوبند اور علی گڑھ قریب آ جائیں تو کچھ تو بند بندھ جائے گا۔ملاقات کیلئے ایک تقریب کا اہتمام ہوا جو جلسہ دستار بندی کے نام سے یاد کیا گیا۔1910ء کا سال تھا صاحبزادہ آفتاب احمد خان مرحوم وائس چانسلر علی گڑھ بنفس نفیس تشریف لائے۔طلبہ کے تبادلہ کی سکیم تیار ہوئی لیکن خداوندان علی گڑھ چونکہ بچوں کو ایک خاص نہج پر تعلیم دے رہے تھے اس لئے وہ بچے دیوبند میں جاسوس بن کر مصروف رہے تا آنکہ حضرت شیخ الہند قدس سرہ کو گرفتار کرا کے دم لیا اور آپ کی مشہور زمانہ ریشمی رومال تحریک ناکام ہو گئی۔۔۔۔حضرت شیخ الہند کچھ عرصہ قبل اپنے ایک شاگرد مولانا عبید اللہ سندھی کو افغانستان روانہ کر چکے تھے ایک دوسرے شاگرد مولانا منصور انصاری مرحوم بھی سفارتی خدمات کے سلسلہ میں آزاد قبائل میں مصروف عمل تھے ادھر ملک بھر میں حضرت کے نمائندے اور وابستگان مصروف عمل تھے سندھ' پنجاب اور سرحد وغیرہ میں نیز ادھر یو۔پی' بہار اور بنگال وغیرہ میں تحریک سے وابستہ نامی گرامی شخصیات وقت کی منتظر تھیں خود حضرت والا حجاز مقدس تشریف لے گئے وہاں مدینہ طیبہ میں اپنے مخلص شاگرد و خادم مولانا السید حسین احمد مدنی قدس سرہ کے پاس قیام رہا۔حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ بھی وہیں موجود تھے خلافت عثمانیہ کے ذمہ دار وزراء اور انور پاشا مرحوم وغیرہ سے ملاقات ہوئی' بہت کچھ طے پایا' لیکن "واحسرتا" کہ بعض پنجابی طلبہ اور یو پی کے بعض اہل علم کی غلط روی نے ساری سکیم ناکام بنا دی۔

ادھر شریف مکہ شاطران فرنگ کی سیاست کا شکار ہو گیا۔حضرت گرفتار ہو گئے اور یہاں پورے ملک میں پکڑ دھکڑ شروع ہو گئی اس کے ساتھ المیہ یہ ہوا کہ پہلی جنگ عظیم چھڑ گئی چند سال جنگ رہی اور ترکی خلافت عثمانیہ جو مسلمانوں کی عظمت کا نشان تھی بنیادی طور پر عرب رہنماؤں کی حماقتوں سے تباہ ہو کر رہ گئی۔انگریز مدبرین جو برصغیر پر اپنی سطوت کے پنجے پوری طرح گاڑ چکے تھے انہوں نے یہاں کی اقوام کو ترغیب و ترہیب کے ہتھکنڈے استعمال کر کے جنگ کے عمل میں شریک کر لیا یہاں کے متعدد پیران

عظام، مذہبی رہنما انگریز کے لئے دعا گو تھے تو خداوندان دیمہ آدمیوں کو بھرتی کرا کرا انگریز سے پروانہ خوشنودی اور جاگیر حاصل کر رہے تھے اہل دین اور حریت پسند لوگوں کیلئے یہ وقت بڑا نازک تھا لیکن اللہ والوں نے ہمت نہ ہاری۔ 1918ء میں جمعیت علماء ہند کی نیو رکھی اور بکھری ہوئی قوم کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کرنے کی تدبیر کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے اس محنت کو قبول کیا اور جمعیۃ نے بہت جلد ایک اہم مقام حاصل کر لیا۔

حضرت الامام الشاہ ولی اللہ قدس سرہ کا گھرانا بہت عظیم المرتبت گھرانا تھا کہ برصغیر کی وسیع و عریض دنیا میں ہر اہل علم بالواسطہ یا بلاواسطہ اس خاندان سے متعلق تھا۔۔۔ رہ گئے وہ لوگ جنہیں عرف عام میں دیوبندی کہا جاتا ہے تو وہ براہ راست اس خاندان کی روایات علم و جہاد کے امین و وارث تھے۔ بدلے ہوئے حالات میں جب ان لوگوں نے جمعیۃ علماء ہند کی بنیاد رکھی تو ہندوستان کے کسی بھی اہل علم کیلئے اس سے مفر مشکل تھا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جمعیۃ کے سٹیج پر بریلی، بدایوں، خیر آباد، فرنگی محل اور سلفی مکتب فکر کے لوگ نظر آتے ہیں حتیٰ کہ اس سلسلہ میں ایک لطیفہ مشہور ہے کہ کسی صاحب نے حضرت مولانا ابوالکلام آزاد قدس سرہ سے کہا کہ جمعیۃ علما ہند، جمعیۃ علماء دیوبند بن گئی؟ تو آپ نے فرمایا کہ میاں! علم کی خدمت اور علماء پیدا کرنے کا کام بھی توانہی لوگوں نے کیا (او کما قال)

یہ دور ہندی اقوام اور بطور خاص مسلمانوں کے لئے بڑا صبر آزما تھا۔ پہلی جنگ عظیم کے نتیجہ میں ترکی کا تیا پانچہ ہو چکا تھا اور مسلمانوں کی عظمت کا یہ آخری نشان مٹ چکا تھا۔ ہندی مسلمانوں کو خلافت عظمیٰ سے بے پناہ اور جذباتی لگاؤ تھا انہوں نے یہاں ترکی کے لئے بڑی جدوجہد کی تھی۔ خلافت کی تحریک انہی جذبات کا ثمر تھی اور اس میں خاص بات جو دیکھنے میں آئی وہ یہ تھی کہ مسلمانوں کے ساتھ دوسرے لوگ برابر کے شریک ہو کر خلافت کے لئے سرگرم عمل تھے گو کہ ان کے لئے خلافت میں کوئی دلچسپی نہ تھی اور مسلمانوں کی تاریخی روایات اس بات کی متقاضی تھیں کہ یہ ادارہ سلامت رہے۔۔۔ اور پھر جب مصطفےٰ کمال کی سوچ کے نتیجہ میں خود انہی کے ہاتھوں ردائے خلافت چاک ہوئی تو یہاں بطور خاص مسلمانوں پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ مایوسی و اضطراب نے انہیں گھیر لیا انہیں کچھ سمجھ نہ آتی تھی کہ کیا کریں؟ انگریز فتح کے نشہ میں ظلم و تشدد پر تھا اسی دور 1919ء میں امرتسر جلیانوالہ باغ کا حادثہ پیش آیا جس میں انگریز نے چند لمحات میں سینکڑوں انسانوں کو بھون دیا۔ اس عرصہ میں مشہور مقدمہ کراچی سامنے آیا جس میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، ڈاکٹر کچلو وغیرہ کو دو دو سال قید کی سزا ہوئی۔

مولانا ابوالکلام آزاد کی احمد نگر کی اسیری کا تعلق بھی اسی دور سے ہے جس کے نتیجہ میں "قول فیصل" جیسا ان سامنے آیا جو اسیران کراچی کے عدالتی بیان کی طرح دعوت و عزیمت کے باب میں ایک

امتیازی حیثیت کا مالک تھا۔۔۔ کانگریس جیسا کہ ہم نے عرض کیا انیسویں صدی کے آخر میں خود ایک انگریز کے پروگرام کے مطابق قائم ہوئی اور ابتداء میں اس کا مقصد بڑا محدود تھا لیکن اب وہی کانگریس تھی کہ ملک میں چھا چکی تھی اور اس کے عزائم اتنے واضح ہو گئے تھے کہ انگریزی سطوت اس سے خوف کھانے لگی تھی۔ کانگریس کی صفوں میں برصغیر کے نامی گرامی علماء قائدانہ طور پر موجود تھے جبکہ عددی اکثریت بہرحال غیر مسلم اقوام کی تھی۔ بعض مسلم رہنماؤں کی انگریز دوستی نے غیروں میں ایک غصہ اور جھنجھلاہٹ کی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ پنجاب کا مسئلہ بطور خاص بڑا الجھا ہوا تھا۔ یہاں کانگریس کو مضبوط مورچہ نہیں مل رہا تھا اس صوبہ میں یا تو پیروں کی گرفت تھی یا ان وڈیروں کی جو 1857ء کے بعد سے انگریزی خدمات کے نتیجہ میں ابھرنا شروع ہوئے تھے۔ پنجاب کی سنجیدہ مخلص اور بیدار مغز قیادت حالات کی اصلاح کے لئے سوچ و بچار میں مصروف تھی اور نہرو رپورٹ نے حالات اس طرح کے بنا دیئے تھے کہ یہاں اہل دل مسلمانوں کی موثر تنظیم ضروری سمجھی جا رہی تھی۔ مولانا ابوالکلام آزاد اس مشورہ کے موجد ہی نہ تھے بلکہ بنیادی طور پر سوچ ہی انہی کی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ 1929ء میں لاہور میں مجلس احرار اسلام کا قیام معرض وجود میں آیا۔ تاریخ احرار مصنفہ چودھری افضل حق صاحب مرحوم اس سلسلہ میں ایک قابل قدر دستاویز ہے جس سے مجلس احرار اسلام کی تشکیل کے ضمن میں پوست کنندہ حالات کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ مارچ 1968ء کا وہ ایڈیشن جو حضرت امیر شریعت قدس سرہ کے خلف الرشید سید ابوذر بخاری صاحب[1] کے طویل مقدمہ کے ساتھ چھپا اس کے مطابق احرار کی ذہنی نقشہ کشی اور قانونی تشکیل تو 27 رجب 1348ھ بمطابق 29 دسمبر 1929ء بروز یک شنبہ کو ہو چکی تھی۔ اسی اجلاس میں حضرت امیر شریعت رحمتہ اللہ علیہ نے جداگانہ حقوق و انتخابات اور جداگانہ تنظیم کے عنوان سے عوام کو تعاون کی دعوت دی۔۔۔۔۔

چنانچہ تشکیل جماعت سے پونے دو سال بعد 24 صفر 1350ھ بمطابق 11 جولائی 1931ء بروز شنبہ حبیبیہ ہال لاہور میں اس کی نئی فعال و مخلص اور انقلابی اسلامی جماعت کا پہلا اہم اجتماع منعقد ہوا جس میں کانگریس اور لیگ سے بنیادی اختلافات کی نشاندہی اور اغراض و مقاصد کی تشریح کر کے قوم کو نیا لائحہ عمل دیا گیا۔ (مقدمہ تاریخ احرار صفحہ 27)

مجلس احرار اسلام کی خوش قسمتی یہ تھی کہ اسے اپنے دور کے وہ نامور اور عبقری لوگ نصیب ہو گئے تھے جن پر ایک دنیا رشک کرتی ہے۔ حضرت مولانا السید عطاء اللہ شاہ بخاری قدس سرہ کے نام سے کون واقف نہیں 1926ء میں انجمن خدام الدین کے سالانہ جلسہ میں امام المحدثین حضرت العلام مولانا محمد انور شاہ قدس سرہ کی تحریک و ایماء سے آپ کو امیر شریعت منتخب کیا گیا یا پانچ صد اجل علماء نے

(۱) انتقال ۲۴ر اکتوبر ۱۹۹۵ (ناشر)

بیعت کی اور پہلی بیعت حضرت امام العصر کاشمیری نے خود کی۔ چودھری افضل حق مرحوم جماعت میں شامل تھے۔ بلکہ بنیادی رکن اور قائد۔ انگریزی انتظامیہ میں شامل یہ راجپوت جواں رعنا امیر شریعت کی تقریر سے متاثر ہو کر ایساساتھی بنا کہ پھر اس کا جنازہ دفتر احرار سے اٹھا۔ لدھیانہ خاندان کے چشم و چراغ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی سیاسی بصیرت اور اصابت رائے میں اپنی مثال آپ تھے۔ اس قسم کے افراد کی محنتوں سے مجلس احرار اسلام کا قوام تیار ہوا اور بعد میں مختلف مواقع پر شیخ حسام الدین، ماسٹر تاج الدین انصاری، مولانا غلام غوث ہزاروی، حافظ علی بہادر، مولانا محمد داؤد غزنوی، مولانا مظہر علی اظہر، مولانا محمد علی جالندھری، غازی عبدالرحمٰن، میاں قمرالدین رئیس اچھرہ، مولانا عبدالرحمٰن میانوی، مولانا محمد حیات، مولانا قاضی احسان احمد، مولانا لال حسین اختر، اور آغا شورش کاشمیری جیسے لوگ جماعت کے سٹیج پر ملت کی رہنمائی کرتے رہے۔۔۔ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمتیں ہوں ان سب پر اور ان کے رفقاء گرامی پر۔۔۔

مجلس احرار اسلام کو پہلے دن سے مشکلات و مصائب سے پالا پڑا اوّل تو جس پس منظر میں یہ جماعت قائم ہوئی تھی وہی مرحلہ کٹھن تھا لیگ تو انگریزی دانش کے تربیت یافتہ لوگوں کی جماعت تھی ان درویشوں سے اس کی کیسے نباہ ہوتی۔۔۔ کانگریس تک سے دل میلے ہو چکے تھے۔ ادھر پنجاب بھر کے زمیندار اور روؤساان بوریہ نشینوں کو اپنے لئے خطرہ کا الارم خیال کرتے تھے۔

جماعت کو ابتدائی دنوں میں ہی کشمیر کی ستم رسیدہ آبادی کے لئے اپنے آپ کو داؤ پر لگانا پڑا۔ دیکھتی آنکھوں پچاس ہزار رضاکار گرفتار ہو گئے اور سارے ملک میں احرار کا طوطی بولنے لگا۔ اس کے بعد بھی احرار کو بہت ہی صعوبت کی زندگی گزارنا پڑی اور مختلف مقامات پر قومی اور مقامی تحریکوں میں اپنا کردار ادا کرنا پڑا جس کی تفصیل کا یہ وقت نہیں تا آنکہ 1935ء کا سال آیا۔ اس سال احرار کو ایک ایسے صدمہ سے دوچار ہونا پڑا کہ اس کی ساکھ بری طرح مجروح ہوئی۔۔۔ اس سال کا یہ واقعہ جو احرار کے خرمن پر برق سوزاں بن کر گرا "مسجد شہید گنج" کا قضیہ نامرضیہ تھا۔۔۔ پنجاب کے ٹوڈی بچوں کی نمائندہ حکومت کا کرتا دھرتا سردار سکندر حیات تھا جس کے آباؤ اجداد کو 1857ء میں مجاہدین کے ہاتھ انگریز زخمیوں کو بچانے کے صلہ میں حسن ابدال کے علاقہ میں بڑی جاگیر ملی۔ (1) اس کی وزارت میں ہندو بھی تھے اور سکھ بھی۔ انتخابات سر پر تھے احراری اتنے موثر ہو چکے تھے کہ خطرہ نظر آ رہا تھا کہ کم از کم متحدہ پنجاب میں کوئی بڑی سے بڑی طاقت ان کے سامنے نہ ٹھہر سکے گی۔ مسجد شہید گنج لنڈا بازار میں واقع ہے۔ پنجاب کی یونینسٹ حکومت، مسلم لیگ، مولانا ظفر علی خان مرحوم کی نیلی پوش تحریک، سکھ، انگریز اور قادیانی، چھ طبقات تھے جو کعبہ کی اس بیٹی کو منہدم کر کے احرار سے خوفناک انتقام لینا چاہتے تھے۔ شاید کوئی ایک آدھ

۱۔ اس سلسلہ کی تفصیلات تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور کی مطبوعہ کتاب "حیات سکندر" میں ملاحظہ فرمائیں۔ (علوی)

طبقہ ایسا بھی ہو جو غیر شعوری طور پر اس میں ملوث ہو گیا ہو لیکن میرا وجدان یہ ہے کہ ایسا نہ تھا سبھی نے بقائمی ہوش و حواس اپنا اپنا پارٹ ادا کیا۔ احرار کے بیدار مغز رہنما اندرونی سازش سے واقف تھے اس لئے انہوں نے فریق بننے سے انکار کر دیا۔ بے ننگ و نام لیڈروں کی ستم ظریفی کے نتیجہ میں ان گنت مسلمان شہید ہو گئے۔ احراری لاکھ چیخے اور اصل حقائق کی طرف توجہ دلانا چاہی لیکن جذباتی قوم نے ایک نہ سنی تا آنکہ الیکشن کا اعلان ہو گیا۔ یار لوگوں نے مسجد کی گری ہوئی دیواروں اور اس کے ملبہ کو اپنی انتخابی مہم کی بنیاد بنایا احرار کو جی بھر کر کوسا نتیجہ وہ پنجاب میں کامیاب ہو گئے احراری ہار گئے لیکن 37ء سے 47ء تک اور پھر تادم تحریر وہ مسجد جوں کی توں ہے اس کی تعمیر و مرمت واگذاری کوئی بھی بات نہ ہو سکی اور آج تک وہ سجدوں سے محروم لیگی اور یونی نیسٹ رہنماؤں کا ماتم کر رہی ہے۔۔۔۔ (2) علاوہ بد دیانت لوگوں کے بہت سے مخلصین بھی اس سلسلہ میں احرار کو مورد الزام ٹھہراتے یا کم از کم متاثر ضرور تھے لیکن ایسے مخلصین کی غلط فہمی بہت جلد دور ہو گئی اور وہ احرار کے ہمدرد و بہی خواہ بن گئے۔ قضیہ شہید گنج کے بعد ان حضرات کا حقیقت حال سے واقف ہو کر اس قافلہ میں شریک ہونا بڑی قربانی اور ایثار کی بات تھی۔۔۔۔ اور انہی میں سے ایک مولانا محمد علی جالندھری تھے جو حقائق سے آگاہ ہو کر ایسے ساتھ لگے کہ پھر مرتے دم تک جدائی کا ایک لمحہ گوارا نہیں کیا۔

اس مرحلہ پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولانا محمد علی کے حوالہ سے وہ روایت نقل کر دی جائے جو حضرت رائے پوری رحمہ اللہ تعالیٰ کی سوانح میں موجود ہے اس روایت سے جہاں حضرت رائے پوری کے مجلس اور اس کے رہنماؤں سے تعلق کا اندازہ ہو گا وہاں مجلس احرار کی مسجد شہید گنج کے معاملہ میں اصابت رائے کا بھی پتہ چلے گا اور یہ راز بھی کھل جائے گا کہ مجلس احرار کو یہ سزا کیوں ملی بقول مولانا۔

> ○ "پنجاب میں مجلس احرار مقبول ترین جماعت تھی جنگ کے بادل امڈ رہے تھے 36ء کے انتخابات سر پر آرہے تھے اور حکومت پنجاب نے احرار لیڈروں سے سودا کرنا چاہا کہ انتخاب میں تم آگے آؤ ہم تعاون کریں گے لیکن آنے والی جنگ میں مجلس نے برطانیہ کی امداد کرنے سے اس وقت تک انکار کر دیا جب تک مکمل آزادی کا اعلان نہ کیا جائے۔ گورنر پنجاب نے شہید گنج کی مسجد گروا کر حالات تبدیل کر دیئے۔ مجلس احرار پر انتہائی امتحان کا وقت آیا مسلمان انتہائی مشتعل تھے اور ایجی ٹیشن کرنا چاہتے تھے مگر یہ راستہ غلط تھا حکومت کے خرید کردہ لیڈروں نے مسلمانوں کو پاگل بنا دیا تھا احراری بزرگوں نے مسلمان

2۔ مسجد شہید گنج کے سلسلہ پر جناب مولانا مظہر علی اظہر کی کتاب "تحریک مسجد شہید گنج اور احرار" کا مطالعہ بے حد مفید ثابت ہو گا۔ (علوی)

قوم کا راستہ روک کر اپنی بے پناہ مقبولیت قربان کرنی گوارا کر لی لیکن غلط رہنمائی کر کے اپنا وقار باقی رکھنا منظور نہ کیا پوری مسلمان قوم ناراض ہو گئی گورنر کا منشا پورا ہوا یہ سب کچھ ہونے کے بعد احرار کے بزرگ اتفاقاً حضرت والا سے کسی جگہ مشرف بازیارت ہوئے بار بار ہنس کر فرمایا کہ میں تو سمجھا تھا کہ میرے شیر کو دے میرے شیر یعنی ایجی ٹیشن کریں گے مگر اللہ تعالیٰ نے رہنمائی فرمادی" (مکتوب مولانا محمد علی بنام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مندرجہ سوانح حضرات رائے پوری صفحہ 92-291 مطبوعہ لاہور 1977ء)

محترم قارئین! حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ صاحب قدس سرہ کی وہ نصیحت تو پہلے ملاحظہ فرما چکے ہیں جو آپ نے مولانا کو دیوبند سے رخصتی کے وقت کی تھی۔ اس نصیحت کی روشنی میں آپ قادیانیوں کے معاملہ میں باقاعدہ سرگرم عمل تھے اور یہ سلسلہ ایک دن کے لئے بھی تعطل کا شکار نہیں ہوا مختلف مدارس میں تدریسی خدمات سرانجام دینے کے ساتھ وعظ و نصیحت کا سلسلہ تو جاری ہی تھا اور اس سلسلہ میں قادیانیت کے فتنہ سے آپ باقاعدہ خلق خدا کو آگاہ کرتے اور اپنی ذمہ داریاں پوری کرتے رہے۔

فتنہ قادیانیت کے تعاقب و تردید کے ساتھ ساتھ تدریسی دور میں تحریک خلافت میں بھی برابر سرگرم عمل رہے۔ پہلی جنگ عظیم میں چونکہ خلافت عثمانیہ برطانوی راج کے خلاف مصروف جنگ رہی اور اس کا اتحاد جرمنی کے ساتھ تھا اس لئے خاتمہ جنگ کے بعد انگریزی دانش نے مسلمانوں کے اس مرکز کو تباہ کرنے کی ٹھان لی۔ کچھ کام تو جنگ کے نتیجہ میں ہو چکا تھا۔ جو باقی تھا وہ اندرونی سازشوں سے پورا کیا جانے کی تیاری ہو رہی تھی--- مسلمانان برصغیر کی خوبی یہ رہی ہے کہ انہوں نے عالم اسلام کے ہر مسئلہ کو واقعتہ "اپنا مسئلہ" سمجھا اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں سمجھنا بھی ایسا ہی چاہیے تھا۔ یہ احساس تھا جس نے یہاں تحریک خلافت جیسی عظیم الشان تحریک کو جنم دیا۔ برادران وطن اس تحریک میں مسلمانوں کے شانہ بشانہ مصروف عمل رہے۔ لیکن آہ کہ ترکی کے مصطفیٰ کمال نے خود ہی اس قبا کو تار تار کر دیا۔ مولانا محمد علی ان دنوں میں ریاست کپور تھلہ میں مقیم تھے۔ تدریسی سرگرمیاں اپنی جگہ تھیں اور اصلاح رسوم کا زبردست مشن اپنی جگہ 'اس کے ساتھ ہی انہوں نے خلافت کے سلسلہ میں تقریروں کا ایک سلسلہ شروع کر کے پوری ریاست میں آگ لگادی۔ مہاراجہ کا وزیر اعظم بد قسمتی سے مسلمان تھا لیکن ایسا مسلمان جو انگریز راج کی خوشنودی ہی کیلئے جیتا مرتا تھا اس نے مولانا کو اپنے دفتر میں طلب کیا اور کہا کہ اگر آپ اس تحریک میں حصہ لینا چاہتے ہیں تو آپ ریاست سے چلے جائیں اور برطانوی ہند میں کام کریں کیونکہ مہاراجہ نے حکومت کو یقین دلایا ہے کہ یہاں خلافتی

اثرات نہیں ہیں۔ لیکن مولانا نے جواب دیا کہ حکومت کو یقین دہانی مہاراجہ نے کرائی ہے میں نے یا ریاستی عوام نے تو نہیں کرائی مہاراجہ اپنے کئے دھرے کا خود ذمہ دار ہے ہم نہیں ' یہ کہا اور چلے آئے مدرسہ میں واپس پہنچے ہی تھے کہ ریاستی پولیس مہاراجہ کا حکم لے کر آ گئی تاکہ آپ کو ریاست بدر کر دیا جائے۔ مولانا نے تعمیل حکم سے انکار کر دیا پولیس کی واپسی کے بعد کچھ لوگوں نے وزیر اعظم سے مل کر حکم واپس کرانے کی تجویز کی۔ وزیر اعظم کے یہاں یہ طے ہوا کہ مولانا عام جلسوں میں تقریریں نہ کریں البتہ زیر زمین تحریک کیلئے کام کریں اور ضرور' اور رضاکاروں کو تیار کر کے برطانوی ہند میں بھیجتے رہیں۔

مولانا نے پہلے تو یہ فیصلہ ماننے سے انکار کر دیا لیکن بعد میں احباب کے مشورہ سے اس فیصلہ کو مان لیا اور مسلسل مصروف عمل رہے مولانا کی قومی اور سیاسی زندگی کا یہ گویا پہلا باقاعدہ مرحلہ تھا جس میں موصوف کامیاب ٹھہرے۔ یہ درست ہے کہ انہوں نے عام جلسوں کی دوستانہ پابندی کو قبول کر لیا لیکن اس طرح احباب کا ایک بڑا حلقہ جہاں انہیں میسر آ گیا وہاں تحریک کے لئے اصل کام کرنے کی داغ بیل پڑ گئی۔ (1)

تحریک خلافت کی سارے ملک میں دھوم تھی تو ایک طبقہ تحریک ہجرت کو بال و پر مہیا کر رہا تھا افسوس کہ یہ دونوں عہد ساز تحریکیں اکٹھی ہی دم توڑ گئیں ---- تحریک خلافت تو جیسا کہ ہم نے عرض کیا مصطفیٰ کمال کے فیصلوں کے سبب ختم ہو گئی تو تحریک ہجرت امیر حبیب اللہ خان والی کابل کے انگریز سے سمجھوتہ کے بعد ختم ہو گئی۔ حضرت امیر شریعت قدس سرہ پنجاب خلافت کمیٹی کے اہم رکن تھے۔ خطابت میں ان کی دھوم تھی اسی اثناء میں جیسا کہ گزرا 1926ء میں انجمن خدام الدین

---

۱ کپورتھلہ کی ریاست میں سلطان پور لودھی آپ کی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ اس سلسلہ میں جو تفصیلات درج کتاب ہیں ان کے راوی والد گرامی مولانا محمد رمضان علوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے محترم اور دوست راست شیخ غلام رسول مرحوم و مغفور ہیں جو حضرت امیر شریعت کے انتہائی مخلص کارکن اور سلطان پور لودھی کے زمانہ میں مولانا جالندھری کے شاگرد رہے اور مولانا سے تادم آخر ان کے مثالی تعلقات رہے ' مولانا حبیب اللہ فاضل رشیدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک تحریر میں چوہدری فتح محمد اور چوہدری فضل محمد وکیل اور کمبوہ حضرات کی دعوت پر سلطان پور لودھی تشریف لانے کا ذکر کیا۔ شیخ صاحب تقسیم ملک کے بعد جھنگ وغیرہ رہے اور پھر زندگی کا بڑا حصہ راولپنڈی گزارا۔ مخلص ' قناعت پسند ' حق گو اور شریف النفس شیخ صاحب چند سال پہلے اللہ کو پیارے ہوئے۔ حضرت المخدوم مولانا خان محمد زید مجدھم سے ان کا روحانی تعلق تھا ان کا گھر علماء کا مرجع تھا ان کے اعزہ راولپنڈی اور فیصل آباد میں مقیم ہیں اور والد مرحوم کی طرح خیر کے کاموں میں مصروف۔

مولانا کی سوانح مرتب کرنے کے بڑے فیصلہ پر انہیں بے حد خوشی تھی بہت سی باتیں بتلائیں اور مولانا کا ایک گرامی نامہ (محررہ 23 صفر 89ھ) مرحمت فرمایا جو برادر محترم مولانا عزیز الرحمٰن خورشید کی مجلس تحفظ ختم نبوت سے وابستگی کی تفصیلات پر مشتمل ہے۔ (علوی)

لاہور کے سالانہ جلسہ میں دیوبند کے محدث اکبر علامہ انور شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحریک پر وہ "امیر شریعت" قرار پائے۔ مولانا محمد علی ایک تو اپنی افتاد طبع کے سبب شاہ جی سے ملنے کے متمنی تھے دوسری یہ بات ان کے اعصاب پر سوار تھی کہ میرے شیخ و مربی حضرت انور شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ جس کو اتنا چاہتے ہیں وہ یقیناً" کوئی عظیم آدمی ہے اس سے بہر حال ملنا ضروری ہے۔ حسن اتفاق سے دسمبر 1927ء میں درگاہ امام ناصر الدین جالندھر کے ایک جلسہ میں شرکت کے لئے شاہ جی تشریف لائے۔ بخاری صاحب قدرت کی تخلیق کا بہترین شاہکار تھے۔ جو دیکھتا "فتبارک اللہ احسن الخالقین" کہہ اٹھتا۔ یہ جوان رعنا سٹیج پر جب قرآن پڑھتا تو دنیا کھو کر رہ جاتی۔ مولانا محمد علی نے پہلی مرتبہ یہاں شاہ جی کو دیکھا۔ تقریر سنی 'ملاقات ہوئی اور "من تو شدم تو من شدی" کے مصداق ایسے تعلقات استوار ہوئے کہ موت نے ہی آ کر ان کو متاثر کیا۔ (فرحمہما اللہ تعالیٰ)

تحریک خلافت کے دم توڑنے کے بعد بالخصوص پنجابی زعماء ایک عجیب کشمکش کا شکار تھے ادھر نہرو رپورٹ نے رہی سہی کسر پوری کر دی تو یہ لوگ مجلس احرار اسلام بنا کر سامنے آ گئے۔

قارئین ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ اس مجلس کی تحریک میں امام الہند مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم بھی شامل تھے اپنے یوم تاسیس یعنی 26 دسمبر 1929ء سے 1935ء تک احرار نے تحریک کشمیر سمیت کتنے معرکے سرانجام دیئے یہ ایک مستقل داستان ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ احرار کا طوطی ہر طرف بولنے لگا۔ مولانا محمد علی مرحوم ابھی باقاعدہ احرار میں شامل نہ تھے لیکن احرار رہنماؤں بالخصوص حضرت شاہ جی سے ان کا ربط و ضبط بہت تھا۔ جالندھر کے مدرسہ خیر المدارس میں مرحوم مولانا مدرس و ناظم تھے شاہ جی کا وہاں باقاعدہ آنا جانا تھا اور دوسرے مواقع بھی میل ملاقات کے نکل ہی آتے۔ تاہم اس موقعہ پر اس غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے جو ڈاکٹر عبد القوی لقمان مرحوم کی طرف منسوب ہے کہ چودھری افضل حق صاحب مرحوم نے مجلس احرار اسلام کا جو ابتدائی دستور العمل مرتب کیا تھا اس کی کتابت و طباعت کا کام مولانا محمد علی کے سپرد کیا گیا----- 1930ء میں جب جالندھر میں مجلس احرار اسلام کی شاخ قائم ہوئی تو مقامی کارکنوں میں مرحوم مولانا بھی شامل تھے اور غازی امام بخش صاحب صدر منتخب ہوئے پھر اپریل 1931ء میں جالندھر میں جو پہلی کانفرنس ہوئی اس کی صدارت کے لئے چودھری افضل حق صاحب مرحوم تشریف لائے اس کے صدر استقبالیہ آپ تھے جالندھر کے "روزنامہ الجہاد" میں یہ تفصیل موجود ہے اور اس کی 26 جولائی 1931ء کی اشاعت کے مطابق مولانا محمد علی تحریک کشمیر کے سلسلہ میں رضاکاروں اور چندہ کی فراہمی میں مشغول رہے دس ہزار روپیہ اس دور میں اس ضلع سے مولانا کی کوشش سے فراہم ہوا رضاکار کیمپوں کا انتظام موصوف کے ذمہ تھا "الجہاد" میں ایک مضمون آپ نے شائع کرایا جس میں اہل کشمیر کی پریشانیوں کے حوالہ سے اہل جالندھر سے مالی و جانی قربانی پیش کرنے کی اپیل تھی۔ جمعیتہ علماء

ہند کے رہنماؤں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب اور حضرت مولانا احمد سعید صاحب کے توسط سے مصالحت ہوئی اور یوں اللہ تعالیٰ نے احرار کو فتح عطاء فرمائی جماعت میں باقاعدہ شامل نہ ہونے کے باوجود مولانا نے تحریک کشمیر میں جو کردار ادا کیا وہ آپ نے ملاحظہ فرمالیا۔۔۔۔اس کے بعد ایک اور اہم موڑ آیا جس میں مولانا نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور ان کی صلاحیتوں سے ایک زمانہ آگاہ ہوا۔ یہ مرحلہ تحریک کپور تھلہ کے عنوان سے معروف ہے مجلس احرار نے ریاستی مسائل پر مہاراجہ اور وزیر اعظم سے ٹکر لی بالآخر انہیں جھکنا پڑا۔ مولانا چونکہ کپور تھلہ میں کام کرچکے تھے اس لئے ان سے اس معاملہ میں بھرپور فائدہ اٹھایا گیا۔۔۔جناب بلال زبیری صاحب مرحوم کی اس سلسلہ میں ایک تحریر من و عن پیش خدمت ہے جو اگرچہ طویل ہے لیکن اس سارے قضیہ پر اس سے خوب خوب روشنی پڑتی ہے۔ اس لئے اسے شامل کرنا ناگزیر ہے۔

تحریک کپور تھلہ

مولانا محمد علی کے قیام سلطان پور لودھی کے دوران اصلاح رسوم و عقائد کی جو تحریک کپور تھلہ میں شروع ہوئی تھی اس کا دائرہ اثر چھوٹے متوسط طبقہ کے علاوہ اونچے طبقہ کے لوگوں میں بھی محسوس ہوا۔ اس تحریک کا ایک بڑا مقصد یہ بھی تھا کہ عوام میں سیاسی شعور اور قومی بیداری پیدا کی جائے ان کو اپنے حقوق منوانے بلکہ چھین لینے کی عملی تربیت دی جائے۔ یہ مقصد کافی حد تک مولانا محمد علی نے حاصل کرلیا تھا ریاست کے ایک اہم خاندان کے سربراہ چوہدری عبدالعزیز بیگووالیہ اسی تحریک سے متاثر ہو کر مجلس احرار میں شامل ہوئے۔ مولانا محمد علی سے ان کے برادرانہ مراسم تھے۔ چودھری عبدالعزیز نے 1933ء میں ریاست کے انتظامی معاملات کے خلاف زبردست تحریک چلائی۔ مولانا محمد علی کو اللہ تعالیٰ نے سوچ و فکر کی بے پایاں صلاحیتیں عطاء کی تھیں وہ جس تحریک میں شامل ہوتے اس کے عوامل و نتائج پر پوری سنجیدگی سے غور کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا کی ذہنیت' فراست تدبر اور سیاسی بصیرت سے "احرار رہنما" فائدہ اٹھاتے رہے۔

جس منصوبہ میں مولانا کی مشاورت ہوتی اس پر آنکھیں بند کرکے عمل کیا جاتا تھا۔ سب سے بڑی اور اہم بات یہ تھی کہ مولانا کو اپنے منصوبوں میں جبکہ وہ صحیح خطوط پر زیر تکمیل رہے ہوں کبھی مایوسی اور ناکامی کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ پیچیدہ ترین گتھیوں کو سلجھانے کے لئے چوہدری افضل حق' ماسٹر تاج الدین انصاری' سردار محمد شفیع اور مولانا محمد علی کا ذہن ایک ساتھ کام کرتا تھا کیونکہ چاروں بزرگ ٹھنڈے دل و دماغ کے مالک تھے جذبات کو اپنے مزاج سے علیحدہ رکھ کر جو بھی پروگرام بناتے وہ عین صحیح نتائج پر پہنچتا تھا۔ ریاست کپور تھلہ کا مہاراجہ عیاش طبع اور سیاحت پسند تھا۔ عموماً یورپ اور لندن رہتا۔ ریاستی انتظام وزیر اعظم عبدالحمید کے سپرد تھا۔ اس قسم کے وزراء اور سر صاحبان خود کو انگریز کی معنوی اولاد سمجھنے میں فخر محسوس کرتے تھے جو کام انگریز اپنی روایات کے خلاف سمجھتا وہ اس کی معنوی اولاد بحسن خوبی انجام

دیا کرتی تھی۔ وزیر اعظم نے مسلمانوں کے مطالبات ٹھکرا کر تحریک کے صف اول کے رضاکاروں کو گرفتار کر لیا۔ چوہدری عبدالعزیز بیگووالیہ کو پانچ سال قید کی سزا دی گئی جب تحریک نے کارکنوں میں مایوسی کے اثرات پیدا ہوئے تو مجلس احرار نے اپنی طرف سے ایک کمیشن مقرر کیا جس میں ماسٹر تاج الدین انصاری کے علاوہ مولانا محمد علی بھی شامل تھے۔ کمیشن نے جالندھر میں بیٹھ کر حالات کا جائزہ لیا اور تحریک کے دو محاذ کھول دیئے۔ پہلی تحریک ریاستی مسلمانوں کے حقوق کے بارے میں چل رہی تھی اس کی مخالفت بعض انگریز پرست محض اس لئے کر رہے تھے کہ ریاست کا وزیر اعظم مسلمان تھا اور تحریک کا تمام تر رخ اسی کی طرف تھا۔

دوسرا محاذ کانگریس کے ایماء سے براہ راست وزیر اعظم کے خلاف کھولا گیا۔ دونوں محاذوں کو تقویت پہنچانے کے لئے جالندھر کے ایک روزنامہ "الجہاد" جس کے مالک اسلام الدین وکیل تھے اور حضرت مولانا خیر محمد کے شاگردوں میں سے تھے۔ عارضی طور پر لے لیا گیا۔ اخراجات کی ذمہ داری حضرت مولانا محمد علی نے قبول کی۔ ادارت کے فرائض ماسٹر تاج الدین انصاری نے انجام دیئے۔ اس اخبار نے ریاستی حکومت کے خلاف زبردست تحریک شروع کر دی خیر المدارس اور درگاہ حضرت امام ناصرؒ جالندھر میں بلاناغہ جلسے ہوتے۔ دھواں دھار تقریریں ہوتیں اور "الجہاد" میں پورے ٹھاٹھ سے کارروائیاں چھپتیں۔ صبح احرار رضاکار اخبار کے بنڈل ریاست کے گاؤں گاؤں میں پہنچا دیتے جس سے تحریک کے رضاکاروں کی حوصلہ افزائی ہوتی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وزیر اعظم لندن یاترا کے بعد مصالحت پر مجبور ہو گئے مولانا محمد علی جالندھری کو سر عبدالحمید نے اپنی کوٹھی پر بلایا اور ان سے کہا کہ آپ تحریک بند کرا دیں تو میں مہاراجہ سے بعض اصلاحات نافذ کرا دوں گا اور تحریک کے قیدی بھی رہا کر دوں گا۔ مولانا نے جواباً فرمایا۔ میرا اس تحریک سے براہ راست کوئی تعلق نہیں آپ اس سلسلہ میں چوہدری عبدالعزیز بیگووالیہ سے رابطہ قائم کریں۔ وہی ریاستی تحریک کے ڈکٹیٹر ہیں۔ سر عبدالحمید نے کہا کہ مجھے اسکے سامنے جھکنے پر مجبور نہ کریں جسے میں نے پانچ سال قید کرائی ہے۔ اس پر مولانا محمد علی نے کہا تو پھر ماسٹر تاج الدین انصاری سے رابطہ پیدا کریں۔ جو مجلس احرار کی طرف سے نامزد ہیں۔ چنانچہ مولانا محمد علی نے ریاست کے چیف جج اور وزیر اعظم سے وعدہ لیا کہ وہ لاہور آئیں۔ دوسری طرف مولانا محمد علی نے ماسٹر تاج الدین انصاری اور چوہدری افضل حق کو حالات سے آگاہ کر دیا۔ ریاستی حکام سے لاہور کے فلیٹی ہوٹل میں بات چیت ہوئی جس میں طے ہوا کہ تحریک صرف اس صورت میں ختم ہو سکتی ہے کہ عبدالحمید وزارت سے علیحدہ ہو جائیں اور تمام قیدیوں کو رہا کر دیا جائے۔ نیز مہاراجہ اصلاحات نافذ کرے آخری دو باتیں فوراً تسلیم کر لی گئیں۔ وزارت سے علیحدگی کا معاملہ چھ ماہ تک کیلئے ملتوی کر دیا گیا بعد میں عبدالحمید وزارت سے علیحدہ ہو گیا۔ ریاست کپورتھلہ کی تحریک 1933ء میں ختم ہوئی اس عرصہ میں مولانا محمد علی کھل کر پنجاب کی عملی

سیاست میں نہیں آئے تھے علاقائی تنظیم تک محدود رہے۔

مجلس احرار اسلام میں باقاعدہ شمولیت

گذشتہ سطور سے آپ نے یہ اندازہ تو کرلیا ہوگا کہ حضرت مولانا محمد علی صاحب مجلس احرار اسلام کے رہنماؤں اور بالخصوص امیر شریعت قدس سرہ سے ایک تعلق و نسبت اپنے زمانہ تدریس میں قائم کر چکے تھے۔ مجلس کا معاملہ ایسا تھا کہ تحریک کشمیر' تحریک کپور تھلہ' 35ء کے زلزلہ کوئٹہ کے متاثرین کی امداد' رنگیلا رسول نامی رسوائے زمانہ کتاب کے ناشر راجپال کے قاتل غازی علم الدین شہید کے مقدمہ تحریک' میکلیگن کالج لاہور (1) اور مرزائیوں کے تعاقب کی وجہ سے شہرت و قبولیت عامہ حاصل کر چکی تھی۔ آنے والے الیکشن سے یار لوگ خوفزدہ تھے انہوں نے مسجد شہید گنج کا مسئلہ کھڑا کرکے احرار کو سخت آزمائش میں مبتلا کردیا۔ احرار نے خود غرض اور ملت فروش پنجابی حکمرانوں اور قائدین کی ہاں میں ہاں نہ ملائی اس کی انہیں بڑی قیمت ادا کرنا پڑی۔ الیکشن تو ہارے ہی ملک میں ان کے خلاف چہ مگوئیاں جاری رہیں۔ لیکن جلد ہی لوگوں نے معلوم کرلیا کہ احرار کا موقف درست تھا۔ مولانا جالندھری جیسا زیرک اور مدبر انسان جو قدرت کی طرف سے حساس دل لے کر پیدا ہوا تھا اور فطری طور پر اس میں قیادت کی صلاحیتیں موجود تھیں' حالات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

اسی اثناء میں مجلس احرار اسلام جالندھر نے ایک جلسہ کا اہتمام کیا جس میں مرحوم مولانا مظہر علی اظہر نے شرکت کی۔ مسلم لیگی (2) حضرات نے جوان بلانوشان محبت سے ادھار کھائے ہوئے تھے جلسہ میں گڑبڑ کردی۔ احراری ورکروں کو بڑی کوفت ہوئی اور انہوں نے مولانا سے باقاعدہ قیادت کی

1۔ یہ 1931ء کے اوائل کا ذکر ہے کہ اس کالج کے انگریز پرنسپل نے جناب رسول کریم صلی اللہ تعالی علیہ و اصحابہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کرکے مسلمان طلبہ کے دل مجروح کئے۔ طلباء نے احتجاج کیا تو شنوائی نہ ہوئی غیر مسلم طلباء نے اپنی کم ظرفی کا ثبوت دیتے ہوئے پرنسپل کا ساتھ دیا۔ مسلمان طلبہ کا احتجاج نظر آرہا تھا کہ رائیگان جائے گا بلکہ ان کا مستقبل بھی تاریک ہوگا۔ قافلہ احرار کے ایک گرامی قدر رہنما مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہ میدان میں کود پڑے۔ بعد میں علامہ اقبال کو بھی مداخلت کرنا پڑی طلبہ کی حمایت کیلئے کمیٹی قائم ہوئی۔ مولانا لاہوری گرفتار ہوگئے لیکن گرفتاری نے حالات خراب کردیئے۔ بلکہ خود حکومت کو جھکنا پڑا۔ پرنسپل نے معافی مانگی۔ تحقیقاتی کمیٹی 26 ستمبر 1931ء کو مقرر ہوئی طلباء بحال ہوگئے حضرت لاہوری اور دوسرے حضرات غیر مشروط طور پر رہا ہوگئے۔ (خدام الدین حضرت لاہوری (ص نمبر 116)

2۔ احقر نے مسلم لیگ کے سلسلہ میں کچھ عرصہ قبل محض یادداشتیں اکٹھی کی تھیں ان کی بنیاد پر ایک دستاویز تیار ہوسکتی ہے جس کے بعد لیگ کا معاملہ بڑا ہی تاریک تر ہوجاتا ہے۔۔۔ حالات نے مہلت دی تو یہ دستاویز کسی وقت سامنے آجائے گی۔ (علوی)

درخواست کی جس کو مولانا نے تسلیم کر لیا اور یوں وہ 35ء کے اواخر میں مجلس میں شامل ہو گئے۔(2) لیگی ورکروں نے جو بھگدڑ مچائی اس کی بنیاد مسجد شہید گنج ہی تھی۔ شہید گنج کی سازش کے اصل ہیرو سر فضل حسین اور سر سکندر حیات تھے مسلمانوں اور سکھوں کے درمیان یہ مسئلہ کھڑا کر کے ان لوگوں نے فائدہ حاصل کر لیا ان کا مقصد یہ تھا کہ احرار دخیل ہو گی تو گرفتار کر کے جیل بھیج دیئے جائیں گے اور ساتھ ہی ساتھ انہیں نااہل قرار دے کر الیکشن کے دروازے ان پر بند کر دیئے جائیں گے۔ اگر دخیل نہ ہوئی تو پوری مشینری بدنام کرنے پر لگ جائے۔ فائدہ دونوں شکلوں میں ہمارا ہو گا۔ بدقسمتی یہ ہوئی کہ مولانا ظفر علی خان مرحوم اپنے "صاحبزادے" اختر علی خان کی کمزوریوں کے سبب اس اکھاڑے میں آکر احرار کے دشمن بن گئے ادھر علی پور ضلع سیالکوٹ کے پیر جماعت علی شاہ صاحب "امیر ملت" کا روپ دھار کر میدان میں کود پڑے۔ پیر صاحب مجاہدین آزادی اور علماء دیوبند کی تکفیر میں سرگرم عمل تھے ادھر انگریز فوجیں ان کے جھاڑ پھونک اور تعویذوں کی برکات سے فائدہ اٹھا چکی تھیں۔۔۔

لاہور کے میاں امیر الدین جو "خان بہادر" کہلائے، وہ بھی اس سازش کے اہم ہیرو تھے۔ مصالحت کی دستاویزات انہی حضرت نے سرقہ کر کے ادھر ادھر کیں یہ الگ بات ہے کہ اس کے باوجود یہ "معزز و محترم" قرار پائے۔ مرحوم علامہ اقبال کے بعد ان کی صاحبزادی، میاں صاحب کے صاحبزادے سے منسوب ہو جانے کے سبب میاں صاحب اور ان کا خاندان اور معتبر ہو گیا۔

جبکہ سالہا سال انجمن حمایت اسلام کی سربراہی اور اپنے خاندان کے تمام چھوٹے بڑے افراد کو اس کے مستقل شعبوں پر مسلط کرنے کی وجہ سے انجمن کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔

مرحوم ضیاء الحق کے زمانہ میں لاہور کے ایک معروف وکیل نے انجمن کے حوالہ سے میاں صاحب کی دھاندلیوں کے مصدقہ ثبوت فراہم کئے لیکن افسوس کہ مرحوم صدر نے الٹا میاں صاحب کو تحفظ فراہم کیا۔

شہید گنج کے حوالہ سے میاں صاحب کے کردار کی تفصیل محترم جانباز مرزا صاحب کی تازہ کتاب میں

1۔ معروف اہل قلم جانباز مرزا صاحب کا ایک اقتباس اس موقعہ پر قارئین کے لئے دلچسپی کا باعث ہو گا۔ وہ لکھتے ہیں!

"(مولانا محمد علی) جب تک کائنات پر متحرک رہے اپنی تاریخ مرتب کرتے رہے کاش یہ اوراق جمع کر لئے جاتے تو مستقبل کا مورخ راستے کی ناکٹوئیوں سے محفوظ رہتا مگر شکوہ ہائے جور و جفا کہاں تک کہ را ہگیر جسے ان کی روشن کردہ مشعل سے راستہ دکھائی دیا وہ منزل پر پہنچ کر بھی وفا کے خریم کو زینت نہ دے سکا۔ یہی وجہ ہوئی کہ مولانا محمد علی جالندھری کا نقش پا زمان کے گرد و غبار سے لپٹ کر رہ گیا۔ ورنہ ان کے کشت کا ہر پودہ ثمر آور تھا جسے وفا سے ناآشناؤں نے خزاں کے سپرد کر دیا۔۔۔ مولانا جالندھری دیکھنے میں ایک دیہاتی معلوم ہوتے لیکن سننے میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے بعد دوسرے مقرر تھے۔ مجلس احرار نے انہیں جھٹ اپنی صف میں شامل کر لیا۔

دیکھی جاسکتی ہے۔

اس بیدہ میں احرار کو سخت پریشانیوں سے دو چار ہونا پڑا اور جالندھر احرار کا جلسہ بھی اسی ہنگامہ کی نذر ہوا۔۔۔ مولانا محمد علی نے مختلف مقامات پر جلسوں میں مخالفین کے اعتراضات کے مدلل جواب دیئے اور بتلایا کہ کس طرح انگریز کے حاشیہ نشینوں نے یہ ڈرامہ رچایا ہے۔۔۔ مجلس احرار اسلام جالندھر کے ورکروں کی خواہش پر مولانا جماعت سے باقاعدہ رابطہ کر ہی چکے تھے کہ اسی اثنا میں رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمان لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے انہیں لاہور بلوایا آپ ان دنوں احرار کے صدر تھے۔ لاہور بلوانے کے بعد فرمایا کہ اب تک ہم نے آپ کو آزاد رکھا ہے۔اس سے یہ بھی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ (اتنے تعلق کے باوجود اب تک مرحوم باقاعدہ جو شریک مجلس نہ ہوئے یہ بھی کسی باقاعدہ ضرورت و مصلحت کے تحت قائدین احرار کے مشورہ سے ہی ہوا)۔(واللہ اعلم)

اب مجلس کو آپ کی ضرورت ہے۔مولانا میں انکار کا حوصلہ نہ تھا خاموشی سے صدر احرار کے ہاتھ پر بیعت کرلی اور مولانا لدھیانوی نے انہیں آل انڈیا احرار ورکنگ کمیٹی میں شامل کرلیا اس دن سے لے کر 1935ء تک مرحوم احرار کے مرکزی قائدین میں شامل رہے تا آنکہ تحریک 53ء کے بعد جب مجلس تحفظ ختم نبوت قائم ہوئی تو "وفاداری بشرط استواری عین ایمان ہے" کے مصداق حضرت شاہ جی کے ساتھ مجلس میں شریک ہو گئے اور پھر جنازہ مجلس ہی کے دفتر سے اٹھا اور یوں وہ اپنی عظمت کے نقوش چھوڑ کر رخصت ہوئے۔فرحمہ اللہ تعالیٰ۔ [1]

حاجی احسان الحق میرٹھی سابق ناظم مدرسہ امداد الاسلام میرٹھ راوی ہیں۔

تقسیم سے قبل غالباً 44ء میں مدرسہ کی انتظامیہ کے تحت سیرت النبی کے جلسہ کی تجویز ہوئی۔ لاہور دفتر میں خط لکھا کہ آپ ایک اچھا مقرر جسے سیرت پر مکمل عبور ہو۔بہتر ہے کہ دیوبند سے فارغ ہو۔ بھیج کر ممنون فرمائیں جواب آیا تاریخ مقررہ پر مولانا محمد علی جالندھری فلاں گاڑی پر پہنچ جائیں گے۔ تاریخ مقررہ پر ہم لوگ سٹیشن پر گئے خیال یہ تھا کہ مولانا محمد علی قد آور شخصیت 'جبہ پوش' بارعب آدمی ہوں گے۔گاڑی آئی تو ہمارا خیالی بزرگ کوئی سامنے نہ آیا مسافر تقریباً سب جاچکے۔اچانک ایک آدمی پر نظر پڑی دوپلی ٹوپی 'میلا سا کرتہ' تہبند باندھے پست قامت یوں معلوم ہوتا جیسے پنجاب کا کوئی دیہاتی ہو ہم

---

[1] مولانا خطابت کی دنیا کے بادشاہ تھے بقول مفتی محمود مرحوم کے میں نے شاہ جی سے کہا کہ آپ کا خطیب ہونا کون سا کمال ہے خطیب تو مولانا محمد علی ہیں۔اور اس کی وضاحت یوں کی کہ آپ حسنی سید جوان رعنا' گلے میں سوز' برمحل اشعار کی آمد سب خوبیاں آپ میں موجود ہیں جبکہ مولانا سادہ دیہاتی آدمی' نہ گلا نہ سوز لیکن جب سٹیج پر آتے ہیں تو ساری دنیا ان کی مٹھی میں ہوتی ہے۔اس سلسلہ میں ایک تحریر پیش خدمت ہے جو مجھے اپنے والد بزرگوار مولانا محمد رمضان علوی کی وساطت سے موصول ہوئی۔والد گرامی کا کرم نامہ 3 جنوری 1982ء پیش خدمت ہے۔اس سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ میدان خطابت میں ان کا کیا مقام تھا اور ہر موضوع کا وہ کس طرح حق ادا کرتے تھے۔(علوی)

نے سلام کے بعد پوچھا جناب آپ کہاں سے تشریف لائے' فرمایا لاہور سے حاضر ہوا ہوں' پوچھا اسم گرامی فرمایا مجھے محمد علی جالندھری کہتے ہیں میرٹھ کے کچھ بزرگوں کا دفتر احرار میں گرامی نامہ پہنچا تھا کہ مدرسہ امداد الاسلام میں سیرت کا جلسہ ہے کوئی آدمی بھیجا جاوے۔ جماعت نے مجھے حکم دیا' حاضر ہو گیا ہوں۔ حاجی صاحب فرماتے ہیں ہم نے محض اخلاقاً" کہا آئیے تشریف لائیے ہم نے ہی آپ کو تکلیف دی ہے۔ لیکن ہم سخت پریشان کہ احرار والوں نے ہمارے ساتھ زیادتی کی جلسہ سیرت النبی ﷺ کا اور یو۔ پی کا شہر ایک دیہاتی آدمی کیا کرے گا پھر وضع قطع کے لحاظ سے بارعب شخصیت ہوتی تو شاید کچھ بات بن جاتی ہم سخت پریشان ہوئے باہمی تنہائی میں مشورہ کے لئے بیٹھے کہ کوئی عذر کر کے مولوی صاحب کو واپسی کا ٹکٹ لے کر دے دیا جائے اور جلسہ ملتوی کر دیں یہ اس سے اچھا ہے کہ اسٹیج پر توہین ہو لیکن بعض دوستوں کی رائے ہوئی کہ ظاہری حالت کو چھوڑیئے لاہور سے ایک ذمہ دار جماعت جس کا ہندوستان میں مقررین کے لحاظ سے طوطی بولتا ہے۔ ایک ناسمجھ کو کیسے یو۔ پی میں بھیجتی۔ اب جو ہو سو ہو۔ جلسہ ملتوی نہ کیا جاوے' کھانا کھایا باتیں بھی مولوی صاحب سے کرتے رہے لیکن ہمارے دل پریشان۔ آخر ایک موقع پر علماء دیوبند کا کسی انداز میں ذکر خود چھیڑا۔ حضرت شاہ صاحب' حضرت مدنی' حضرت تھانوی کے اسماء گرامی کا تذکرہ ہوا مولانا نے گفتگو میں حصہ لیا تو ہم حیران ہوئے لیکن ابھی تک مطمئن نہیں تھے۔ یہ خیال کیا کہ یہ ضروری نہیں کہ آدمی عام نشست میں مدلل گفتگو کر لے تو وہ اسٹیج پر بھی بہادر ہو۔ بہرحال جلسہ گاہ میں پہنچے' تلاوت و نظم کے بعد مولانا کا نام سامنے آیا' خطبہ پڑھا تو ایک دفعہ پھر سابقہ پریشانی عود کر آئی کہ یہ شخص تو خطبہ بھی کسی سلیقہ سے نہیں پڑھ سکتا ہم باہمی کھسر پھسر کر رہے تھے۔ پانچ منٹ بصد مشکل گزرے ہوں گے کہ پورا مجمع مولانا کے قبضہ میں تھا ہماری پریشانی آناً "فاناً" کافور ہو گئی۔ پھر کیا تھا قرآن و حدیث' تاریخی واقعات' اور خداداد بلکہ الہامی بیان مولانا کا سن کر لوگ عش عش کر رہے ہیں۔ اڑھائی گھنٹے مولانا نے تقریر فرمائی ہم اپنی سابقہ غلطی پر اندر ہی اندر نادم ہوتے رہے بلکہ اپنی بیوقوفی پر پریشان۔۔۔ عوام کا یہ تاثر تھا کہ مولانا نے سیرت بیان کر کے حق ادا کر دیا۔ ایسے علوم اور یہ انداز بیان یہ محض اللہ کا کرم مولانا پر ہے۔ اختتام جلسہ پر اعلان کیا گیا کہ مولانا کی کل بھی اسی جگہ تقریر ہو گی۔ لیکن مولانا نے فرمایا میں ایک جماعت کے ساتھ منسلک ہوں جماعت کا حکم ایک دن کا تھا جو پورا ہو گیا۔ اب دوسری جگہ جانا ہو گا لیکن ہم نے عوام کو یقین دلایا کہ ہم لاہور میں رابطہ قائم کر کے اجازت حاصل کر لیں گے۔ لوگ مصر تھے کہ کل تقریر ضرور ہو۔ اسی وقت ڈبل چارج برداشت کر کے واپسی تار لاہور دیا اور بڑی لجاجت سے اجازت لی۔ مولانا کو رات نہ چلنے دیا کہ اگر اجازت نہ ملی تو صبح چلے جانا صبح گاڑی سے قبل لاہور سے تار مل گیا اگلے روز کل سے کہیں زیادہ پبلک تھی اور مولانا کا بیان ایک تاریخی تھا۔ اگر ہمارے اختیار میں ہوتا تو ایک مہینہ مولانا کی تقاریر کرواتے' تاکہ سیرت کے مفہوم سے لوگ آشنا ہو جاتے۔ اس سے

آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ میدان خطابت میں ان کا کیا مقام تھا اور ہر موضوع کا وہ کس طرح حق ادا کرتے تھے؟

جماعتی تنظیم اور قیادت

جن حضرات کا مولانا سے تعلق رہا ہے کہ وہ اس بات کی گواہی دیں گے کہ جماعتی تنظیم و قیادت کی خوبی ان میں کس درجہ تھی وہ بلا کے ذہین تھے افہام و تفہیم کی خوبی ان میں بدرجہ اتم موجود تھی۔ کارکنوں میں گھل مل کر رہنا انہیں ہر طرح مطمئن کرنا ان کی پریشانیوں میں ان کا ہاتھ بٹانا اور باتوں باتوں میں ان کی کمزوریوں سے انہیں مطلع کر کے صحیح رخ پر ڈال دینا مولانا کا کمال تھا۔ احرار قائدین ان کی انہی خوبیوں کے پیش نظر مرکزی دفتر احرار کی نگرانی انہیں سونپ دی۔ کیونکہ کسی بھی جماعت کے نظام میں دفتری نظم ریڑھ کی ہڈی کی مانند ہوتا ہے مولانا نے نظم سنبھالتے ہی علاقائی جماعتوں کے دفاتر کا معائنہ کرنے کا پروگرام بنایا۔ دفاتر کی از سر نو تنظیم کی۔ جہاں دفاتر نہ تھے وہاں دفتر کھلوانے کا بندوبست کیا۔ جہاں جہاں مالی پریشانیاں تھی ان کا انتظام کیا چودھری افضل مرحوم جو جماعت کا دماغ تھے انہوں نے بدلتی ہوئی صورت حال کو دیکھ کر اتنی خوشی محسوس کی کہ مولانا کو پنجاب کا قائد بنانے کی تجویز پیش کر دی چودھری صاحب کی تجویز اور خواہش کیسے رد ہوتی؟ 1937ء کے جماعتی انتخابات کے موقعہ پر وہ پنجاب احرار کے صدر چن لئے گئے۔ اس وقت کے پنجاب کی قیادت معمولی بات نہ تھی دہلی کی دیواروں سے لے کر دریائے اٹک تک یہ صوبہ پھیلا ہوا تھا اس میں ایک طرف سرفروش علماء مجاہدین اور قومی ورکروں کا ایک انبوہ تھا تو دوسری طرف انگریزی سیاست کے مہرے اور انگریزی فوجوں میں کام آنے والے فوجی بھی اسی صوبہ میں زیادہ تھے چند خاندانوں کی اتنے بڑے صوبہ کی سیاست پر اجارہ داری تھی۔ خوف و ہراس عام تھا مجلس احرار اسلام کا یہ احسان ہے کہ اس نے خاندانی رئیسوں کو پاؤں کی ٹھوکر سے اڑا کر سیاست کو عوامی بنا دیا اور پھر تاریخ گواہ ہے کہ ہر تحریک میں جتنا خون اس صوبہ کے عوام نے دیا اور جتنے نوجوان یہاں سے جیلوں میں گئے اس کی مثال نہیں ملتی۔ حالات میں یہ تبدیلی مجلس احرار اور اس کے بہادر قائدین کی کوششوں کی مرہون منت ہے اور جب بھی کسی غیر جانبدار آدمی نے تاریخ ماضی پر قلم اٹھایا تو وہ احرار کو خراج عقیدت پیش کئے بغیر نہ رہ سکے گا۔ مرحوم مولانا جالندھری پنجاب کے صدر منتخب ہونے کے ساتھ ساتھ مرکزی دفتر کے نگران بھی رہے اس دور میں کانگریس، مسلم لیگ اور دوسری جماعتوں کے قائدین کا دفتر احرار میں آنا جانا ہوتا تھا۔ مختلف مسائل پر گفتگو ہوتی تو مولانا کی جچی تلی رائے معاملات کا تصفیہ کرنے میں بڑی ممد و معاون ثابت ہوتی واقعہ یہ ہے کہ چودھری افضل حق مرحوم کے ساتھ ماسٹر تاج الدین صاحب انصاری اور مولانا جالندھری ان خوبیوں میں ممتاز تھے اور قدرت نے انہیں اس کا خاص ملکہ عطاء فرمایا تھا۔

احرار رہنماؤں اور مسٹر جناح کی ملاقات

اسی دور میں (36ء) میں مسلم لیگ کے قائد جناب محمد علی جناح پنجاب تشریف لائے وہ مسلم لیگ کو زندہ و متحرک کرنا چاہتے تھے۔ کیونکہ اب تک مسلم لیگ کاسہ لیسوں اور انگریز کے پشتینی وفاداروں کے ایک ٹولے کا نام تھا اور بس! یہ لوگ انگریزی حکومت کے استحکام کی تدبیریں سوچتے اور مجاہدین آزادی خلاف آزیری مخبر کے فرائض سرانجام دیتے۔ جناح صاحب وکالت کا امتحان پاس کرنے کے بعد کانگریس کے سٹیج پر کچھ عرصہ سرگرم عمل رہے لیکن خدا لگتی بات یہ ہے کہ ان کا چراغ نہ جل سکا تو وہ عافیت کے راستہ پر چل نکلے تا آنکہ انہوں نے ملک چھوڑ لندن کو اپنا مستقر بنالیا۔ پھر وہ معلوم اسباب کے تحت کئی سال بعد واپس آئے تو مسلم لیگ کو زندہ کرنے کی کوشش میں مشغول ہو گئے لیکن اس بات کا اظہار کئے بغیر چارہ نہیں کہ مسلم لیگ کی سرشت کو بدلنا کسی کے بس میں نہ تھا عافیت کوش لوگ جنہوں نے ملک و قوم کے سروں کا سودا کر کے اپنے محل تعمیر کئے تھے وہ مجاہدہ و ریاضت کی زندگی کیوں کر گزار سکتے تھے۔۔۔ اس لئے جناح صاحب نے انہی کھوٹے سکوں پر اکتفا کیا اور یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ حالات نے ان کی موافقت کی اور وہ "تقسیم ملک" کے نتیجہ میں بہت بڑے مقام پر پہنچ گئے۔ نشتر کی بات کتنی خوبصورت ہے کہ

نیرنگی سیاست دوران تو دیکھئے　　　　منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے

جناح صاحب نے اپنے اس سیاسی سفر میں مختلف مقامات پر مختلف سیاسی جماعتوں سے گٹھ جوڑ کا بھی سوچا لیکن غالباً انہیں صرف یو۔پی میں کامیابی ہوئی جہاں جمعیتہ علماء ہند [1] کا ان سے اشتراک ہو گیا۔

---

[1] جمعیتہ علماء ہند کی باقاعدہ تشکیل 1919ء میں ہوئی اس کے مختلف سالانہ اجلاسوں کی صدارت حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن، مولانا عبدالباری، مولانا عبدالمحاسن محمد سجاد، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حبیب الرحمن عثمانی، علامہ محمد انور شاہ، مولانا حسین الدین اجمیری، علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا عبدالحق مراد آبادی، اور شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہم اللہ تعالیٰ نے کی اس کے دور شباب میں مستقل صدر حضرت مفتی محمد کفایت اللہ، حضرت مدنی اور مولانا فخرالدین احمد رہے، مولانا احمد سعید دہلوی، مولانا حفظ الرحمن، مولانا عبدالعلیم صدیقی اور مولانا محمد میاں جیسے لوگ اس جماعت کے مخلص قائدین کی صف میں شامل رہے۔

ملت اسلامیہ کی قیادت و رہنمائی میں اس جماعت کا کردار اپنی مثال آپ ہے اور اس جماعت کے بوریہ نشیں قائدین کو یہ فخر حاصل ہے کہ 1926ء میں کامل آزادی کا پروگرام سب سے پہلے انہوں نے پیش کیا ان کے قریباً تین سال بعد کانگریس کو اس کی توفیق ہوئی تو مسلم لیگ قریباً دس برس بعد تک بھی انگریز سے فریاد ہی میں مشغول رہی۔ اس جماعت کا ملک گیر نظام تھا لیکن بوجوہ یو پی کا عظیم الشان صوبہ اس کی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ یہیں 37ء میں ان حضرات کا مسلم لیگ سے پیکٹ ہوا۔ لیگ نے انتخابی کامیابی کے بعد جس بد عہدی کا مظاہرہ کیا وہ انتہائی المناک ہے۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس سرہ جسے مسلم لیگ کے نابالغ قلمکار آج تک نہیں بخشتے انہوں نے واقف و محرم راز کے طور پر مسلم لیگ اور اس

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

پنجاب میں وہ مجلس احرار سے اشتراک عمل چاہتے تھے لیکن ایسا نہ ہو سکا ان کی خواہش یہ تھی کہ یہاں احرار اور مسلم لیگ مل کر یونی نسٹوں کا مقابلہ کریں۔ پنجاب مسلم لیگ کے رہنما ملک برکت علی کی تحریک پر جناح صاحب نے مجلس کو خط لکھا دورہ پر آئے تو پہلے سر فضل حسین سے ملاقات کی سر فضل حسین وہی ذات شریف ہیں جو پنجاب میں یونی نسٹوں کے سرخیل اور دوسرے معنوں میں انگریزی مفادات کے سب سے بڑے محافظ تھے وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر تھے۔ 1934ء میں اپنی خرابی صحت کے سبب الگ ہوئے تو اپنے جانشین کے طور پر مرزا غلام احمد کادیانی کے ارادت کیش مسٹر ظفر اللہ خان کو چھوڑ گئے۔ اس طرح ظفر اللہ خان باقاعدہ انگریز سرکار کی مشینری کا کل پرزہ بن کر ملت اسلامیہ کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے میں لگ گئے۔

سر فضل حسین کی ملاقات کے بعد حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہ کے برادر نسبتی ڈاکٹر عبدالقوی صاحب لقمان کے مکان واقع نسبت روڈ لاہور پر احرار رہنماؤں سے ان کی ملاقات ہوئی مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اور مولانا مظہر علی اظہر کے ساتھ ساتھ مولانا محمد علی بھی گفتگو میں شریک تھے۔ مجلس کے رہنماؤں نے جناح صاحب پر واضح کر دیا کہ مسلم لیگ سرکار پرستوں کے نرغہ میں ہے ایسی شکل میں تعاون مشکل ہے۔ ان سے آپ چھٹکارا حاصل کر لیں تو ہم حاضر ہیں۔ جناح صاحب اس موقف کو سمجھ گئے اور بقول ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی وہ ایسا چاہتے بھی تھے کہ سرکار پرستوں سے جماعت کو پاک کر دیں اسی لئے جب وہ دوبارہ دورہ پر آئے تو سیدھے دفتر احرار پہنچے اس ملاقات میں شاہ جی، چودھری افضل حق، مولانا حبیب الرحمٰن، مولانا مظہر علی اظہر، مولانا محمد علی جالندھری، علامہ اقبال، ڈاکٹر عبدالقوی لقمان، میاں عبدالعزیز بار ایٹ لاء، ملک برکت علی اور سردار محمد شفیع موجود تھے اور ان سب حضرات نے گفتگو میں باقاعدہ حصہ لیا۔

طے یہ ہوا کہ احرار اور لیگ کے امیدوار مشترکہ ہوں گے احرار کی مجلس عاملہ نے فیصلہ کی منظوری دے دی لیکن مسلم لیگ نے روایتی سرکار پرستی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے لیڈر تک سے دھوکہ کیا۔ ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی کے بقول مسلم لیگ نے مشترکہ اجلاس اسی روز 4 بجے شام برکت علی ہال لاہور میں بلایا 4 بج کر پانچ منٹ پر احرار رہنما ہال میں پہنچے تو اجلاس کے ختم ہونے کا اعلان کر دیا اور سرکار پرست

بقیہ حاشیہ سابقہ صفحہ

کے قائدین کے چند بمفلٹوں میں جو نخنے ادھیڑے وہی ان کا "اصل جرم" ہے اور اس "جرم صداقت" کا آج تک ان سے انتقام لینے کی بھونڈی کوششیں ہو رہی ہیں لیکن تابکے؟ آج اپنے ہی بنائے ہوئے ملک میں مسلم لیگ جس طرح تماشہ بن چکی ہے وہ ان بندگان خدا کے صبر و حوصلہ کا ہی نتیجہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے دست انتقام سے تو کوئی بھی نہیں بچ سکتا۔ جمعیۃ علماء ہند کیلئے مولانا سید محمد میاں صاحب کے رسائل اور سرکاری ادارہ "مرکزی تحقیق ثقافت و تاریخ" شائع کردہ کتاب "جمعیۃ علماء ہند" نیز مسلمانوں کا روشن مستقبل "کاروان احرار وغیرہ کا مطالعہ سود مند ہوگا۔ (علوی)

لیگیوں نے طے شدہ سمجھوتہ کے علی الرغم ایک سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت احرار کا پتہ کاٹ کر اپنے قائد اور احرار کو قریب نہ آنے دیا- نتیجہ یہ نکلا کہ سیاست میں دونوں کے راستے جدا جدا ہو گئے- اس افسوسناک موضوع کی تکمیل کے موقعہ پر یہ بھی سن لیں کہ 1943ء میں ایک بار پھر دہلی میں مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی اور جناح صاحب کی ملاقات ہوئی مرحوم ماسٹر تاج الدین انصاری اور مولانا محمد علی اس موقع پر بھی شریک بزم تھے پہلے تو جناح صاحب اور احرار رہنماؤں کے درمیان سمجھوتہ ہو گیا تھا جسے مسلم لیگی حضرات نے چلنے نہ دیا اب چھ سال بعد حالات کا رخ اور تھا مسلم لیگ قرارداد پاکستان منظور کر کے ہوا کے گھوڑے پر سوار تھی اور جناح صاحب اس کے قائد تھے اس لئے کوئی سمجھوتہ نہ ہو سکا-

اس عدم سمجھوتہ کا بنیادی سبب وہی جاگیردارانہ ذہنیت تھی جو قائد کے اردگرد مسلط تھی اور قائد انہیں کھوٹے سکے کہنے کے باوجود غالباً "ملا اعلیٰ" کی ہدایات کے مطابق ساتھ لے کر چلنے پر مجبور تھے افسوس یہ ہے کہ 1936ء اور پھر 1943ء کی یہ ملاقاتیں بے سود رہیں- اور 1937ء میں جمعیتہ کے ساتھ معاہدہ ہو جانے کے باوجود مسلم لیگ نے ایفانہ کی ورنہ ملک کا نقشہ کچھ اور ہوتا- اور ستم تو یہ ہے کہ تقسیم ملک کے بعد مسلم لیگ کے تھڑ دلے لیڈروں اہل قلم اور پیشہ ور مقررین نے وہی طریق اپنائے رکھا اور اب تک اپنائے ہوئے ہیں جس کے نتیجہ میں مسلم لیگ کی کوکھ سے دسیوں جماعتیں جنم لے کر ملک کی تباہی کا باعث بن چکی ہیں- لیکن احرار و سرخ پوش اور خاکساری اب تک گردن زدنی ہیں کہ انہوں نے مبینہ طور پر تحریک پاکستان میں مسلم لیگ اور اس کے قائد کو اپنا پیشوا نہیں مانا تھا- ان عقل کے اندھوں کو کون سمجھائے کہ تقسیم ملک سے پہلے آپ کی ایک رائے تھی تو دوسروں کی بھی ایک رائے تھی- جس طرح ان کی رائے وحی پر مبنی نہ تھی آپ کی رائے بھی وحی پر مبنی نہ تھی- آپ کی رائے کامیاب ہو گئی تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ لوگ اسلام یا پاکستان کے غدار قرار پائے؟ بلکہ اگر دنیا میں انصاف کا کہیں وجود ہے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ تقسیم کے بعد اس ملک کی نظریاتی سرحدوں کو مضبوط کرنے اور اس میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے مخلصانہ سعی انہوں نے ہی کی جو تقسیم کے خلاف تھے اس لئے اب تقسیم ہو گئی تو اب اختلاف بے معنی ہے لیکن جو تقسیم کے علمبردار تھے انہوں نے اس کی نظریاتی سرحدوں پر ایسا تیشہ چلایا کہ توبہ بھلی-

تقسیم کے بعد پہلی اسمبلی میں ملک کے دستور کی بنیاد ہی سیکولرازم پر رکھی گئی [۱] اور مرزائی ہندو اور عیسائی عمائدین کو کلیدی عہدے دے کر الٰہی قوانین کی کھلم کھلا خلاف ورزی کی گئی- اسلام تو رہ

---

[۱] رسمی طور پر جب پاکستان نقشہ عالم پر نمودار ہو گیا تو بانی پاکستان نے 11 اگست 1947ء کو دستور ساز اسمبلی میں جو تقریر کی وہ 1953ء کی تحریک ختم نبوت کے سلسلے میں مرتب ہونے والی منیر رپورٹ کے صفحہ 210 تا 216 پر موجود ہے- اس میں بانی پاکستان نے کہا!

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

گیاایک طرف برطانوی جمہوریت تک کااس ملک میں انہیں تقدس مآبوں نے گلا گھونٹا جو اس کے سب سے بڑے پرچارک تھے اور جب ان کی پیہم غلطیوں کے نتیجہ میں 58ء کا مارشل لاء لگا تو ان کی اکثریت فوجی حکمران کے چرنوں میں نظر آنے لگی اس کے جانشین کے طور پر دوسرا فوجی آیا تو یہ حضرات اس کی چوکھٹ پر کورنش بجاتے ہوئے دیکھے گئے حتیٰ کہ "قائد عوام" کے یمین ویسار اسی قافلہ کے اکثر لوگ تھے اور اب جو حالت ہے وہ بھی واضح ہے کہ قومی اتحاد میں شامل ہونے کے باوصف اپنے طور پر مسلم لیگ نے ضیا صاحب سے وزارتیں حاصل کرلیں اور پھر جو فیڈرل کونسل (مجلس شوریٰ) بنی تو اس میں بھی اسی قافلہ کے گم کردہ راہ رفقا پیش پیش---- حقیقت یہ ہے کہ پاکستان ہی نہیں برعظیم میں مسلم کاز کی تباہی اور ملت اسلامیہ کی بربادی کی تاریخ میں اس طبقہ کا کردار شرمناک ہے---- ہمارا یہ موضوع نہیں ورنہ

بقیہ حاشیہ سابقہ صفحہ

میں اس معاملے پر انتہائی زور دینا چاہتا ہوں کہ ہمیں اس طرح میں کام شروع کر دینا چاہیے۔ کچھ مدت میں اکثریت اور اقلیت اور تہہ موضوع اور مسلم قوم کی یہ تمام بدنمائیاں غائب ہو جائیں گی۔ اگر مجھ سے پوچھو تو میں یہ کہوں گا کہ یہ چیز ہندوستان کی آزادی و خود مختاری کے حصول میں سب سے بڑی رکاوٹ رہی ہے اگر یہ بات نہ ہوتی تو ہم مدتوں پہلے آزاد ہو چکے ہوتے۔ (اور جب یہ بات احرار و جمعیتہ اور دوسری جماعتوں نے کہی تو وہ گردن زدنی---- ناقل)

----- ہم تمام شہری ہیں اور ایک مملکت کے مساوی شہری ہیں---- میرے نزدیک اب ہمیں اسی نصب العین کو پیش نظر رکھنا چاہیے پھر تم دیکھو گے کہ کچھ زمانہ گزرنے کے بعد نہ ہندو ہندو رہیں گے۔ نہ مسلمان مسلمان رہیں گے مذہبی معنوں میں نہیں کیونکہ وہ تو ہر فرد کا ذاتی عقیدہ ہے بلکہ سیاسی معنوں میں سب ایک مملکت کے شہری ہوں گے--- (پرویز اینڈ کو بتلائیں کہ اگر احرار و جمعیتہ کے علماء مجرم تھے کہ وہ آزادی کیلئے سب کا اجتماع دیکھنا پسند کرتے تھے اور بانی پاکستان و صاحبان لیگ کو کیا نام دیا جائے گا؟---- ناقد)

یہ رپورٹ مرتب کرنے والے فاضل جج اپنے تبصرہ میں فرماتے ہیں!

کہا جاتا ہے کہ قائداعظم نے ایک عرصہ سے قومی مملکت کا جو تصور پیش کیا تھا وہ 23 مارچ 1940ء کو قرارداد پاکستان منظور ہو جانے کے بعد متروک ہو گیا۔ لیکن یہ بھی کھلم کھلا تسلیم کیا جاتا ہے کہ یہ قرارداد اگرچہ الفاظ و فقرات کے اعتبار سے بہت بلند بانگ معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت میں مضمر دھوکہ ہے اور اس میں نہ صرف مملکت اسلامی کا ہیولیٰ تک شامل نہیں بلکہ اس کی دفعات خصوصاً جو بنیادی حقوق سے متعلق ہیں واضح طور پر مملکت اسلامی کے اصولوں کے منافی ہیں" (منیر رپورٹ ص 217)

اس پر ہمیں کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں---- خداوندان لیگ اور ان کے حاشیہ نشین ہی تبصرہ فرمائیں۔ (علوی)

ہم کسی قدر تفصیل سے اس پر قلم اٹھاتے اور بتلاتے کہ جو ہم کہہ رہے ہیں وہ محض جماعتی اختلافات کا شاخسانہ نہیں امرواقعہ ہے۔ضیاء مرحوم کے بعد کا نقشہ بھی ویسا ہی ہے بلکہ بد سے بدتر۔ [1]

تحریک مدح صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم

یو۔پی کا مشہور شہر لکھنؤ جہاں تہذیب و ثقافت میں اپنا تشخص رکھتا ہے وہاں شیعی اثرات بھی اس میں بہت زیادہ ہیں۔امام اہلسنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ قدس سرہ ان مردان باصفا میں سے تھے۔ جنہوں نے لکھنؤ کی سرزمین پر رہ کر شیعی اثرات کے استیصال اور ذکر صحابہؓ سے محافل میں گرمی پیدا کی..... حکومتیں اکثر و بیشتر اسی طرح کے حالات پیدا کر دیتی ہیں کہ مخلوق خدا اپنے حقوق کے لئے سر بکف میدان میں نکلنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔یو۔پی کی حکومت نے 1936ء میں ایسی ہی حماقت کی اور ایک قانون کے ذریعہ مدح صحابہؓ پر پابندی لگادی۔بالخصوص حضرات شیخین کریمین سیدنا ابوبکر صدیق اکبرؓ، سیدنا عمر فاروق اعظمؓ اور حضرت الامیر، امام صدق و عدل حضرت معاویہ بن ابی سفیان الاموی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا نام تک لینا ممنوع قرار پایا۔حضرت امیر شریعت قدس سرہ وہاں پہنچے حالات کا علم ہوا تو انہوں نے اسی موضوع پر تقریر کر ڈالی اور حکومت کے اس لاء یعنی قانون کو آڑے ہاتھوں لیا---واپس آپ لاہور تشریف لائے تو اس قانون کی تنسیخ اور اہلسنت والجماعت کے حقوق کی بازیابی کے لئے احباب سے مشورہ کر کے تحریک چلانے کا فیصلہ کیا۔نگاہ انتخاب اپنے اسی عزیز ساتھی پر پڑی جس کا نام محمد علی جالندھری تھا انہیں ذمہ داری سونپی گئی کہ یو۔پی کے علماء سے رابطہ کریں وہ سیدھے دیوبند تشریف لے گئے وہاں سے کچھ علماء کی معیت میں میرٹھ پہنچے ہر مقام پر جلسوں کا انعقاد ہوا حتیٰ کہ آپ مولانا عبدالشکور لکھنوی سمیت 25، 30 علماء کو لے کر لاہور آگئے اور رپورٹ پیش کی۔

جس کے بعد تحریک کا فیصلہ ہو گیا اور مجلس احرار کی یو۔پی شاخ کو کیمپ لگانے اور رضاکار بھرتی کرنے کا حکم دے دیا گیا۔چنانچہ سہارنپور، مراد آباد، امروہہ، لکھنؤ، الہ آباد، بجنور، شیر کوٹ، نجیب آباد، کرت پور، دھام پور، تاج پور، بریلی، کانپور اور فرخ آباد وغیرہ میں مجلس نے رضاکاروں کی بھرتی شروع کر دی۔نوابزادہ محمود علی خان ممبر پارلیمنٹ و سالار جیوش احرار اسلام یو۔پی نے ہنگامی اختیارات کی کمیٹی قائم کر دی۔مجلس کا کمال یہ تھا کہ اس نے مولانا مظہر علی اظہر کو پہلا ڈکٹیٹر مقرر کر دیا۔موصوف نے شیعہ مسلک رکھنے کے باوجود جس جرات و مردانگی سے تحریک کا کام آگے بڑھایا اور لکھنؤ میں اپنی تقریروں سے آگ لگائی وہ انہی کا حصہ تھا۔مولانا مظہر علی اظہر نے مختلف مواقع پر انتہائی جرات مندانہ کردار ادا کیا حتیٰ کہ 1953ء کی تحریک ختم نبوت کے سلسلہ میں مسٹر منیر اور مسٹر کیانی پر مشتمل جو انکوائری کورٹ قائم

---

[1] جس دور میں یہ تحریر لکھی گئی اس کو سامنے رکھ کر پڑھا جائے (علوی)

کی گئی اس میں آپ نے ایسی دلیری اور بہادری کا مظاہرہ کیا کہ ملک کی فضامیں ارتعاش پیدا ہو گیا۔ تقسیم ملک سے قبل قائد لیگ کی شادی کا مسئلہ اکثر زیر بحث رہتا۔

منیر نے اپنی روایتی عادت کے مطابق اس مسئلہ کو چھیڑنا چاہا مولانا مظہر علی نے ہر چند ٹالا کہ اس کا موجودہ تحریک سے کوئی تعلق نہیں لیکن وہ نہ مانا آخر مولوی صاحب نے اس واقعہ کو جو دہرایا تو عدالت میں سناٹا طاری ہو گیا منیر نے چندے بعد جب یہ کہا کہ "مولانا ایسی باتوں پر لوگ قتل ہو جاتے ہیں" تو مولوی صاحب نے اس برجستگی سے جواب دیا "کہ اب میرے قتل کی ذمہ داری عدالت مجاز پر ہو گی" اس پر منیر دم بخود رہ گیا اور وہ کافی دیر بول نہ سکا۔ قائد لیگ کی ہمشیرہ مس فاطمہ جناح نے منیر کی اس حرکت پر سخت احتجاج کیا لیکن اب کیا بنتا تھا۔ جو ہونا تھا ہو چکا۔ لیگی حلقوں میں اس پر شور مچا لیکن بے فائدہ کیونکہ اس میں قصور مولانا کا نہ تھا۔ بلکہ سراسر مجرم منیر تھا کہ اس نے بلاوجہ یہ قصہ چھیڑ کر ایک شریف اور غیرت مند انسان کو للکارا مولانا کی جرأت کو سارے ملک نے سراہا حتیٰ کہ قطب دوراں حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ مولانا کی جرأت کو سلام کہنے ان کے مکان پر تشریف لے گئے موصوف نے اپنی نماز جنازہ کیلئے حضرت الامام مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہ کے جانشین و فرزند مولانا عبیداللہ انور کو وصیت کی اور مولانا نے جنازہ پڑھایا۔ مظہر علی اظہر واقعی عظیم آدمی تھے۔ شیعہ برادری لکھنؤ میں ان کی تقریروں کی تاب نہ لا سکی۔ ان کو اس مشن سے روکنے کے لئے دسیوں دام بچھائے گئے۔ لیکن وہ فریب سے صاف صاف بچ نکلے۔ مجلس احرار اسلام کے قابل احترام قائدین جہاں ان کے پشت پناہ اور تحریک کے پوری طرح ذمہ دار تھے وہاں شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہ اور مولانا عبدالشکور لکھنوی جیسے حضرات کی عملی ہمدردیاں ساتھ تھیں ان حالات کا مقابلہ یو۔پی حکومت کے لئے مشکل ٹھہرا جمیعت علماء ہند کے ذریعہ گفتگو ہوئی حکومت نے گھٹنے ٹیک دیئے اور اپنا قانون واپس لے لیا۔ مولانا مظہر علی اظہر کی کتاب "تحریک مدح صحابہؓ" اس سلسلہ کے تمام حالات کی نشاندہی کرتی ہے۔ "من شاء فلیراجع"۔ نیز مفکر احرار چودھری افضل حق مرحوم کی کتاب تاریخ احرار کا باب پنجم بعنوان "تحریک مدح صحابہؓ" اس سلسلہ میں لائق مطالعہ ہے۔

اس ضمن میں حضرت مدنی قدس سرہ کا ایک بیان بھی پیش خدمت ہے۔ جو آپ نے "الجمیعتہ دھلی" کے ایڈیٹر مولوی محی الدین صاحب قائدبی اے کی درخواست پر جاری کیا۔

اسلامی امت میں سب سے زیادہ مقدس اور شریف وہ طبقہ ہے جس کی مدح سرائی بیانگ دہل اور علی روس الاشہاد پروردگار عالم نے تمام عالم میں نشر فرمادی اور اپنی رضوان اور خوشنودی کا تحفہ میدان حدیبیہ میں عطا فرما کر (لعل اللہ اطلع علا اہل بدر فقال اعملوا ماشئتم فقد غفرت لکم) کی مبارک خطاب پر رجسٹری کر دی۔ اگر علم حبب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفرو

الفسوق العصیان' ان کے اخلاص للّٰہیت کا شہرہ پھیلا رہا ہے تو جلوس والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم تراھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا سیماھم فی وجوھھم من اثر نے امت محمدیہ سے ہزارہا برس پہلے کی سڑکوں اور شاہراہوں کو زینت دینے والا نظر آ رہا ہے۔ جس جماعت کی مدح و ثناء اس طرح خود اللہ تعالیٰ نے قرآان وانجیل تورات وغیرہ میں فرمائی ہو اور جن کی عدالت اور پاکدامنی پر انبیاء اور رسل امم سابقہ اور حضرت سلطان الانبیاء والمرسلین علیہ و علیہم الشان شعبہ اور اسلام کیلئے برترین ذریعہ نہ سمجھے گا۔ اگر ہم کتب حدیث کی ورق گردانی کرتے ہیں یا کتب تفاسیر پر نظر سطحی ڈالتے ہیں تو ہم کو خصوصی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ ؓ کرام کی محبت اور مدح سرائی دین محمدی ﷺ میں نہایت ضروری ہے۔ بس ایسے مقدس نفوس کی حسب قوانین شرعیہ مدح سرائی سے روکنا یقیناً "مداخلت فی الدین ہے۔

کسی حکومت کو کسی وقت میں اس سے روکنے کا حق نہیں ہے بالخصوص جبکہ اس کے بنیادی اصولوں میں اس کی تصریح موجود ہو کہ وہ ہندوستان کی بسنے والی اقوام کے کسی مذہبی امر میں کبھی بھی کوئی مداخلت اور رکاوٹ نہ کرے گی۔

بنا بر ایں جملہ مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ حکومت کے ایسے خاورانہ احکام اور غیر مصلحت اندیشانہ قوانین کو منسوخ کرانے کی ہر قسم کی جدوجہد کرنے میں کوتاہی نہ کریں اور گورنمنٹ کو مطلع کر دیں کہ اس قسم کے جابرانہ احکام کسی طرح بھی قابل اجراء نہیں ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ خود بھی اس میں حصہ لیں اور دوسرے حصہ لینے والوں کی ہر قسم کی امداد و ہمدردی میں کمی نہ کریں جو نوجوان اور عالی ہمت حضرات اخلاص اور للّٰہیت کے ساتھ اس میں کام کرتے ہوئے طرح طرح کے مصائب اور تکالیف برداشت کر رہے ہیں ان کی ہر قسم کی ہمت افزائی کریں۔ میں خصوصی طور پر ایسے قربانی دینے والے حضرات کیلئے دعا کرتا ہوں' اللہ تعالیٰ ان کو دو جہان میں سرخرو فرمائے اور اپنے فضل و کرم سے ان کی مرادیں پوری فرمائے۔ ("جمعیتہ علماء ہند" جلد دوم صفحہ 651 اور صفحہ 698 پر)

(ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ' 25 جمادی الاول 1355ھ)

تحریک صحابہ ؓ کے ضمن میں اکابرین جمعیتہ علماء ہند نے ان بلانوشان محبت کو جو خراج تحسین پیش کیا ہے اس کا ذکر موجود ہے۔ (مطبوعہ اسلام آباد 1981ء قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت)

انگریز کے خلاف تحریک سول نافرمانی

1939ء اور اس کے بعد حالات برّ عظیم پاک و ہند کی سیاست میں بڑے پیچیدہ تھے جرمنی' اٹلی' اور جاپان وغیرہ نے برطانیہ عظمی سے لڑائی کا آغاز کر دیا تھا۔ برطانوی حکومت سخت کشمکش اور اضطراب کا شکار

تھی۔اندرونی طور پر بغاوت کے آثار تھے ستم رسیدہ ہندوستانی موقع و محل کی تلاش میں تھے کہ اچانک سرکار برطانیہ نے کانگریس اور مسلم لیگ کے نمائندوں کو بلا کر یہ وعدہ کیا کہ ہندوستانی اس جنگ میں بھرپور طریق سے ہمارا ساتھ دیں کامیابی ہو گئی تو ہندوستانیوں کو ان کی قسمت کا مالک بنادیا جائے گا۔مسلم لیگ سے انگریز کی مخالفت کا تصور ہی مشکل تھا اس نے ایک دم حامی بھرلی اور لیگی وڈیروں نے اپنا تمام اثر و رسوخ استعمال کر کے لوگوں کو ایک بار پھر انگریزی فوج میں جھونکنا شروع کر دیا۔بد قسمتی یہ ہوئی کہ کانگریس کوئی واضح فیصلہ نہ کر سکی گومگو کی پالیسی نے اسے جکڑ لیا اس کا فارورڈ بلاک جس کی قیادت سبھاش کر رہے تھے۔وہ مصالحت کے حق میں تھا لیکن احرار کے بیدار مغز قائدین اور بہادر و جری کارکنوں نے انگریزی سطوت پر ضرب کاری لگانے کا فیصلہ کر لیا۔کیونکہ اس دشمن انسانیت، ننگ انسانیت حکمران ٹولے پر ضرب لگانے کا اس سے اچھا موقعہ نہ تھا انگریز کی عادت مستمرہ تھی کہ جب اس پر افتاد پڑتی اور نازک حالات کا شکار ہوتا تو ہندوستانیوں کو وعدے وعید کر کے مطمئن کرتا اور جب مشکل حالات سے نکل جاتا تو پھر وہی ڈھاک کے تین پات بلکہ پہلے سے زیادہ ظلم اور زیادتی شروع کر دیتا۔یہی وجہ تھی کہ احرار نے اس وعدہ فردا کو ماننے سے انکار کر کے دہلی سے سول نافرمانی کا فیصلہ کر لیا۔شیخ حسام الدین مرحوم پہلے ڈکٹیٹر مقرر ہوئے۔قائدین احرار ملک بھر میں پھیل گئے۔لوگوں کو منظم کیا۔اپنی شعلہ نوائی سے فوجی بھرتی کے خلاف ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا۔نتیجہ یہ نکلا کہ انگریز بہادر نے شیخ صاحب سمیت متعدد احرار رہنماؤں کو گرفتار کر لیا ان گرفتار شدگان میں مولانا محمد علی بھی تھے۔

سول نافرمانی کی اس تحریک نے انگریز راج کی بنیادیں ہلادیں۔مسجد شہید گنج کے معاملہ پر احرار کو زک پہنچانے کی جو کوشش کی گئی اس کے سبب احرار نڈھال اور دکھی تو تھے ہی لیکن احرار نے جو کیا تھا وہ صرف لوجہ اللہ کیا تھا اسے اپنی کارکردگی پر ندامت نہ تھی اس لئے وہ کمال درجہ حوصلہ مندی کے ساتھ میدان میں کودے اور ایسے کہ انگریز محسوس کرنے لگا کہ زیادہ دیر اس ملک کو غلام نہیں رکھا جا سکتا۔ تحریک کی شدت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ صرف دہلی سے سینکڑوں رضا کار گرفتار ہوئے۔ جرمنی ریڈیو رات ساڑھے نو بجے کے بلیٹن میں مجلس احرار کے حوالہ سے اس تحریک کی خبریں نشر کرتا جسے اتنی ہی توجہ سے سنا جاتا جتنی توجہ آج کل بی بی سی کی طرف ہوتی ہے۔حالانکہ بی بی سی پروپیگنڈا کے انداز میں خبریں اور تبصرے نشر کرتا اور مسلمانوں کی تباہی کے سامان فراہم کرتا ہے۔ڈکٹیٹر اول شیخ حسام الدین کی گرفتاری کی وجہ سے دہلی میں اس قدر کشیدگی پیدا ہو گئی کہ سرکاری عمارات کے تحفظ کیلئے فوج کا اہتمام کرنا پڑا۔ قافلہ احرار کے سرخیل و جرنیل حضرت امیر شریعت قدس سرہ کی تقریروں نے ایک ایک صوبہ میں وہ حالت پیدا کر دی کہ 38 ہزار احرار رضاکاروں کے علاوہ پونے دو لاکھ کے قریب مسلمان ہندو سکھ جیل پہنچ گئے۔شاہ جی نے انگریز کی پوری مشینری کو ایک وقت تک پریشان کئے رکھا۔مولانا محمد

علی بھی ان رہنماؤں میں شامل تھے جنہیں گرفتار کیا گیا تھا۔ دوسرے قائدین کی طرح آپ پر بھی مقدمہ چلا مجلس نے عدالتی کارروائی کا بائیکاٹ کیا اور صرف اس مختصر بیان پر اکتفا کیا۔
کہ مجھے اس حکومت سے انصاف کی توقع نہیں ہے۔ (روداد مجلس سال 1991ء ص9)

مولانا مجرم قرار پائے سزا ہو گئی جالندھر جیل کے بعد زیادہ وقت امرتسر گزرا اس جیل کے دوران مولانا مرحوم کو بڑے صبر آزما اور کٹھن حالات سے دوچار ہونا پڑا جس کی تفصیل مجلس کے ایک ناظم اعلیٰ مولانا محمد شریف مرحوم جالندھری نے یوں تحریر کی ہے۔

"جیل میں آپ کے برادر خورد میاں احمد علی کی وفات حسرت آیات کی خبر پہنچی تب مولانا مع اہل و عیال چک نمبر 195 باڑہ تحصیل صادق آباد ضلع رحیم یار خان میں ریاستی حکومت سے اراضی خرید کر رہائش اختیار کر چکے تھے۔ والد مرحوم جناب حاجی محمد ابراہیم تاحال بقید حیات تھے۔ میاں احمد علی نے بہت اولاد چھوڑی۔ والد پیرانہ سالی میں بہت کمزور ہو چکے تھے۔ مولانا آٹھ دن کے لئے پیرول پر رہا ہوئے۔ ولہار اسٹیشن سے اتر کر چک نمبر 195 پیدل جا رہے تھے۔ راستہ میں گاؤں کا ایک آدمی بغل گیر ہو کر رونے لگ گیا۔ مولانا بھی آبدیدہ تھے۔ اس نے کہا کہ آپ ایک بھائی کی وفات کا سن کر آئے ہیں۔ ادھر آپ کے دوسرے بھائی میاں محمد اسماعیل بھی فوت ہو چکے ہیں۔ مولانا نے اپنے دونوں چھوٹے بھائیوں کی قبروں پر حاضری دی۔ بوڑھے باپ کی خدمت میں حاضری دی۔ باپ نے صبر و استقامت کے لئے دعا کی۔ اسی شب والد صاحب بھی راہی ملک بقا ہوئے۔ مولانا نے جنازہ پڑھا اور واپس امرتسر جیل جانے کی تیاری شروع کر دی۔ اس طرح آپ اپنے گھر میں بیوہ بھاوجوں اور یتیم و خورد سال برادر زادیوں کو چھوڑ کر دوبارہ جیل میں پہنچ گئے۔ مولانا مرحوم چار بھائی تھے۔ ستم ظریفی ملاحظہ فرمایئے۔ کہ چوتھے بھائی جو سب میں بڑے تھے۔ حاجی محمد عبداللہ صاحب وہ 1956ء میں اس وقت فوت ہوئے جب کہ مولانا حکومت پاکستان کے حکم سے ملتان میں چھ ماہ کی نظربندی کے ایام پورے کر رہے تھے۔

مولانا کی رہائی

مولانا مرحوم کی سزا پوری ہونے میں تین ماہ باقی تھے معدہ سخت بگڑ گیا کیونکہ جو غذا ملتی تھی وہ سخت ناقص تھی جیل کے ڈاکٹروں کا علاج ہوا مگر افاقہ نہ ہوا۔ ادھر یہ ہوا کہ اس وقت امرتسر جیل ہاؤس فل کا منظر پیش کر رہی تھی۔ ابتداء میں محض مجلس احرار کے کارکنوں کی بھیڑ تھی اب جو کانگریس اس میدان میں کودی اور اس نے "ہندوستان چھوڑ دو" کی تحریک چلائی تو معاملہ سوا ہو گیا۔ مولانا ابوالکلام آزاد صدر کانگریس تھے ان کے علاوہ گاندھی جی' جواہر لعل نہرو' جے پرکاش نرائن' اور متعدد دوسرے لوگ قیادت کر رہے تھے۔ سوشلسٹ رہنما بھی ساتھ تھے۔ ہندوستان بھر میں ہڑتالیں ہونے لگیں۔ ریلوے لائنیں انقلابیوں نے اکھاڑ دیں۔ بمبئی اور کلکتہ کی بندرگاہوں میں کام بند ہو گیا اس تحریک نے مجلس

احرار اسلام کی تحریک کو گویا تائید کردی۔ برطانوی حکومت کو جان کے لالے پڑ گئے مزید کارکن اور رہنما امرتسر جیل بھی پہنچے۔ جن میں مولانا کے خاصے شناسا لوگ تھے ان انقلابیوں کی رفاقت مزید حالات و معلومات میں اضافہ کا سبب بنی۔ لیکن مولانا کی صحت مسلسل بگڑتی گئی۔ جیل کے طبی عملہ کے علاوہ شہر امرتسر کے اطبا اور ڈاکٹر جیل بلائے گئے جب صحت کسی طرح بحال نہ ہوئی تو حکومت نے مجبور ہو کر جنوری 1943ء میں مولانا کو رہا کردیا۔ جیل سے رہائی کے بعد مولانا لاہور تشریف لائے۔ مفکر احرار چودھری افضل حق مرحوم جیسے بے نفس قائد و سالار اور مولانا کے محسن و مربی 1942ء میں انتقال کر چکے تھے۔ ان کا جنازہ دفتر احرار بیرون دہلی دروازہ لاہور سے اٹھا تھا اور قبرستان میانی صاحب میں وہ سپرد خاک ہوئے تھے۔ مولانا مرحوم نے ان کے اعزہ سے تعزیت کی۔ اپنے مرحوم قائد کے مزار پر حاضری دی اور پھر سیدھے رحیم یار خان تشریف لے گئے کیونکہ بھائیوں اور والد مرحوم کی وفات کے سبب گھریلو حالات اچھے خاصے الجھ چکے تھے۔ آپ رحیم یار خان پہنچے اور الحمد للہ جلد ہی گھریلو نظم و نسق درست فرمالیا کہ اس معاملہ میں قدرت نے آپ کو ید طولیٰ عطا فرمایا تھا۔

حضرت رائے پوری قدس سرہ سے تعلق

حضرت قطب الاقطاب مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ تعالیٰ ڈھڈیاں ضلع سرگودھا کے رہنے والے تھے۔ آپ نے اپنا تعلیمی وقت جس طرح گزارا آج کے عیش کوش طلبہ اس کا تصور بھی نہیں کرسکتے۔ حضرت والا کے خادم و عقیدت کیش اور عالم اسلام کے نامور مصنف و مفکر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی زید مجدھم نے آپ کی جو سوانح حیات لکھی (مطبوعہ لاہور مکتبہ رشیدیہ) وہ لائق مطالعہ ہے۔ تعلیم کے بعد تزکیہ و احسان کی منزل سر کرنے کا وقت آیا تو مخدومنا المحترم حضرت الامام الشاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہ العزیز کے آستانہ پر پہنچے اور پھر وہیں کے ہو رہے' حضرت الشاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ تعالیٰ امام المعظم' فقیہ عصر قطب دوران حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کے فیض یافتہ ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے جمیع اکابر و اسلاف کی تحریک حریت کے انتہائی موثر لیکن خاموش قائد تھے۔ اس نسبت سے حضرت شیخنا العالم مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ سے آپ کا گہرا تعلق تھا اور تحریک آزادی کے ضمن میں دونوں حضرات ایک ہی سوچ کے مالک تھے۔ اس سلسلہ کے اہم ترین فیصلے رائے پور ضلع سہارنپور کی خانقاہ رحیمی کے اس مختصر سے حجرہ میں ہوتے جس میں اہل اللہ کے ذکر و فکر کے اثرات آج بھی محسوس ہوتے ہیں۔

حضرت شیخ الہند جب سفر حجاز کے لئے تشریف لے گئے تو یہاں تحریک کے جملہ امور کے نگران حضرت شاہ عبدالرحیم ہی تھے اسی شیخ وقت سے حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ تعالیٰ منسلک ہوئے اور پوری طرح ان کے رنگ میں رنگ گئے۔ شیخ گرامی کو بھی اپنے اس عزیز ترین اور ہونہار فرزند

روحانی سے بے پناہ پیار تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے انتقال کے بعد ان کی مسند کے وارث وہی قرار پائے۔
یو۔پی اور مشرقی پنجاب ایسے خطے تھے جن سے تعلق رکھنے والے ارباب عزیمت اور فدایان حریت کی بڑی تعداد اسی خانقاہ سے وابستہ تھی۔ حضرت امیر شریعت، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی جیسے قائدین احرار اسی چشمہ صافی کے جرعہ نوش تھے۔ مولانا جالندھری اپنی پہلی قید سے رہائی کے بعد اور گھریلو معاملات سے فارغ ہو کر جالندھر آئے تو اتفاق سے حضرت رائے پوری کا اس علاقہ کا سفر ہوا اور آپ حضرت اقدس سے بیعت ہو گئے۔ طبیعت میں سلامتی پہلے سے تھی فطرت صحیحہ کی خوبیاں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ اولین اساتذہ حضرت مفتی فقیر اللہ اور مولانا خیر محمد رحمہما اللہ تعالیٰ صاحب علم و معرفت بزرگ تھے بلکہ ثانی الذکر تو حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ارشد خلفاء میں سے تھے ان حضرات کی محبت اور پھر بعد میں دارالعلوم دیوبند کے قیام کے دوران صلاح و تقویٰ کے قریب قریب تمام مراحل طے کر ہی لئے تھے۔ اب مرشد گرامی سے باقاعدہ تعلق ہو گیا اور آپ بقول نواب صدیق حسن مرحوم "باون گزے طبقہ" میں شریک ہو گئے۔ حضرت رائے پوری کی مجلس میں شریک ہونے والے حضرات واقف ہوں گے کہ آپ کو مولانا محمد علی جیسے علماء سے کتنا پیار تھا۔ حضرت امیر شریعت، مولانا لدھیانوی، مولانا محمد حیات فاتح کادیاں، مولانا جالندھری، اور مولانا لال حسین اختر قدس سرھم جیسے حضرات تو دوہری محبتوں کا مورد تھے۔ آزادی کے لئے ان حضرات کی سرفروشانہ جدوجہد تو تھی ہی کادیانیت کے سلسلہ میں ان کی مخلصانہ مساعی نے ان حضرات کو حضرت رائے پوری کی محبتوں کا اور بھی مرکز بنا دیا تھا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی کتاب کے چند اقتباسات پیش کر دیئے جائیں جن سے حضرت رائے پوری کی شفقت و محبت اور تعلق خاطر کا اندازہ ہوتا ہے۔

نہ صرف مولانا محمد علی بلکہ پورے قافلہ احرار سے حضرت رائے پوری کو بے پناہ تعلق تھا۔ مولانا محمد علی جالندھری کے ایک خط بنام مولانا ابوالحسن علی ندوی سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا حبیب الرحمٰن ساہیوال جیل میں تھے لیکن ملاقات پر پابندی تھی حضرت کو اس کا سخت قلق تھا آخر کسی ذریعہ سے پنجاب کے وزیر جیل سے اجازت ملی شدید سردی کے باوجود حضرت ساہیوال تشریف لائے اور مولانا سے جیل میں ملاقات کی (سوانح حضرت رائے پوری صفحہ 293)

حضرت امیر شریعت کے متعلق بڑے بلند کلمات ارشاد فرماتے اور نہ صرف ان سے بلکہ ان کی وجہ سے ان کے خاندان سے بڑی محبت و شفقت کا اظہار فرماتے۔ ایک مرتبہ فرمایا "تم بخاری صاحب کو یوں ہی نہ سمجھو کہ صرف لیڈر ہی ہیں انہوں نے ابتداء میں بہت ذکر کیا ہے" اور فرمایا "اللہ تعالیٰ نے ان کو یقین تو ایسا نصیب فرمایا ہے کہ یدو شاید" یہاں یہاں حالات و کیفیات کیا چیز ہیں اصل تو یقین ہی ہے اللہ تعالیٰ جس کو عطاء فرمادے (روایت مولانا عبدالجلیل)

اور بقول مولانا محمد علی ایک مرتبہ شاہ جی کے لڑکوں کالڑ کر آیا تو فرمایا کہ میں تو ان کا نوکر ہوں (سوانح صفحہ 293)

مولانا محمد علی ایک مرتبہ صبح کے قریب فیصل آباد حاضر ہوئے، حضرت زمین کے فرش پر دھوپ پر تشریف فرما تھے۔ آگے ہو کر فرش پر بیٹھنے کا حکم دیا، میں تھوڑا آگے ہوا بالکل برابر بٹھا کر کمر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا "میرا چاند آیا" اور مولانا خود فرماتے کہ جب میری موجودگی میں حضرت کی خدمت میں دودھ پیش کیا جاتا تو فرماتے مولوی صاحب کو پلاؤ، میں پی کر کیا کروں گا، یہ تو کام کرتے ہیں، خدام اصرار کرتے اور عرض کرتے ان کو بھی پلائیں گے۔ پھر بھی پورا نہ پیتے بلکہ چھوڑ کر فرماتے مولوی صاحب کو پلاؤ اس طرح بارہا حضرت کا تبرک ملا، اور بقول حضرت مولانا محمد صاحب انوری رحمہ اللہ تعالیٰ۔

"آخر عمر میں تو اس طرف بہت توجہ ہو گئی مولانا محمد حیات کو بلا کر مباحث سنتے مولانا لال حسین اختر کو بلا بھیجتے، مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کی کتاب شہادت القرآن کے بڑے قدردان تھے اور ان کی دوبارہ اشاعت کے متمنی، جب وہ چھپ گئی تو بہت خوش ہوئے۔ ادھر ادھر کے مسائل میں علماء کا الجھنا گوارا تھا۔ حضرت رد مرزائیت کو اہم کام قرار دیتے۔" (سوانح صفحہ 296)

بقول سوانح نگار" 1953ء کی تحریک میں مولانا تو حضرت کے حکم سے جیل گئے تو مولانا لال حسین کے متعلق فرمایا کہ ان کی اس سلسلہ میں سعی ہی ان کا وظیفہ اور سلوک ہے۔ 1953ء کی تحریک کی طرف بہت توجہ تھی ہر وقت اس طرف دھیان رہتا۔ اس دوران آپ ڈھڈیاں تھے۔ ایک عالم بغرض ملاقات گئے حضرت نے بڑی خوشی کا اظہار فرمایا کہ تحریک کے حالات سے آگاہ کریں گے۔ انہیں دلچسپی نہ تھی اس لئے حضرت بہت پژمردہ ہوئے۔ بھائی افضل صاحب سلطان فونڈری کو ایک دن علی الصباح موٹر لانے کا فرمایا اور تنہا مولانا مظہر علی اظہر کے مکان پر تشریف لے گئے جو انکوائری کمیشن کے سامنے مجلس کے وکیل تھے ان سے تنہائی میں دیر تک گفتگو فرمائی (سوانح صفحہ 297)۔

اور بقول مولانا سید ابوالحسن علی ندوی حضرت کے احساس کا یہ عالم تھا کہ جنوری 1958ء میں حکومت پنجاب کے زیر اہتمام لاہور میں اسلامی کلوکیم ہوا جس میں مشرق و سطیٰ کے متعدد اکابر علماء تشریف لائے قادیانیت سے متعلق جدید انداز کی عربی کتاب نہ تھی جس کی شدت سے ضرورت محسوس ہوئی۔ مولانا بھی لاہور تھے حضرت نے حکم دیا اور مولانا محمد حیات وغیرہ حضرات کے ذریعہ تمام مواد فراہم کرایا۔ مولانا کو اس کتاب کی ترتیب پہاڑ نظر آئی لیکن حضرت کی توجہ سے دنوں میں کام ہو گیا اور ایک موثر ترین کتاب کی تیاری ہو گئی۔ جس کا ترجمہ اردو بھی خود مولانا نے حضرت ہی کی توجہ سے کیا۔ (تفصیل سوانح میں صفحہ 298 سے صفحہ 302 تک میں ملاحظہ فرمائیں)۔

مجلس احرار اور قرارداد حکومت الٰہیہ

مجلس احرار اسلام کی تاریخ میں جو کارنامے آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں ان میں ایک کارنامہ حکومت الہیہ کی قرارداد ہے جو مجلس کے اجلاس سہارنپور میں 26 اپریل 1943ء میں منظور ہوئی۔ یہ تو آپ معلوم کر چکے ہیں کہ سول نافرمانی کی تحریک میں ہزاروں کارکن جیل گئے جن میں اولیت کا سہرا مجلس احرار کے کارکنوں کے سر تھا۔ برطانوی حکومت کو انتظامات میں سخت مشکل پیش آ رہی تھی اور ان لوگوں کے جیل میں رہنے کے سبب فضا بدستور کشیدہ تھی۔ اس لئے اس نے قائدین اور کارکنوں کو بتدریج رہا کرنا شروع کر دیا۔ ملکی حالات میں تغیرات کی کیفیات نمایاں ہو رہی تھیں کہ یکایک فوجی بھرتی میں سرکار برطانیہ کی حمایت کرنے والی جماعت مسلم لیگ نے 23 مارچ 1940ء کو لاہور کے منٹو پارک میں قرارداد پاکستان منظور کر کے ایک نیا رخ اختیار کر لیا۔ کانگریس متحدہ ہندوستان کی علمبردار تھی اور وہ اس سے سرمو انحراف کو اپنی سیاسی موت تصور کرتی تھی جمعیتہ علماء ہند نے بھی اپنے اجلاس سہارنپور 1943ء میں متحدہ ہندوستان کا نعرہ لگایا لیکن کنفیڈریشن کی شکل میں حکومت کا ایک ایسا تصور پیش کیا جس میں مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کے حقوق سلامت رہیں۔ سنٹرل اسمبلی میں مسلمانوں اور ہندوؤں کی 45، 45 فیصد نشستوں اور باقی اقلیتوں کے لئے 10 فیصد سیٹوں کی قرارداد منظور کی۔ مولانا آزاد کی وساطت سے کانگریس نے اس فارمولے کو تسلیم کر لیا لیکن مسلم لیگ کے خان بہادر اس بات سے ڈر گئے کہ ہندو اپنی شاطرانہ سیاست کے سبب 10 فیصد اقلیتوں کے ساتھ مل کر اکثریت بنا لے گا۔ بقول مولانا آزاد "وہ شاطرانہ سیاست کی بناء پر 10 فیصد اقلیتوں کو اپنے ساتھ ملا سکتا ہے تو اسلام کے نام لیوا اسلامی اخلاق و کردار کی بنیاد پر انہیں کیوں نہ ساتھ ملا سکتے تھے۔ جبکہ اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ ہی اسلام نے کیا تھا"۔ بہرحال قدرت کے تکوینی امور میں کون مداخلت کر سکتا ہے۔ جو ہونا تھا سو ہوا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی اس مملکت کی حفاظت فرمائے-----

بات ہو رہی تھی حکومت الہیہ کی قرارداد کی، جب سیاست کا یہ رخ بنا تو مجلس نے سہارنپور کے کیلاسپور ہاؤس میں عاملہ کے اجلاس میں یہ قرارداد منظور کی، اس اجلاس میں حضرت امیر شریعت، مولانا عبدالقیوم پوپلزئی (مسجد قاسم علی خان پشاور) مولانا عزیز الرحمٰن جامی، سید آل نبی، مولانا عبدالرحمٰن میانوی، حافظ علی بہادر بمبئی، نوابزادہ محمود علی خان آف کیلاش پور، قاضی غلام حسن، شیخ محمد اکرم سالار صوبہ یو۔پی، سردار محمد شفیع سالار اعظم، نوابزادہ نصراللہ خان، سید عبدالرحمٰن رضوی، علامہ انور صابری، قاضی احسان احمد شجاع آبادی، مولانا غلام غوث ہزاروی، مولانا مظہر علی اظہر وغیرہ اکابر شریک ہوئے۔

(مسودہ قلمی بلال زبیری مرحوم)

اس قرارداد کی توثیق کھلے جلسہ میں ہوئی اور یہ مجلس احرار اسلام کا منشور قرار پائی۔ اس اجلاس میں

جو قراردادیں منظور ہوئیں ان میں ایک قرارداد میں جیل میں مولانا محمد علی پر تشدد کی مذمت کی گئی۔" (یہ قصہ ستمبر1941ء کا ہے)

جالندھر سے ملتان تک

اس بات کا پہلے اشارہ ہو چکا ہے کہ مولانا کے خاندان نے تحصیل صادق آباد ضلع رحیم یار خان کے علاقہ میں زمینیں خریدی تھیں۔ اس لئے اب مولانا کو بھی ادھر کا رخ کرنا پڑا۔ 1941ء میں ملتان کی مجلس احرار نے ایک کانفرنس کا اعلان کیا۔ اس کانفرنس میں مولانا گل شیر شہید، حافظ علی بہادر، مولانا محمد علی اور صاحبزادہ سید فیض الحسن اور دیگر اکابر مدعو تھے۔ اس کانفرنس کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اس میں اکثر قائدین احرار کے روحانی مربی و سرپرست حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ شریک ہو رہے تھے کانفرنس ایسے ضلع میں ہو رہی تھی جس پر انگریز کے حاشیہ نشینوں گیلانی، قریشی حضرات کا قبضہ تھا۔ سیاسی اور مالی طور پر یہ لوگ مستحکم پوزیشن کے مالک تھے لیکن ملتان کے غیور اور بہادر احرار ورکروں نے صنم کدہ میں صدائے لاالہ کی جو ٹھانی تو ملتان کے درودیوار گونج اٹھے۔ مولانا جالندھری کی تقریر سے اہل ملتان اتنے متاثر ہوئے کہ ملک برخوردار صاحب مرحوم (والد جناب ملک عبدالغفور انوری مرحوم) اور حافظ محمد یار صاحب نے مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی سے جیل میں ملاقات کر کے درخواست کی کہ مولانا کو مستقل رہائش کا حکم دیں۔ انہوں نے حضرت رائے پوری کی طرف رجوع کرنے کا فرمایا اور جب یہ حضرات حضرت رائے پوری کی خدمت میں عرض رساں ہوئے تو ان کا خلوص رنگ لایا اور مولانا کو ملتان کا حکم ہو گیا۔

باوجودیکہ مولانا کو ملتان پسند نہ تھا لیکن اپنی روایتی سعادت مندی کے سبب اپنے بزرگوں کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور "حسین آگاہی" کی مشہور "مسجد سراجاں" میں جمعہ کی خطابت شروع فرما دی، ملتان سے مرحوم نے جو تعلق جوڑا تو پھر مرتے دم تک اسے نبھایا۔ احقر 1966ء میں اپنے برادر بزرگ مولانا عزیز الرحمٰن خورشید کے ہمراہ مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں دورہ حدیث کا طالب علم تھا۔ وہاں کے قادیانیوں نے ڈیوڑھا پھاٹک کے نزدیک عین سنی آبادی میں مسجد کا پروگرام بنایا جسے بعد میں ہال میں تبدیل کرنا چاہا۔ مقامی انتظامیہ کے بے ننگ و نام افسروں نے ان کی پشت پناہی کی لیکن مقامی مجلس تحفظ ختم نبوت کے رہنماؤں اور بالخصوص مولانا محمد سعید مرحوم مظفر گڑھی اور استاذی مولانا عبدالقیوم ہزاروی کی محنت و سعی سے سارا شہر اٹھ کھڑا ہوا۔ شیرانوالہ باغ میں ایک عظیم الشان کانفرنس میں حضرت حافظ الحدیث مولانا محمد عبداللہ درخواستی نے آگ برسانے والی تقریر فرمائی تو اور زیادہ شہری اٹھ کھڑے ہوئے، مرزائیوں کا منصوبہ ناکام ہو گیا اور اس سے بالکل متصل 2 کنال کے رقبہ میں راتوں رات علماء، طلباء، اور شہریوں نے مل کر "مسجد ختم نبوت" کھڑی کر کے شب بھر میں مسجد بنانے کی روایت پوری کر

دی۔ اس سعادت میں احقر بھی شریک تھا رات بھر ہم نے اللہ کی مدد و نصرت کے نظارے دیکھے' اینٹوں کے ٹرک آ رہے ہیں' دوسرا میٹریل آ رہا ہے اور لانے والا بتاتا نہیں کہ وہ کہاں سے آیا؟ صبح کی نماز وہاں ادا ہوئی۔ مولانا عبدالقیوم نے درس دیا' کئی ماہ تک مختلف حضرات یہاں جمعہ پڑھانے آتے رہے ایک جمعہ کے لئے مولانا بھی تشریف لائے بے پناہ مجمع تھا فرمایا کہ 1941ء میں اپنے بزرگوں کے حکم سے ملتان کا جمعہ شروع کیا' جیل جیسی مجبوریوں کے علاوہ کبھی ناغہ نہیں کیا اتنے عرصہ کے بعد آج ملتان کا ناغہ اہل گوجرانوالہ کی دینی غیرت کو سلام کرنے کی غرض سے کیا۔ [1]

1953ء کی تحریک ختم نبوت تک جمعہ کا سلسلہ یہیں (مسجد سراجاں) رہا۔ پھر جب پاکستانی حکومت کے کرم سے اس مسجد میں پابندی ہو گئی تو خونی برج کی شاندار و عظیم مسجد میں جمعہ رہا احقر نے برادر مکرم خورشید صاحب کے ساتھ 60-1959ء میں مدرسہ خیرالمدارس میں تعلیم حاصل کرنے کے دوران اکثر جمعے وہیں پڑھے۔ مسجد سراجاں کے چاروں طرف سڑکوں کا بند ہو جانا اور خلق خدا کا ہجوم تو احقر نے ثقہ راویوں سے سنا جن میں عم مکرم مولانا سید ابوذر بخاری خلف الرشید حضرت امیر شریعت قدس سرہ بھی ہیں اور مسجد خونی برج کے نظارے احقر نے خود دیکھے۔ مولانا کا خطاب اپنی مثال آپ ہوتا اور لوگ گوش بر آواز۔

ملتان کا مدرسہ محمدیہ

ملتان کے قیام کے زمانہ میں ہی مدرسہ محمدیہ مسجد سراجاں کی داغ بیل ڈالی۔ مولانا عبدالرحیم اشعر کی روایت کے مطابق حافظ محمد علی سراج صاحب مسجد سراجاں کے متولی تھے۔ 1941ء میں خطابت کی ابتداء ہوئی تو اسی سال مدرسہ بنا۔ مولانا اشعر کا کہنا ہے کہ اسی مدرسہ میں 1943ء میں قاضی احسان احمد صاحب شجاع آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مجھے داخل کرایا۔ 15-20 کے لگ بھگ درجہ درس نظامی کے طلبہ بالعموم موجود رہتے۔ اس مدرسہ کے اساتذہ میں مولانا مفتی محمد شفیع صاحب بانی و مہتمم مدرسہ قاسم العلوم ملتان' مولانا عبدالرحمٰن مظاہری چک نمبر 5 بورے والا' اور مولانا حبیب الرحمٰن فاضل دیوبند تھپلہ (ہزارہ) شامل ہیں۔ مولانا مرحوم پانی پت سے استاذ القراء حضرت قاری رحیم بخش صاحب کو لے کر آئے استاذی حضرت مولانا قاری رحیم بخش صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا چند سال قبل عیدالضحیٰ سے متصل ملتان میں وصال ہوا اور مدرسہ خیرالمدارس میں ہی تدفین ہوئی جہاں کے درجہ قرات و تجوید کے وہ صدر مدرس تھے۔ قرآن عزیز سے مرحوم کو جو لگاؤ تھا اس کا میں عینی گواہ ہوں۔ رات کا بڑا حصہ اور سارا

---

[1] مولانا کی یہ تقریر احقر نے قلم بند کی تھی جو اس زمانہ میں ہفت روزہ ترجمان اسلام لاہور میں چھپی اس کے بعد سرگودہا مجلس کے مبلغ برادرم مولانا عزیز الرحمٰن خورشید نے سرگودہا کی ایک انتہائی مدلل و موثر تقریر کے ہمراہ اسے کتابی شکل میں شائع کیا جسے مولانا مرحوم نے دیکھا' بہت پسند کیا اور بے پناہ دعائیں دیں۔۔۔۔(علوی)

دن تدریس و تعلیم میں گزرتا' آخری وقت میں بظاہر غشی و بے ہوشی تھی لیکن طلبہ سے قرآن سنتے رہے اور لطف یہ ہے کہ ایک طالب علم نے کوئی غلطی کی تو اس کی اصلاح بھی کی۔ آپ حضرت امام القراء مولانا قاری فتح محمد صاحب فاضل دیوبند' خلیفہ حضرت اقدس تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نزیل و مہاجر مدینہ کے محبوب ترین شاگرد تھے۔ مولانا انہی سے انہیں مانگ کر لائے تھے۔ اس درجہ میں سو سوا سو کے قریب طلبہ ہوتے۔ حضرت قاری صاحب ایک تو عمر' دوسرے وطن' اساتذہ اور ماحول سے دور' اس لئے انہیں یہاں جمانے میں مولانا محمد علی صاحب کو بڑی محنت کرنا پڑی۔ 1947ء تک یہ مدرسہ خوب کام کرتا رہا۔ 47ء کا اگست رمضان میں آیا تھا اور جاننے والے جانتے ہیں کہ اس دوران کتنی قتل و غارت گری ہوئی جس کے نتیجہ میں تبادلہ آبادی کا مرحلہ بھی آیا۔ مولانا کے استاذ محترم مولانا خیر محمد جالندھر سے لاہور تشریف لائے۔ جناب حافظ عبدالمجید صاحب (نابینا) کا اصرار مولانا کو فیصل آباد (لائل پور) لے جانے کا تھا لیکن رمضان سے بعد شوال گذار کر ذیقعدہ میں مولانا جالندھری لاہور گئے اور استاد محترم کو ملتان لائے۔ ملتان لانے کے بعد مدرسہ خیرالمدارس کے حق میں ایسے دست بردار ہوئے کہ موجودہ فنڈ' کتابیں' الماریاں' جملہ سامان حتیٰ کہ طالب علم تک اس کے سپرد کردیئے اس دور کے طالب علموں میں مولانا عبدالرحیم اشعر اور مولانا محمد یعقوب سلطان پوری اہم ترین طالب علم تھے۔

خیرالمدارس کیلئے ایثار

لوہاری دروازہ اور حسین آگاہی کے درمیان کی جگہ جہاں آج کل حبیب بنک کا گودام ہے' مولانا محمد علی نے مدرسہ کے لئے الاٹ کرادی۔ مولانا خیر محمد صاحب محدود پیمانے پر کام چاہتے تھے لیکن مولانا محمد علی کے سامنے وسیع پلان تھا اس لئے احباب سے مشورہ کے بعد "گیان تھلہ" کا مندر الاٹ کرادیا گیا جس کا قبضہ لینے کے لئے مجلس احرار اسلام کے ورکروں نے خاصی محنت(۱) کی اور الحمدللہ عیدالاضحیٰ کے بعد تعلیم شروع ہوگئی۔ کافی عرصہ اسی مندر کی وسیع عمارت میں تمام نظام چلتا رہا ایک بڑا ہال نما کمرہ بطور مسجد و دارالحدیث مستعمل ہوتا۔ بعد میں عمارت سے متصل زمین پر ایک شاندار مسجد نئی' دارالحدیث بنایا گیا' تجوید و قرأت کی درسگاہیں قائم ہوئیں۔

انتظامیہ عملہ کے دفاتر بنے اور اساتذہ کی رہائش گاہیں تعمیر ہوئیں۔ دارالحدیث سے متصل ہی مولانا خیر محمد صاحب ان کے صاحبزادے حافظ رشید احمد صاحب پھر مولانا محمد علی اور اب حضرت قاری رحیم بخش صاحب کے مزارات بنے۔ فرحمھم اللہ تعالیٰ

مولانا جالندھری نے استاد محترم مولانا خیر محمد صاحب سے جس طرح رسم وفا نبھائی' اس کی دنیا میں

---

(۱) مدرسہ قاسم العلوم کچہری روڈ ملتان کی جگہ نشہ بازوں، بھنگیوں اور چرسیوں کا مرکز تھا۔ یہ جگہ بھی احرار کارکنوں نے قبضہ کر کے مدرسہ کو دلائی (ناشر)

مثال ملنی مشکل ہے۔ جالندھر کے ابتدائی دور سے لے کر دم واپسیں تک مدرسہ کی تعمیر و ترقی میں دلچسپی لیتے رہے حتیٰ کہ ان کے مرنے کے بعد ان کے مخصوص سرمایہ سے جو شرعی وارثوں میں جائیداد کی تقسیم کے ساتھ ملی امور کے لئے محفوظ کر لیا' خیر المدارس کی مسجد کی مرمت ہوئی۔ سچ ہے۔ ع۔ وفاداری بشرط استواری اصل ایمان ہے۔

وزارتی مشن

1945ء میں دوسری جنگ عظیم کا ہنگامہ ختم ہوا اور دنیا کے ستم رسیدہ لوگوں کو نام نہاد وڈیروں اور مہذب دنیا کے عذاب سے کسی قدر سکون لینے کا موقع ملا۔ مسلم لیگ ہنگامہ جنگ کے دوران 1940ء میں پاکستان کو اپنی منزل قرار دے چکی تھی جیسا کہ ہم نے عرض کیا اور کانگریس متحدہ ہندوستان کا شور مچا رہی تھی۔ ذمہ دار اور وفاشعار مسلم جماعتیں مجلس احرار اسلام اور جمیعت علماء ہند کے زعماء پریشان تھے کہ کیا ہوا؟ جس آزادی کی خاطر اتنی طویل اور صبر آزما جنگ لڑی اس کا یہ حشر ہو رہا ہے' جمیعتہ نے وہ فارمولا پیش کیا جس کا ذکر پہلے آچکا کہ سنٹرل اسمبلی میں مسلم ہندو برابر (45'45 فیصد) اور 10 فیصد اقلیتیں' اس طرح سپریم کورٹ میں جج حضرات کا یہی تناسب اور مرکز کے لئے محدود محکمے جبکہ مجلس احرار اسلام نے قرار داد حکومت الٰہیہ پاس کر کے اپنا موقف واضح کر دیا۔ قوم کی حالت یہ تھی کہ مسلم لیگ کے تصور پاکستان پر مری چلی جا رہی تھی اور اس سلسلے میں کسی دوسرے کی بات سننے تک کی روادار نہ تھی۔ وہ اکابر علماء و صلحاء جن کی زندگیاں قال اللہ اور قال الرسول میں گزری تھیں جنہوں نے اس قوم کی بے لوث اور مخلصانہ خدمت سرانجام دی تھی وہ سب گردن زدنی قرار پائے۔ [1]

بہر طور اصل جنگ کانگریس و لیگ کے درمیان تھی "لڑائی زوروں پر تھی کہ وزارتی مشن کا غلغلہ بلند ہوا ہر جماعت کے نمائندوں کو اس نے بلایا سر کرپس "وزارتی مشن" کے سربراہ تھے کانگریس کی طرف سے مولانا ابو الکلام آزاد' جواہر لعل نہرو اور سردار پٹیل وغیرہ مشن سے ملے لیگ کی طرف سے جناب محمد علی جناح' لیاقت علی خان' نواب محمد اسماعیل خان' راجہ محمود آباد' اور راجہ غضنفر علی خان نمائندگی کر رہے تھے۔

---

[1] نظریہ پاکستان اور اس سے متعلق فریقین کے موقف پر بہت کچھ کہا جا سکتا ہے لیکن اس کا فائدہ نہیں۔ مختصراً عرض کرنا ضروری ہے کہ فریقین میں سے وحی کسی کے پاس نہ آتی تھی۔ معاملہ سوچ اور فکر کا تھا قوم نے مسلم لیگ کی بات مان لی دوسرے کیمپ کو مسترد کر دیا۔ باوجودیکہ دوسرے کیمپ کے حضرات نے (جو یہاں آئے اور جو وہاں رہ گئے سبھی نے) اس ملک کو دل جان سے تسلیم کیا بلکہ یہاں موجود حضرات نے اس کے استحکام' اس کے نظریہ کے تحفظ اور اس کے عملی نفاذ کیلئے بے پناہ قربانیاں دیں اور دے رہے ہیں' پھر بھی کم ظرف لوگوں کا ایک طبقہ ایسا ہے جو ان بلانوشان محبت کو بخشنے کیلئے تیار نہیں۔ ہمارے خیال میں یہ رویہ درست نہیں اس سے احتراز ضروری ہے۔ (علوی)

مجلس احرار اسلام کے نمائندوں نے مشن پر واضح کیا کہ جماعتی نمائندگی کے دعووں پر بحث نہ کی جائے (یہی بات اس نے باقی جماعتوں سے کہی) بلکہ ملک کی آزادی کے طور طریق پر بحث کی جائے اور یہ طے کیا جائے کہ یہاں کی آبادی کس طرح آزادی سے ہمکنار ہو سکتی ہے۔ لیکن اس بات کو مجنوں کی بڑ کہا گیا۔ انگریز پرست مسلم پریس نے جی بھر کر احرار کو کوسا' سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ مسلم لیگ مسلمانوں کی بلا شرکت غیرے نمائندگی کے دعوئ پر اڑی بیٹھی تھی حالانکہ اس کے نظام میں قادیانی' دھریے' کمیونسٹ اور رافضی سبھی شامل تھے۔ لیگ کی اس بے جا ضد نے مسلمان قوم کو بے پناہ نقصان پہنچایا جس کی طرف آئندہ آپ کچھ اشارات پڑھیں گے۔

انتخابات

وزارتی مشن کی گفتگو کا نتیجہ الیکشن کی شکل میں سامنے آیا۔ نومبر 1945ء میں مرکزی اسمبلی کا اور 1946ء میں صوبائی اسمبلیوں کا انتخاب طے ہوا۔ اب مجلس احرار نے اپنی عاملہ کی میٹنگ طلب کی۔ یہ اجلاس لاہور میں تین دن جاری رہا۔ حالات کا رخ یہ تھا کہ مسلمان قوم کا جذباتی فیصلہ مسلم لیگ کے حق میں ہوگا اور یہی انتخاب ملک کے مستقبل کا فیصلہ کرے گا اس لئے حضرت امیر شریعت رحمہ اللہ تعالیٰ اور بعض دوسرے رہنما جن میں مولانا محمد علیؒ مرحوم بطور خاص شامل تھے انتخاب کے حق میں قطعاً نہ تھے لیکن مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی' مولانا مظہر علی اظہر' شیخ حسام الدین' ماسٹر تاج الدین اور نوابزادہ نصراللہ خان وغیرہ انتخاب کے حق میں تھے۔

تین دن تک بحث و مذاکرہ جاری رہا۔ اور یہ پہلا موقعہ تھا کہ مجلس کو رائے شماری کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اکثریت نے انتخاب کے حق میں فیصلہ دیا اور یوں جماعت انتخابی اکھاڑے میں آگئی۔ سرکار پرست مسلمانوں کی طرف سے 1935ء میں مسجد شہید گنج کا ملبہ جس طرح مظلوم احرار پر گرایا گیا اس کی صدائے بازگشت پھر سننے میں آئی ادھر احرار کا موقف ویسے پاکستان کے خلاف تھا۔ اس لئے اسے زبردست مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ جو حضرات انتخاب کے حق میں نہ تھے انہوں نے بھی جماعتی فیصلہ کو تسلیم کرتے ہوئے انتخابی مہم میں بھرپور طریقے سے حصہ لیا۔ حضرت امیر شریعت اور مولانا حبیب الرحمٰن دو بزرگ ایسے تھے جنہوں نے انتخاب نہیں لڑا باقی مجلس عاملہ کے سارے حضرات امیدوار تھے مولانا جالندھری تحصیل نکودر (جالندھر) کے دیہاتی حلقہ سے امیدوار تھے۔ آپ حیران ہوں گے کہ اتنی زبردست مخالفتوں کے باوجود احرار کے ایثار' رہنماؤں اور کارکنوں کی انتخابی مہم رنگ لائی اور سارا دن احرار امیدواروں کی صندوقچیوں میں ووٹ پڑتے رہے لیکن شام کو نتیجہ آیا تو وہ سب ناکام تھے اور مسلم لیگی امیدوار کامیاب رہے۔ [۱]

۱؎ معلوم ہوتا ہے کہ 1951ء میں مسٹر دولتانہ اور خان عبدالقیوم نے پنجاب و سرحد کے الیکشن میں جو کردار ادا کیا۔ اس کی ابتداء ان حضرات کے آقائے ولی نعمت انگریز بہادر کے دور میں ہو چکی تھی۔ (علوی)

اس الیکشن میں مجلس احرار اسلام کے صرف دو امیدوار جیتے ایک پنجاب سے میاں محمد رفیق جو اس لئے جیت گئے کہ ان کے دونوں مخالف امیدواروں کے کاغذات مسترد ہو گئے تھے۔ (گویا بلامقابلہ) دوسرے کیلاشپور ضلع سہارنپور کے نوابزادہ محمود علی خان' الیکشن کے نتائج کے بعد جماعتی فیصلہ کے مطابق مولانا محمد علی لاہور آئے۔ اور دفتری تنظیم میں لگ گئے اس موقعہ پر ایک بات کا اظہار ضروری ہے گو کہ بات ہے بے جوڑ سی' لیکن یہ داستان ایک فرد کی نہیں ایک عہد کا تذکرہ ہے اس لئے تاریخ کے طالب علموں کے لئے اس کا ذکر از بس لازمی ہے۔

آج کل جمیعتہ علماء پاکستان کے نام سے ملکی سیاست میں ایک جماعت بڑی فعال اور سرگرم نظر آتی ہے' اس جماعت کے روحانی بزرگ مولانا احمد رضا خان تھے جن کا 1921ء میں انتقال ہوا۔ مولانا موصوف تکفیر مسلمین کے فن میں بڑے اتارو تھے اور خاص طور پر علماء اہلسنّت والجماعت حنفی دیوبندی سے انہیں چڑ تھی۔ ان لوگوں کی تکفیر کا فتویٰ لینے وہ حجاز تک تشریف لے گئے جس کا جواب حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے عقائد علماء دیوبند کے نام سے لکھا۔ اعلیٰ حضرت بریلوی کی دوسری خوبی ہندوستان میں انگریزی حکومت کا تحفظ تھا۔ "اعلام الاعلام بان ہندوستان دار الاسلام" جیسے ان کے رسائل و کتابیں ہمارے دعویٰ کی دلیل ہیں۔ ان کے عقیدت مندوں میں کچھ حضرات جو کسی درجہ میں اپنے اندر جذبہ حریت رکھتے تھے وہ یا تو جمعتہ علماء ہند میں تھے یا مجلس احرار میں' اس سلسلے میں موجودہ جمعیتہ کے سربراہ مولانا نورانی میاں کے والد شاہ عبدالحلیم میرٹھی اور صاحبزادہ فیض الحسن صاحب کا نام بڑا اہم ہے۔ لیکن آج یہ حضرات اس ملک میں اس طرح کا پروپیگنڈا کرنے میں مصروف ہیں گویا کہ آزادی کی جنگ انہی کے بڑوں نے لڑی' اس ضمن میں سب سے بڑا نام علامہ فضل حق خیر آبادی کا لیا جاتا ہے جو غلط فہمی سے 1857ء کے فتویٰ کے ضمن میں پکڑے گئے حالانکہ وہ مجلس فتویٰ میں شریک نہ تھے اور نہ ان کے دستخط تھے۔ (دیکھیں 1857ء' واقعات' شخصیات۔ از ڈاکٹر محمد ایوب قادری "صدر شعبہ اردو" اردو کالج کراچی)

خاص طور پر پاکستان کے ضمن میں تمام تر کریڈٹ یہ حضرات اپنے سر لینا چاہتے ہیں اور اس ضمن میں 1946ء کی بنارس سنی کانفرنس کا بڑا چرچا کیا جاتا ہے۔ کیونکہ 45ء کے آخر اور 46ء کی ابتداء میں الیکشن کے نتیجہ میں پاکستان کا فیصلہ تو ہو چکا تھا ان انتخابات میں ان حضرات کا کوئی کارنامہ نظر نہیں آتا' ہے تو پیش کیا جائے؟ دوسری بات یہ ہے کہ جو مسلم لیگ پاکستان کے مطالبہ کو لے کر اٹھی تھی علماء میں سے اگر کسی نے اس کی سرپرستی کی تو وہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی اور ان کے ارادت کیش علماء تھے جن میں مولانا شبیر احمد عثمانی' مولانا ظفر احمد عثمانی' مولانا مفتی محمد شفیع' مولانا محمد شبیر علی تھانوی' اور مولانا احتشام الحق تھانوی' رحمہم اللہ تعالیٰ بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ یہ حضرات یعنی موجودہ

جمعیہ علماء پاکستان کے اکابر تو مسلم لیگ اور اس کے عمائدین کی اسی طرح تکفیر کرتے تھے جس طرح انہوں نے کانگریسی، جمعیتی، احرار، خاکساری، خلافتی وغیرہ عمائدین کی تکفیر کی تھی۔ سر سید احمد خان، مولانا شبلی، مولانا حالی، علامہ اقبال اور بانی پاکستان کے خلاف ان حضرات کے فتوئی ہائے تکفیر کی تفصیل تجانب اہل السنہ، مسلم لیگ کی زریں بخیہ دری، السوالات، السنیہ، احکام نوریہ وغیرہ میں موجود ہے۔ من شاء فلیراجع

تقسیم ملک کے بعد ان حضرات نے اپنا جماعتی تشخص قائم کرنے کی کوشش کی جس کی قیادت مولانا ابوالحسنات خطیب مسجد وزیر خان اور خواجہ قمرالدین سیالوی جیسے حضرات کے پاس رہی۔ لیکن یہ حضرات جس طرح علماء اہلسنت حنفی دیوبندی سے مخلصانہ روابط رکھتے اور مختلف تحریکات میں مل کر کام کرتے اس کا ایک زمانہ گواہ ہے اسی لئے یہ حضرات خاص حلقوں میں نامقبول ہیں، بہر طور جملہ معترضہ کے طور پر یہ چند سطریں پیش کر دی گئیں۔ تاکہ تاریخ کا ریکارڈ درست رہے۔

عبوری وزارت

46-45ء کے الیکشن میں جیسا کہ ہم نے عرض کیا یا تو مسلم لیگ کے نمائندے کامیاب ہوئے یا کانگریس کے، برطانوی حکومت نے پاکستان کے وجود کو تسلیم کر لیا۔ طریقہ طے کرنے کی غرض سے تاخیر تو لازمی بات تھی، مرکز میں عبوری حکومت کا قیام طے ہوا، اس مسئلہ پر کانگریس اور مسلم لیگ میں پھر ٹھن گئی۔ کانگریس نے برطانوی حکومت کی دعوت کو تسلیم کر لیا اور اپنے نمائندوں میں مسلمان نمائندہ بھی شامل کیا لیکن مسلم لیگ نے افسوس ناک زیادتی یہ کی کہ کانگریس کے اس حق کو مسترد کر دیا کہ کوئی مسلمان وزیر لائے۔ اس کا کہنا تھا کہ یہ صرف مسلم لیگ کا حق ہے، مسلم لیگ کی اس بے جا ضد نے صورت حال بگاڑ دی۔ مسلمانوں کے مفادات کو نقصان پہنچا۔

لیگ کے اس طرز عمل کے سبب مولانا ابوالکلام آزاد نے مجلس احرار اسلام کو نمائندگی کی دعوت دی اس کے دو نمائندے شیخ حسام الدین اور مولانا مظہر علی اظہر دہلی تشریف لے گئے لیکن شاہ جی اور مولانا محمد علی بطور خاص اس شمولیت کے خلاف تھے مجلس عاملہ نے ان حضرات کی رائے کو تسلیم کر لیا دونوں نمائندے دہلی سے واپس آگئے[1]۔ یہ دور اتنا خطرناک اور کشمکش کا دور تھا کہ ملک کے مختلف حصوں میں فرقہ وارانہ فسادات بھڑک اٹھے۔ کوہاٹ، نواکھلی، بہار، اور دوسرے مقامات بطور خاص اس آگ

---

(۱) مولانا ابوالکلام آزاد نے مجلس احرار اسلام کو عبوری وزارت میں شمولیت کی دعوت قطعاً نہیں دی۔ اگر مجلس عاملہ کا فیصلہ وزارت میں شمولیت کے خلاف تھا تو یہ حضرات عاملہ کے اجلاس میں شرکت کی بجائے حصول وزارت کے لئے دہلی کیسے چلے گئے اور پھر واپس کیوں آئے؟ شیخ صاحب کی وزارت میں شرکت کی افواہ ان دنوں بھی اڑائی گئی تھی۔ علوی صاحب مرحوم کو سہو ہوا ہے (ناشر)

میں بھسم ہوئے اور ہزاروں بے گناہ انسان مارے گئے۔اب بھی وقت تھا کہ آنے والے دور کی مہیب تصویر دیکھ کر ملک کی سیاسی جماعتیں بطور خاص مسلمانوں کے حقوق کی سب سے بڑی علمبردار مسلم لیگ عقل کے ناخن لیتی لیکن ہر کسی نے اپنے وقار کا مسئلہ بنالیا۔ خلیج بڑھتے بڑھتے 1947ء آگیا پھر جو قتل و غارت ہوئی الامان' 1857ء کے ٹھیک 90 برس بعد مسلمان قوم کا بے پناہ نقصان ہوا۔ہم اس پوزیشن میں نہیں کہ اس نقصان کی ذمہ داری کس پر ڈالیں' تاہم وقت بتائے گا اور دیانت دار مورخ تجزیہ کرے گا کہ ایسا کیوں ہوا اور کس کی غلطیوں کا خمیازہ مسلم قوم نے بھگتا۔

احرار کا کردار

مجلس احرار اسلام کا کردار ہر دور میں ایسا رہا کہ اس نے مظلوم اور دکھی انسانیت کی خدمات کو اپنا فرض سمجھا' سیاسی چودھراہٹ کیلئے نہیں بلکہ انسانی جان و مال اور عزت و آبرو کے معاملہ پر اسلام کی طرف سے عائد شدہ ذمہ داریوں کے سبب اس نے ایسا کیا۔

کشمیر' کپور تھلہ کی تحریکیں ہوں یا متاثرین زلزلہ کوئٹہ کی امداد' مظلوم موپلوں کا مسئلہ ہو یا مسجد منزل گاہ سکھر کی بات' مجلس نے ہر جگہ اپنی دینی اور اخلاقی ذمہ داریوں کو پورا کیا۔ آج جبکہ کانگریس اور مسلمانوں کے حقوق کی اجارہ دار مسلم لیگ اقتدار بانٹنے میں الجھ رہی تھیں۔ مجلس کے قائدین رضاکاروں کو لے کر فساد زدہ علاقوں میں نکل کھڑے ہوئے تاکہ دکھی انسانوں کی خدمت ہو سکے۔مولانا محمد علی کو جماعت نے بہار بھیجنے کا فیصلہ کیا اس صوبہ میں مسلمان قوم کی آبادی 14 فیصد کے لگ بھگ تھی لیکن وہاں کے مسلمانوں نے پاکستان کے لئے بہت کچھ کیا۔ اس احساس کے باوجود کہ ہمارا صوبہ تقسیم کے بعد ہندوستان کا حصہ رہے گا' ان کی جدوجہد اور سعی مثالی تھی۔گو کہ بعض لوگوں نے شدت جذبات میں مسلم لیگ کے موقف کی مخالفت کرنے والے علماء' صلحاء اور قائدین کی سخت توہین بھی کی۔جن میں حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ بطور خاص قابل ذکر ہیں اور بقول مولانا محمد یوسف لدھیانوی کہ حضرت الشیخ مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ "پاکستانی مسلمانوں پر آنے والی آفتوں کا سبب بالخصوص حضرت مدنی کی توہین قرار دیتے اور اجتماعی توبہ پر زور دیتے" (بینات کراچی) اسی طرح اگر میں یہ کہوں کہ بہار میں مسلمانوں کی آج تک کی مصیبتوں کا سبب خدا کے مخلص اور نیک بندوں کے ساتھ ان کا وہ طرز عمل ہے تو غلط نہ ہو گا۔(اللہ تعالیٰ ہم سب کی خطائیں معاف فرمائے)

جماعت نے مولانا کے لئے بہار کا فیصلہ کیا لیکن حضرت امیر شریعت قدس سرہ نے جماعت سے اجازت لیکر انہیں دفتر لاہور میں رکھ لیا۔مولانا کی جگہ ماسٹر تاج الدین انصاری' مخدوم شاہ صاحب بنوری اور آزاد ہند فوج کے جرنیل شاہنواز خان صاحب کو بہار بھیجا گیا۔

جناب شاہ نواز صاحب دراصل گوجر خان ضلع راولپنڈی کے رہنے والے تھے وہ ان مجاہدین حریت میں شامل تھے جنہوں نے تشدد کے ذریعہ انگریز کو یہاں سے نکالنے کا منصوبہ بنایا۔ آزاد ہند فوج اسی ضمن

میں بنی اور اس نے بڑی قربانیاں دیں۔ جنرل صاحب بعد میں مجلس احرار اسلام میں شامل ہو گئے اور تقسیم ملک کے بعد لاہور آ گئے تاکہ مسلمانوں کی آزاد مملکت کی فوجی خدمت سرانجام دے سکیں لیکن وہ یہاں نہ رہ سکے کیوں؟ اس کیوں کا جواب حضرت امیر شریعت اور مولانا محمد علی کے رفیق کار مولانا تاج محمود کی زبانی احقر نے کئی بار سنا جس کا خلاصہ یہ ہے۔

مرحوم جنرل شاہ نواز لاہور میں موجودہ میکلوڈ روڈ پر دفتر "چٹان" میں مقیم تھے ان کے بچے لاہور سنٹرل ماڈل اسکول میں زیر تعلیم تھے ایک دن ہیڈ ماسٹر نے ان بچوں کو "غدار کا بیٹا" کہا اور بڑی زیادتی سے انہیں اسکول سے نکال دیا اس ہیڈ ماسٹر سمیت چونکہ ہمارے نام نہاد پڑھے لکھوں کی اکثریت انگریز کی ذہنی غلامی کا شکار تھی اس لئے جنرل شاہ نواز جیسے لوگوں کو وہ "غدار" قرار دیتے۔

بچوں نے گھر آکر والد سے ذکر کیا تو والد نے مختصر سامان اٹھایا اور خاموشی سے ہندوستان چلے گئے۔ ضلع سہارنپور یو۔پی کے قصبہ کیلاش پور میں جیوش احرار کے سالار نوابزادہ محمود علی خان کے یہاں مقیم ہو گئے۔ نوابزادہ صاحب اچھے خاصے زمیندار تھے، جنرل صاحب کی خواہش پر انہوں نے زرعی زمین کا ایک قطعہ ان کے سپرد کر دیا تاکہ وہ خود محنت کر سکیں، اسی اثنا میں برطانیہ سے ایک خاتون "آزاد ہند فوج" پر ریسرچ کے لئے آئی۔ پنڈت نہرو سے ملی، جنرل کا بصد مشکل علم ہوا کہ وہ یو۔پی کے ضلع سہارنپور میں ہیں، یو۔پی کے وزیر اعلی نے پنڈت نہرو کے حکم سے کوشش کر کے سراغ لگایا اور ان محترمہ کو جنرل صاحب تک پہنچایا۔ اس خاتون نے دیکھا کہ جنرل کھیتی باڑی میں مشغول ہیں تو واپسی پر پنڈت جی سے ذکر کیا بلکہ عار دلائی کہ ایسا قیمتی آدمی اور اس کا یہ حشر؟

بہرحال پنڈت جی نے جنرل صاحب کو بلوایا۔ معذرت کی ذاتی طور پر ایک خطیر رقم دینا چاہی جو انہوں نے قبول نہ کی۔ آخر ہندوستان کے پہلے الیکشن میں پنڈت جی نے انہیں میرٹھ بھجوایا وہاں کی سیٹ سے انہیں کانگریس کا امیدوار نامزد کیا اور پھر انتخابی مہم میں میرٹھ میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ

> آزادی کا سہرا دراصل مئی 1857ء کے ان بہادر فوجیوں کے سر ہے جنہوں نے میرٹھ سے تحریک کی ابتداء کی ان 80 سے زائد بہادر لوگوں کو توپ سے اڑا دیا گیا، لیکن وہ ہمارے لئے راہ عمل تجویز کر گئے ان کی روحوں کو خراج عقیدت پیش کرنے کی غرض سے میں نے جنرل صاحب کو ٹکٹ دیا۔

چنانچہ جنرل صاحب بڑے وقار طریق سے کامیاب ہوئے۔ ایک بار نہیں بار بار اور مدت العمر ہندوستان کی مرکزی کابینہ میں شامل رہے۔ کابینہ کے ممبر کی حیثیت سے ان کی خدمات بے پناہ ہیں۔ چند برس قبل مرحوم کا انتقال ہوا بالکل آخری دور میں وہ جمعیت علماء ہند سے وابستہ ہو کر مسلم ملت کے کاز کے لئے سرگرم عمل رہے۔ افسوس کہ پاکستان نے ایسے مخلص لوگوں کی قدر نہ کی۔

حضرت امیر شریعت نے مولانا محمد علی کو مخیر حضرات سے عطیات وصول کر کے نقد روپیہ اور ضروری سامان فساد زدہ علاقوں میں بھیجنے پر مامور کیا۔ افسوس کہ مخلص حضرات کی کوششوں کے باوصف فسادات نہ رک سکے، برطانوی حکومت اور اس کے گماشتوں کا مفاد ان کی بقاء میں تھا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ جنگل کی آگ کی طرح سارے ملک میں پھیل گئے۔ پنجاب کا بڑا حصہ ان کی لپیٹ میں آ گیا۔ تقسیم بنگال کا عمل تو وسط اگست 1947ء میں عمل میں آیا لیکن اس سے قبل ہی انسانی عزتیں لٹنا شروع ہو گئیں۔ جانیں تلف ہوئیں، سرمائے لٹے، اور ہر طرف بربادی نظر آنے لگی۔ صورت حال ایسی تھی کہ معلوم ہوتا تھا سطح زمین پر انسان نہیں درندے بستے ہیں لیکن اس کے باوجود احرار رہنماؤں بالخصوص مولانا محمد علی اور ماسٹر تاج الدین نے دکھی انسانیت کی خدمت اور تبادلہ آبادی میں مسلمانوں کی منتقلی میں تاریخ ساز کردار ادا کیا۔

محتاط مورخین کے بقول فرقہ وارانہ فسادات اور تبادلہ آبادی کے عمل میں ایک کروڑ بیس لاکھ افراد لقمہ اجل بنے جو املاک تباہ ہوئیں، عزتیں لٹیں ان کا کوئی حساب نہیں۔ ایک مورخ اور تاریخ کے طالب علم کے ذہن میں یہ سوال قدرتی طور پر ابھرتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟ ظاہر ہے کہ ملک کے سیاست دان اور سیاسی جماعتیں انتہا کو جا چکی تھیں۔ خاص طور پر مسلمانوں کے حقوق کی دعویدار مسلم لیگ نے کانگریس چھوڑ مسلم جماعتوں تک کو اعتماد میں لینا ضروری نہ سمجھا۔ اس کے نظام میں وہ لوگ تھے جو ازلی اور پشتینی طور پر انگریز کے وفادار اور کاسہ لیس تھے خود بانی پاکستان نے انہیں کھوٹے سکے کہا تھا ان ازلی کاسہ لیسوں کے ساتھ ساتھ رافضی اور مرزائی بڑھ چڑھ کر سرگرم عمل تھے حالانکہ ایک طبقہ کا تاریخی کردار امت مسلمہ کے خلاف سازشیں رہا ہے تو دوسرا طبقہ پیدا ہی انگریز کا کیا ہوا تھا۔ اس قسم کے لوگوں کی موجودگی میں کوئی صحیح کام نہ ہو سکتا تھا۔ ستم یہ تھا کہ طے شدہ پروگرام کے باوجود بنگال و پنجاب کی تقسیم خداوندان لیگ نے قبول کر لی حالانکہ یہ دونوں صوبے واضح طور پر مسلم اکثریت کے صوبے تھے ان کی تقسیم کا کوئی جواز نہ تھا لیکن مسلم حقوق کے علمبرداروں نے ڈیڑھ اینٹ کی مسجد کے لئے اسلام اور مسلمانوں کا ہر نقصان برداشت کیا۔ بنگال میں تو خیریت یاں وجہ رہی کہ مسلم اور غیر مسلم آبادیاں بٹی ہوئی تھیں لیکن پنجاب میں ایسا نہ تھا اس لئے سب سے زیادہ نقصان اس بد قسمت خطہ کا ہوا، جس کے ٹوڈی بچوں کا "قصیدہ" حضرت امیر شریعت قدس سرہ نے لکھا جو "سواطع الالہام" میں دیکھا جا سکتا ہے۔[۶]

مشرقی پنجاب کا وسیع و عریض خطہ اس قیامت صغریٰ کے نتیجہ میں بری طرح برباد ہوا، انبالہ، جالندھر، شملہ، لدھیانہ، فیروزپور، گورداسپور، وغیرہ مسلمان کے وجود سے خالی ہو گئے، اکثر لوگ وہاں

۶۔ حضرت شاہ جی قدس سرہ کے جانشین و فرزند مخدومی سید ابوذر بخاری نے شاہ جی کے کلام کو اس عنوان سے جمع فرما دیا ہے جو مطبوعہ شکل میں موجود ہے۔ (علوی)

سے نکل کھڑے ہوئے جن میں سے کچھ یہاں پہنچ گئے کچھ راستہ میں لقمہ اجل بن گئے یا سکھ درندوں نے انہیں ذبح کردیا اور جو لوگ ہمت کر کے وہاں رہ گئے ان کا جینا دوبھر کردیا۔

آج کتنا ستم ہے کہ 1947ء کی ساری بربادیوں کو بھول کر محض بغض معاویہ میں سکھوں کو سر پر چڑھا رہے ہیں؟۔ اس پورے خطے میں کم و بیش بارہ ہزار مسجدیں' خانقاہیں اور مدرسے اجڑ گئے اور پورے علاقہ میں اسلامی تہذیب و میراث کا ایک ایک نشان مٹ گیا۔ صبح محشر جب اللہ تعالیٰ کے حضور ساری دنیا کی پیشی ہوگی اور جھوٹی قیادت و سیاست کے جملہ دعویدار پابجولاں مجرموں کی طرح وہاں پیش ہوں گے تو ان مساجد و مدارس اور خانقاہوں کی اینٹیں اور دیواریں رب العزت کے سامنے تو استغاثہ دائر کریں گی' وہ ہزاروں بچیاں جن کی عزتیں برباد ہوئیں اور ہزاروں بوڑھے اور جوان جو راستہ میں اور ادھر ادھر موت کے گھاٹ اتارے گئے وہ سب اپنا مقدمہ داور محشر کے روبرو پیش کریں گے تو اس کا جواب کسی قابل ترین وکیل اور مدعی قیادت کے پاس نہ ہوگا۔ سلام ہو تبلیغی جماعت کے مخلص ورکروں کو اور حضرت قطب الاقطاب مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ تعالیٰ' حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمتہ اللہ علیہ کو جن کی گرمی نفس اور محنت نے اس اجڑے دیار میں پھر سے بہار کا اہتمام کیا۔

مہاجرین کا مسئلہ

جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ مشرقی پنجاب برباد ہو کر رہ گیا ہزاروں خاندان اجڑ کر ادھر آنے لگے' مولانا محمد علی اب تک لاہور رہتے تھے اب وہ ملتان تشریف لائے جس سے ان کا تعلق 1940ء میں جڑا تھا وہ اس حادثہ کے بعد مسلسل سات ماہ ملتان رہے۔ یہاں سے انہوں نے اپنی ماتحت شاخوں کو ہدایات جاری کیں کہ مہاجر کیمپوں میں خدمت خلق کا فرض سرانجام دینے کیلئے منظم طریق سے کام کیا جائے۔ مجلس احرار کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح بے لوث اور مخلص قائدین عطاء فرمائے تھے اسی طرح کے رضاکار بخشے تھے چنانچہ پورے علاقہ میں رضاکار جت گئے۔ خود ملتان جہاں مولانا تشریف فرما تھے وہاں سات کیمپ تھے ان میں رضاکار برابر سرگرم عمل رہے۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ مسلم لیگ جو قیام پاکستان کی ماں کہلاتی تھی اس کے معدودے ورکروں کو چھوڑ کر سب چھوٹے بڑے خالی ہونے والے مکانوں پر قبضہ جمانے اور ان میں موجود سامان کی بندربانٹ میں لگ گئے اور غریب احرار پاکستان کے دشمن ہونے کے باوجود پاکستان کی محبت کے لئے پٹ پٹا کر آنے والوں کی خدمت میں مشغول ہو گئے۔

ع۔ کچھ ہوئے تو یہی رندان قدح خوار ہوئے۔

حضرت امیر شریعت جو عرصہ سے امرتسر مقیم تھے اور اپنے دو شاندار مکانات رکھتے تھے وہ وہاں سے اٹھ کر ملتان تشریف لائے ایک عرصہ نوابزادہ نصراللہ خان کا مسکن خان گڑھ شاہ جی کا بھی مسکن رہا اور نوابزادہ صاحب نے خدمت کا حق ادا کیا۔ اس کے بعد شاہ جی کا ٹھکانہ ملتان قرار پایا کوٹ تغلق کی غریب

آبادی میں چند روپے ماہوار کرایہ کا مکان حاصل کر کے اس میں ڈیرا جوڑا لاتو پھر اسی سے ان کا جنازہ اٹھا' وقت کی حکوت کی خواہش کے باوجود کہ قلعہ قاسم پر قبر بنے' شاہ جی کے ورثاء نے قبرستان باقری میں غریبوں کے جوار میں امیر شریعت کو دفن کر دیا گویا شاہ جی جو زندگی بھر غرباء کے ساتھی رہے مرنے کے بعد بھی ان کے ساتھی بنے اور اپنے آقا مولا صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کی دعا کی روح کے مطابق زندگی اور موت ومابعد الموت کا وقت گزارا۔ الھم احینی مسکینا" وامتنی مسکینا واحشرنی فی زمرۃ المساکین

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی' شیخ حسام الدین اور سردار محمد شفیع بھی ملتان ہی پہنچے اسی اثناء میں شاہ جی نے احرار مجلس عاملہ کا اجلاس طلب کیا جس میں مختلف علاقوں کے صدر اور سیکرٹری بھی بلائے گئے۔ دو روزہ اجلاس میں ملکی حالات اور مستقبل کا ملکی و جماعتی نقشہ زیر بحث رہا۔ بقول حامیان لیگ یہ پٹے ہوئے مہرے تھے۔ لیکن الحمد للہ کہ خداوندان لیگ کی طرح ان کا ضمیر بٹا ہوا نہ تھا اس لئے انہوں نے کمال جرات کے ساتھ آگے بڑھ کر حکومت سے نہ صرف مہاجرین کی آباد کاری کی استدعا کی بلکہ عملی تعاون کے لئے ہاتھ بھی بڑھایا۔ ان حضرات نے حکومت سے جو استدعا کی اس میں بطور خاص اس طرف توجہ دلائی کہ خاندانوں اور برادریوں کو بٹنے سے بچایا جائے۔ حکومت سے بات چیت کیلئے جو کمیٹی بنی اس کے صدر مولانا محمد علی اور سیکرٹری مولانا عبدالرحمٰن میانوی قرار پائے۔ جبکہ غازی محمد حسین' حافظ محمد صادق سیالکوٹی' سردار فیض محمد جتوئی' اور بلال زبیری جھنگوی اس کمیٹی کے ارکان تھے۔ اس کمیٹی نے پنجاب کے وزیر مہاجرین میاں افتخار الدین صاحب سے ملاقات کی۔ تفصیلی بات چیت ہوئی۔ مجلس کے نمائندہ وفد نے فیصلہ کے مطابق اپنا نقطہ نظر پیش کیا اور پھر تعاون کی یقین دہانی کرائی۔ میاں افتخار الدین صاحب نے آگے بڑھ کر وفد کے سامنے ایک تجویز پیش کی کہ زرعی اصلاحات فوراً نافذ کر دی جائیں اور زرعی اراضی کی ایک حد مقرر کر کے باقی زمین پر مہاجرین کو آباد کیا جائے میاں صاحب کا خیال یہ تھا کہ اس طرح حکومت کو زمینداروں سے کافی زمین مل جائے گی اور مہاجرین کی آباد کاری کا مسئلہ حل کرنے میں خاصی مدد ملے گی۔ مولانا محمد علی جالندھری جو صدر وفد تھے انہوں نے میاں صاحب پر واضح کر دیا کہ میری جماعت نے جن تجاویز کے متعلق گفتگو کی غرض سے مجھے بھیجا تھا اس سے زائد کسی مسئلہ پر میں جماعتی رائے نہیں دے سکتا۔ آپ کی رائے کا ذاتی طور پر سخت حامی اور موید ہوں اور چاہتا ہوں کہ ضرور ایسا ہو جائے۔ جماعت کی بات پوچھ کر عرض کی جاسکے گی۔ مجلس احرار اسلام جو حکومت الٰہیہ کی علمبردار تھی اس نے اپنے بیدار مغز جالندھری رہنما کی ذاتی رائے کو جو بلا شبہ عین عدل تھی بعد میں جماعتی طور پر حکومت کے سامنے پیش کر دیا اور حکومت کے وزیر مہاجرین کو ہر طرح تعاون کا یقین دلایا۔ [1]

حاشیہ اگلے صفحہ پر

ممتاز دولتانہ کا کردار

مجلس احرار اسلام نے مہاجرین کی آباد کاری کے سلسلے میں بھرپور تعاون کا یقین دلادیا اور زرعی اصلاحات کی میاں افتخار الدین والی اسکیم کی جماعتی طور پر تائید کی نیز ضلع وار آبادی کی رائے دی۔ دولتانہ صاحب اس کے حق میں نہ تھے کابینہ میں اختلاف ہو گیا اور انگریزی سیاست کے پروردہ سیاست دان جو اب اس "آزاد مملکت" کے کرتا دھرتا تھے وہ ایک اصولی تجویز پر متفق نہ ہوئے۔ مولانا محمد علی جو چودھری صاحب مرحوم کے بعد فکری طور پر جماعت میں اہم حیثیت کے مالک سمجھے جاتے تھے انہوں نے جماعت کے حکم سے دولتانہ سے بار بار ملاقات کی۔ مولانا کے دلائل کے سامنے دولتانہ میاں کا بس نہ چلتا لیکن وہ مستقبل کے فرضی خدشات کی آڑ لے کر اس رخ پر نہ آتا اور کہتا کہ مولانا مستقبل کی سیاست پر نظر رکھیں۔ جب اسمبلیوں میں نمائندگی کا مسئلہ پیش آئے گا تو شدید مشکلات ہوں گی۔ دراصل دولتانہ اور اس کی قبیل کے افراد قطعاً یہ پسند نہ کرتے کہ مخصوص مراعات یافتہ ٹولے کے سوا کوئی فرد اسمبلی میں آ سکے۔ اس لئے وہ اپنی جاگیر کا تحفظ ضروری سمجھتے۔ بہرحال مولانا دولتانہ سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے تفصیلی بیان پریس کو جاری کر دیا۔ بیان پریس میں آیا تو متعدد اہم آدمی اس کی تائید میں بول اٹھے۔ پیر صاحب مانکی شریف جو صوبہ سرحد کے ریفرنڈم میں حضرت العلامہ مولانا شبیر احمد عثمانی کے ساتھ ساتھ تھے اور مسلم لیگ کی مرکزی قیادت کے انتہائی معتمد انہوں نے بھی تائید کی' بلکہ انہی دنوں پیر صاحب ضلع جھنگ کے ڈی سی نوابزادہ فتح اللہ خان کے مہمان تھے ادھر مولانا جماعتی دورہ پر جھنگ تھے مرحوم بلال زبیری نے ملاقات کا اہتمام کیا پیر صاحب اتنے متاثر ہوئے کہ انہوں نے مولانا کو یقین دلایا کہ وہ بانی پاکستان اور گورنر جنرل سے اس مسئلہ پر بات کریں گے لیکن افسوس کہ وہاں بھی بات نہ بنی[۲] اور گورنر

حاشیہ سابقہ صفحہ

۱؎ صرف مہاجرین کی آباد کاری کے سلسلہ میں ہی نہیں بلکہ من حیث المجموعہ مجلس نے حکومت کے معاملہ میں تعاون علی البر والتقویٰ کے اصول پر عمل کیا۔ اس سلسلے میں حضرت امیر شریعت قدس سرہ کا ایک مکتوب گرامی لائق مطالعہ ہے جو آپ نے قیام خان گڑھ (مظفر گڑھ) کے زمانہ میں صدر مجلس احرار اسلام ماسٹر تاج الدین انصاری مرحوم کو لکھا۔۔۔ یہی وہ تاریخی خط ہے جو آئندہ مجلس کی پالیسی کی بنیاد بنا۔ (حیات امیر شریعت از جانباز مرزا ص311 تا 313)

2؎ ملک میں مختلف مواقع پر (دولتانہ ایوب، بھٹو کے ادوار) برائے نام زرعی اصلاحات ہوئیں بھی' لیکن شاطر جاگیرداروں نے اندر ہی اندر بندر بانٹ کر کے اپنا سب کچھ بچا لیا اس پر طرفہ تماشہ یہ کہ اس طبقہ نے آہستہ آہستہ میدان سیاست میں بھی اجارہ داری قائم کرنی شروع کر دی۔ اور اب ان کی گرفت کا یہ حال ہے کہ ملک میں بظاہر غیر جاگیردار حکومت ہے لیکن وہ زرعی ٹیکس تک نافذ نہیں کر سکتی۔ جبکہ مذہبی طبقہ مزارعت اور ایسے ہی ظالمانہ اقدامات کی حمایت کر کے اس طبقہ کو اور ہی ہلاشیری دے رہا ہے اور اس طرح یہ طبقہ خدا کی زمین پر خدا بن کر اللہ کی مخلوق پر ظلم کر رہا ہے۔ (انا حسرتا)۔۔(علوی)

جنرل اپنے قدیمی کھوٹے سکوں کو نظرانداز نہ کر سکے۔ پیر صاحب نے اس مقصد عظیم میں اپنی ناکامی کا اعتراف ایک خط میں کیا جو انہوں نے مولانا کو لکھا۔

نئے ملک میں پہلی احرار کانفرنس

مجلس احرار اسلام کے بیدار مغز، مدبر اور دور اندیش قائدین نے کم ظرفی کی بجائے عالی ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جو فیصلہ کیا اس کا اندازہ حضرت امیر شریعت کے اس خط سے ہو سکتا ہے جو اس سے قبل آپ ملاحظہ کر چکے، اس کے ساتھ ہی مولانا محمد علی جالندھری کی قیادت میں جماعتی وفد کے وزیر مہاجرین سے ملنے اور انہیں ذمہ دارانہ پیشکش کو بھی بطور شہادت پیش کیا جا سکتا ہے۔ رہ گیا جماعتی مسئلہ تو کوئی باشعور انسان کسی وقت بھی بغیر جماعت نہیں رہ سکتا اور ایک مسلمان کے لئے تو ایسا کرنا لازم ہے "علیکم بالجماعۃ" حضور نبی مکرم علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ شاہ جی نے اپنے اس خط میں جماعتی ضرورت کی طرف توجہ دلائی دی تھی، اس لئے ملتان کے اجلاس 1947ء میں جماعتی تنظیم کی طرف از سرنو توجہ دینے اور تقسیم ملک کے سبب بکھر جانے والے کارکنوں کو جوڑنے کا فیصلہ ہوا۔ مولانا محمد علی نے بحیثیت صدر پنجاب بھر کا طوفانی دورہ کیا، کارکنوں کی خدمت وطن کیلئے منظم ہونے کی تلقین کی اور ان کی اجتماعی قوت کے اظہار کے لئے فیصل آباد میں کانفرنس منعقد کرنے کا اعلان کر دیا۔

مرحوم کو نظم و تنظیم کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے بے پناہ صلاحیت بخشی تھی۔ اس بھاگ دوڑ کا نتیجہ یہ ہوا کہ جلد ہی جماعتی ورکر ایک قوت کی شکل میں سامنے آ گئے۔ فیصل آباد کانفرنس بڑے اہتمام سے منعقد ہوئی، لائل پور کا دھوبی گھاٹ بہار دکھانے لگا اور تقسیم سے قبل کی رونقیں عود کر آئیں۔ مولانا نے اس کانفرنس کے لئے مسلسل دو ماہ فیصل آباد قیام کیا۔ قریبی اضلاع کے دورے کئے مقامی ورکروں سے ملے اور ایک ایک چیز کی ذاتی طور پر نگرانی کی۔

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی جو اپنے بہت سے اعزہ سمیت یہاں چلے آئے تھے وہ یہاں کے حالات کی دل برداشتگی کے سبب انڈیا چلے گئے۔ میجر جنرل شاہ نواز (آزاد ہند فوج) جو کچھ عرصہ قبل مجلس احرار میں شامل ہو چکے تھے ان کی قیادت میں جیوش احرار کا جلوس ملک میں نئی زندگی کا باعث بنا۔

کشمیر اور مجلس احرار اسلام، مولانا محمد علی کا شاندار کردار

مجلس احرار کو کشمیر سے جذباتی وابستگی تھی، بھرپور مسلم آبادی کا یہ جنت نظیر خطہ ڈوگرہ راج کی چیرہ دستیوں کا جب 1931ء میں شکار ہوا تو مجلس نے پچاس ہزار رضاکار جیل بھیج کر حکومت کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔ اب جبکہ ملک تقسیم ہو چکا تھا تو لیگی قائدین تمام تر گیدڑ بھبکیوں کے باوصف پنجاب و بنگال پورے نہ لے سکے، چہ جائیکہ کشمیر۔ کہ وہ تو ریاست تھی اور ریاستوں کے معاملات ہی جدا تھے "تاہم کئے

پھٹے پنجاب میں ضلع گورداسپور بھی مل جاتا تو کشمیر اور کشمیری مسلمانوں کے لئے فائدہ ہوتا لیکن اسلامی ریاست کے علمبرداروں نے جس طرح ہندو، عیسائی، دہریئے دشمنان صحابہ اور مرزائی کلیدی آسامیوں پر براجمان کئے اور وزارت کا جو پاکھر سجایا اس نے انتہائی افسوس ناک بلکہ المناک صورت پیدا کر دی۔ چودھری ظفراللہ خان "قادیانیت" کے معاملہ میں واضح رائے رکھتے تھے ان کا کفر وارتداد واضح اور صاف تھا لیکن باؤنڈری کمیشن کے لئے مسلم لیگ نے انہیں اپنا وکیل مقرر کر کے نہ صرف قوم سے غداری کی بلکہ اللہ تعالٰی کے واضح احکامات کو بھی جھٹلایا۔ ظفراللہ خان "کڑ کڑ کہیں اور انڈے کہیں" کا مصداق تھے وکیل مسلم لیگ کے فیس بھتہ مسلم لیگ کی وساطت سے قوم کے خزانے سے لیکن تعمیل ارشاد آں جہانی مرزا بشیرالدین محمود۔ اس نے اپنے ہی طور پر شیخ بشیر احمد قادیانی کو گورداسپور کے حصہ کا کیس دے دیا۔ لیگی لیڈر دولتانہ، ممدوٹ اور شوکت حیات جو کیس کی نگرانی کے ذمہ دار تھے اور جن کا کام تمام معلومات فراہم کرنا تھا اور اپنے اللے تللوں میں مشغول تھے "گورداسپور کٹ گیا۔ مرزائی جیت گئے اور چند در چند نقصانات کے ساتھ کشمیر کا مسئلہ مستقلاً الجھ گیا۔ ستمبر 1947ء میں ڈوگرہ حکومت نے چودھری غلام عباس مرحوم صدر مسلم کانفرنس کو گرفتار کر لیا۔ جس سے کشمیر بھر میں بغاوت پھیل گئی۔ آزاد جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے ایک رہنما اور آزاد حکومت کے سابق صدر سردار عبدالقیوم صاحب کے متعلق مشہور ہے کہ انہوں نے اعلان بغاوت کر کے اور مجاہدین کی مدد سے راولاکوٹ پر قبضہ کر لیا اور یوں آزاد کشمیر حکومت کی بنیاد پڑی۔ لیکن احقر کی معلومات کی بناء پر یہ بات صحیح نہیں، پہلی گولی اور تحریک کی قیادت کا سہرا انہی علماء پر ہے جو ہر دور میں قافلہ کے سالار رہے۔ (1) سردار صاحب بھی اس مہم میں شریک ہو گئے اور مجاہد علماء نے انہیں زیادہ اہمیت دے دی جس کا صلہ سردار صاحب نے اپنے دور قیادت و حکومت میں علماء کو کردار کشی کی شکل میں دیا اور آزاد کشمیر میں مسلم لیگ کی روایت کو دہرایا اور اب تو سردار صاحب ایک کٹر قسم کے فرقہ پرست انسان کا روپ دھار چکے ہیں۔(فیاللعجب)

بہر طور مولانا عبدالعزیز راجوری دفتر احرار میں تعاون کی درخواست لے کر آئے۔ شاہ جی اور مولانا محمد علی سے ان کی بات ہوئی صورت حال سے آگاہی حاصل کر لینے کے بعد ان حضرات نے جماعتی احباب کے مشورہ کے بعد پالیسی واضح کرنے کا وعدہ کر لیا۔ وعدہ کے مطابق اجلاس ہوا مظلوم کشمیری مسلمانوں کی ہر نوع امداد کا فیصلہ کر کے پروگرام وضع کیا گیا۔ رضاکاروں کی فہرستیں تیار ہونے لگیں اور جنوری 1948ء میں 11 رضاکاروں پر مشتمل پہلا دستہ اللہ کا نام لے عازم کشمیر ہوا۔

ڈیڑھ ماہ بعد جب یہ لوگ واپس آئے تو مولانا محمد علی نے ان سے مقامی ضروریات معلوم کر کے

---

(1) ضرورت ہے کہ محرم راز حضرات آزاد کشمیر حکومت کے قیام کی مستند تاریخ لکھ کر محفوظ کر دیں۔ (علوی)

انہیں فراہم کرنے کی پالیسی تیار کی۔ملک بھر میں بالعموم اور پنجاب میں بالخصوص ہر ماتحت شاخ کو ضروری سامان فراہم کرنے کا لکھا۔ادھر ایک انقلابی مسلمان اقبال شیدائی صاحب کی مسلم ورلڈ ایسوسی ایشن کے سیکرٹری ایم کے میر اور مجلس میں کشمیری مجاہدین سے مل کر ضروریات زندگی فراہم کرنے کا معاملہ طے ہوا چنانچہ دسمبر 1948ء تک رضاکار کشمیر کے علاقوں میں ضروری سامان پہنچاتے رہے۔لاہور کے شیخ سلطان محمد، محمد اسلم بٹ، مولانا عبدالغنی، خانیوال کے شیخ محمد سعید، فیصل آباد کے شیخ اشفاق احمد، گوجرانوالہ کے محمد حسین مجاہد اور جھنگ کے مرحوم بلال زبیری آخری قافلہ کے طور پر کشمیر گئے اور اس وقت واپس لوٹے جب سلامتی کونسل نے عارضی جنگ بندی کا فیصلہ کیا۔

کشمیر کے معاملے میں لگے ہاتھوں مرحوم امیر شریعت کے وہ چند جملے دیکھ لینے چاہیں جو انہوں نے اس وقت فرمائے جب 1949ء میں احرار نے لاہور میں "دفاع کانفرنس" منعقد کی۔شاہ جی جب تقریر کر رہے تھے تو چودھری غلام عباس اپنی رہائی کے بعد پنڈال میں پہنچے۔مسلمان عوام بالخصوص رضاکاران احرار نے روایتی انداز سے استقبال کیا "کشمیر ہمارا ہے" کے نعرے لگے۔بخاری صاحب نے فیصلہ کن انداز میں بات کہی اور جو فرمایا وہ ہو کر رہا۔(حیات امیر شریعت صفحہ 326)

اس طرح قلندر کا کہا ہوا حقیقت بن گیا اور ہم اب تک وہیں کھڑے ہیں حالانکہ اس مسئلہ پر مسلسل جنگ و جدال کا سلسلہ جاری ہے۔اور دونوں ملکوں کے درمیان اصل وجہ نزاع بھی یہی مسئلہ ہے۔(دیکھیں صدر ضیاء کے قومی اخبارات 8 دسمبر 1982ء میں شائع شدہ بیانات جو انہوں نے امریکہ میں دیئے)

دفاع کانفرنس اور سیاسیات سے علیحدگی

کشمیر کی وجہ سے جیسا کہ عرض کیا گیا دونوں ملکوں کے درمیان کشیدگی قدرتی بات تھی بڑی طاقتیں پاکستان کو کمزور سمجھتی اور تھا بھی یہ واقعہ، اس لئے بڑی طاقتوں کی ہمدردیاں انڈیا کے ساتھ تھیں لیکن نیا نیا ملک بنا تھا۔لوگ غیرت و حمیت کے جوہر سے آشنا تھے دل ناتواں نے خوب مقابلہ کیا۔یہ الگ بات ہے کہ اسلامی افواج کے غیر مسلم سربراہ جنرل گریسی اور مرزائی وزیر خارجہ ظفراللہ کے سبب ہم پڑ گئے اور کشمیر کا ایک حصہ ہمارے یہاں آگیا تو ایک بدستور وہیں رہا۔مجلس احرار اس صورت حال سے غافل نہ تھی وہ قوم کے تن مردہ میں روح پھونکنے اٹھ کھڑی ہوئی تباہ حال اور رلٹے پٹے رضاکار اور عام مسلمانوں میں بیداری کچھ تو فیصل آباد کانفرنس سے ہو چکی تھی لیکن قلب پاکستان لاہور جب تک پوری قوت سے نہ دھڑکتا بات بننے والی نہ تھی۔اس صورت حال کے پیش نظر لاہور میں دفاع پاکستان کانفرنس کا اعلان ہوا۔

12، 13، 14، جنوری 49ء کے بخ بستہ دنوں میں یہ کانفرنس احرار پارک دہلی دروازہ میں منعقد ہوئی

سالار جیوش جناب میاں معراج الدین آف مزنگ لاہور رہتے (1) تو عمومی منتظم مولانا محمد علی۔

"حیات امیر شریعت" کے مصنف کے بقول اس میں پچاس ہزار کارکن اور باوردی رضاکار شریک ہوئے آخری اور بھرپور اجتماع میں شیخ حسام الدین صاحب مرحوم نے جو قرارداد پیش کی وہ اس قافلہ کے نئے سفر اور نئی منزل کی غماز ہونے کے سبب انتہائی اہم ہے۔(دیکھیں حیات امیر شریعت ص-320 تا 322)

اس قرارداد کے آخری حصہ میں یہ واضح کر دیا گیا کہ مجلس آئندہ سے اپنی سعی و عمل کو مسلمانوں کے دینی عقائد و رسوم کو درست رکھنے اور خصوصاً مسئلہ ختم نبوت کی مرکزی اہمیت کو برقرار رکھنے کے لئے تبلیغی سرگرمیوں تک محدود رہے گی اور آخر میں کہا گیا کہ

> "جو ارا کین و ہمدردان احرار زمانہ حال کے موافق سیاسی خدمات سرانجام دینا چاہتے ہیں وہ مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے اپنے روایتی اخلاص اور عملی انہماک سے ملک و ملت کی خدمت میں حصہ دار بن سکتے ہیں" (حیات امیر شریعت صفحہ 322)

اس قرارداد کی تائید میں حضرت امیر شریعت نے مفصل تقریر فرمائی اور تقریر کے ساتھ ساتھ جیوش مجلس کے عہدیداروں کو انعامی تلواریں اور تمغے دیئے۔ آپ کی تقریر کے چند جملے بطور خاص نقل کئے جا رہے ہیں تاکہ سیاست سے علیحدگی کی داستان تشنہ نہ رہے۔ آپ نے فرمایا۔

مجلس احرار اب مذہبی اصلاحی کاموں میں سرگرم عمل رہے گی۔ مسئلہ ختم نبوت اس کا بنیادی مسئلہ ہے سیاست اب ہماری منزل نہیں وہ جانے مسلم لیگ اور اس کا کام۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ مسلم لیگ کے پاس قوت ہے اور ہم اس قوت سے ڈر گئے ہیں، نہیں نہیں، بلکہ ملک کی ضرورت اور حالات ہمیں مجبور کرتے ہیں کہ ہم متحد ہو کر بغیر کسی اندرونی خلفشار کے پاکستان کی کمزور بنیادوں کی نگہداشت کریں ان الفاظ سے میں اس قرارداد کی تائید کرتا ہوں۔(حیات امیر شریعت صفحہ 327) 2

---

(1) افسوس میاں صاحب، بھی چند سال قبل لاہور میں انتقال کر گئے اناللہ وانا الیہ راجعون اور ایک میاں صاحب پر ہی کیا منحصر ہے اس قافلہ کے اکثر حضرات اس دنیا سے جا چکے۔ جو باقی ہیں تیار بیٹھے ہیں اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے لئے کہا تھا۔ من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ (الاحزاب)

2 نئی مملکت پاکستان کے استحکام و بقا اور اس میں اسلامی نظام حیات کے نفاذ، مہاجرین کی آبادکاری اور حتیٰ کہ اپنے ورکروں کو مسلم لیگ میں شامل ہو کر کام کرنے کی اجازت دینے کے باوجود مسلم لیگی حکومت اور اس کے کل پرزے بدگمانیوں کا شکار رہے اور انہوں نے ان مخلص و مدبر اور جفاکش لوگوں سے تعاون کی قطعاً ضرورت محسوس نہ کی بلکہ ان پر بہتان تراشی ان کا شیوہ رہا۔۔۔انتہا یہ ہے کہ منیر رپورٹ کے مرتبین عدلیہ کے ارکان ہونے کے باوصف انصاف پر قائم نہ رہ سکے۔۔ایک جگہ لکھا ہے

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مجلس احرار اسلام کے زعماء نے جس بے لوثی' اخلاص اور دردمندی کا ثبوت دیا۔ مسلم لیگ کے تھڑ دلے رہنماؤں اور لیڈروں نے اس کے بالمقابل ذرہ برابر شرافت و نیک عملی کا مظاہرہ نہ کیا وہ جس شاخ کے گل بوٹے تھے ان کی مرضی بھی انہی کے تابع تھی۔ 1906ء میں جب یہ جماعت شملہ وفد کے نتیجہ میں معرض وجود میں آئی تو اس کے اغراض و مقاصد دیکھ کر ہی گھن آتی تھی۔ بظاہر مسلم برادری کے حقوق کی بات تھی اور بباطن انگریزی مفادات کا تحفظ (مسلمانوں کا روشن مستقبل) یہی وجہ تھی کہ 1908ء میں نوجوان ابوالکلام کو جب اس میں شمولیت کی دعوت دی گئی تو اس نے واضح طور پر کہہ دیا کہ زندگی میں ہر گناہ گوارا لیکن یہ بات گوارا نہیں۔ مسلم لیگ نے اپنی ساری تاریخ میں ایسا ہی رول ادا کیا۔ اب جبکہ وہ نشہ اقتدار میں مخمور تھی تو اس سے خیر و بھلائی کی توقع ہی عبث تھی۔ وہ ملک کی اسمبلی میں ذمہ دارانہ انداز سے مسلم غیر مسلم کا امتیاز مٹانے کا اعلان کر چکی تھی۔ اس نے قانون کی وزارت ہندو اور امور خارجہ کی وزارت مرزائی کو دے کر نیز فوج کا سربراہ اور بعض صوبوں کے گورنر عیسائیوں کو بنا کر اپنے تمام وعدوں پر خط تنسیخ کھینچ دیا تھا اس کے باوجود بھی یہ مخلص حضرات یہ چاہ رہے تھے کہ جو ہوا اتنی بڑی بربادی کے بعد جو ملک بنا ہے اس کی بقاء و استحکام کی فکر ضروری ہے' یہی جذبہ تھا جس کے سبب وہ سب پاپڑ بیل رہے تھے۔ لیکن ان کے بالمقابل ایسے لوگ تھے جن کے یہاں اخلاق و شرافت کی کوئی قیمت نہ تھی انہوں نے تعاون کا ہر ہاتھ جھٹلایا' ماضی کے اختلاف کے حوالے سے طعن و تشنیع کے تیر برسائے۔ بخت و اتفاق کا معاملہ تھا کہ قوت و اقتدار ان کے ہاتھ میں تھا اس لئے اہل قلم و صحافت ان کے جیب کی گھڑی تھے۔ (الا ماشاء اللہ) اور ذرائع ابلاغ ان کے ہارن ولاؤڈ سپیکر' نتیجہ یہ ہوا کہ شرافت و اخلاق کی قدریں پنپ نہ سکیں کمینگی' بزدلی اور بے حمیتی معاشرہ میں سرایت کر گئی' جمہوریت کا بچھڑا جسے مسلسل پوجا گیا تھا اس کی راکھ بحر ہند میں بکھیر دی گئی۔ سوشلزم کا تجربہ ناکامی و نامرادی کی بھینٹ چڑھ گیا قانون عدل و شرافت کا تو سوال نہ تھا فوجی جنتا اس ملک کا مقدر قرار پائی۔ ملک دو ٹکڑے ہو گیا اور ہم اب تک دوراہے پر کھڑے ہیں اور نہیں معلوم ہماری منزل کیا ہے؟![1]

بقیہ حاشیہ سابقہ صفحہ

"پاکستان کی نئی مسلم مملکت کے قیام سے انہیں شدید صدمہ ہوا ان کے نظام عقائد کی عمارت متزلزل ہو گئی اور وہ ایک سیاسی جماعت کی حیثیت سے بالکل ختم ہو گئے۔ وہ اسی ناکامی و مایوسی کی حالت میں رہے' انہیں اپنے مستقبل کے متعلق کچھ نہ سوجھتا تھا"۔

(منیر رپورٹ)

ان سب باتوں سے منیر رپورٹ اور انتظام لینے نیز اپنا سیاسی مستقبل بنانے کی چال تھی۔۔۔ قرآن کی زبان میں "سبحانک ہذا بہتان عظیم" کے سوا اس کا کوئی جواب نہیں۔ (علوی)

[1] 1977ء کی تحریک کا بنیادی نعرہ اسلام تھا اس وقت کے حکمران بھی اسلام کے لئے کچھ کرنے کے متمنی تھے لیکن مجلس کی شوریٰ کے رکن حاجی بلند اختر کے بقول یہ مارشل لاء اسلام کا راستہ روکنے کیلئے لگا۔ البتہ اس کے ذمہ دار جرنیل

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

دستور پاکستان

ملک تو تقسیم ہو گیا اور اس طرح لاکھوں انسان بے گھر ہوئے' ہزاروں لقمہ اجل بنے۔ مسلم لیگ نے لاالہ الا اللہ کے نعرے پر یہ جنگ جیتی تھی جب مسلمان قوم نے اس کی آواز پر اتنی بڑی قربانی دی تو اب اس کا فرض تھا کہ وہ اسلامی عدل پر مبنی دستور کا اہتمام کر کے اس کو عملاً "نافذ کرتی۔ لیکن افسوس کہ ایسا نہ ہوا۔ ۱۱۔ ستمبر 1947ء کے اجلاس پارلیمنٹ میں گورنر جنرل کی تقریر جو منیر انکوائری رپورٹ کے حوالہ سے شائع ہو چکی ہے پچھلے سارے مشن کی نفی پر مبنی تھی اور خداوندان لیگ عملاً" ملک کو بے دینی کی طرف لے جانے میں مصروف تھے۔ کلیدی آسامیوں پر غیر مسلم بلکہ مرتد افراد کا تقرر بھی اس سلسلے کی کڑی تھی۔ اس صورت حال پر ملک کا ہر دردمند مسلمان پریشان تھا اور مجلس احرار اسلام جو مجدد دولی اللٰہی فکر کی ترجمان و شارح تھی جس نے دینی عقیدہ کے طور پر طویل و صبر آزما جنگ لڑی تھی جو "حکومت الٰہیہ" کی قرارداد کی مصنف تھی اس کے قائدین اور رورکروں کے لئے تو یہ معاملہ اور بھی باعث اذیت تھا۔

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی جو اپنے طبقہ کی عمومی رائے کے برعکس مسلم لیگ کے زبردست حامی و موید تھے مولانا محمد علی نے ان سے ملنے کا پروگرام بنایا۔ مولانا المحترم پارلیمنٹ کے رکن تھے۔ انہوں نے کمال درجہ خلوص و للہیت سے تحریک پاکستان میں حصہ لیا تھا دستوریہ کے رکن ہونے کی بناء پر وہ اندرونی حالات سے بہت کچھ واقف اور مضطرب و بے چین تھے۔ جب مولانا محمد علی ان سے ملے تو انہیں ازحد مسرت ہوئی۔ سینہ چاکان چمن آپس میں ملے تو گل بوٹے مسکرا اٹھے' مولانا عثمانی کسی ہم دم و محرم راز کے متلاشی تھے۔۔۔۔ سوچ و بچار اور گفتگو کے بعد وزیر اعظم پاکستان لیاقت علی خان مرحوم سے ملنے کا پروگرام بنا۔ چنانچہ ہر دو حضرات لیاقت صاحب سے ملے۔ انہوں نے علماء کے مختلف فرقوں کے باہمی اختلاف کی آڑ میں گفتگو کی حالانکہ فرقہائے مختلفہ اسلامی عقائد و روایات کے معاملہ میں متفق اللسان ہیں اور جو متفق اللسان ہیں وہ مسلمان ہی ہیں۔ لیاقت علی مرحوم پر کیا بس تھی اس طبقہ کے سبھی خورد و کلاں کی یہی سوچ تھی اور اللہ تعالیٰ بدگمانی سے بچائے میرا خیال یہ ہے کہ دین اسلام سے اعراض و گریز کی دانستہ پالیسی پر پردہ ڈالنے کے لئے ان لوگوں نے یہ مسلسل بہانہ تراش لیا تھا۔ بہرحال مولانا عثمانی اور

بقیہ حاشیہ سابقہ صفحہ

نے نہایت درجہ عقلمندی سے اسلام کا راستہ اسلام ہی کے نام سے روکا۔ فقہ حنفیہ کے بالمقابل فقہ جعفریہ' زکوٰۃ کا اعلان اور اس کیلئے چھوٹ' شریعت بل اور اس کی راہ روکنا اور نہ معلوم کتنے ایسے کام ہیں جو اس دعویٰ کی دلیل ہیں۔

اور اب اسلامی نظام کی دعوے دار حکومت کے شریعت بل کا یہ حال ہے کہ اس میں غیر معینہ مدت کیلئے سودی نظام کو تحفظ حاصل ہے۔ مسلم فیملی لاز کو تحفظ حاصل ہے' اسلامی معاشرہ کے قیام کی ذمہ داری حکمرانوں کے بجائے عوام پر ہے اور یہ حکمران حسب معمول احتساب سے بالا ہیں۔ (فیا للعجب)

مولانا محمد علی نے وزیر اعظم کے اس چیلنج کو قبول کر لیا اور جملہ مسالک کے لوگوں کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کرنے کے لئے بھرپور جدوجہد شروع کر دی۔ علامہ عثمانی نہ تو عمر کی اس منزل میں تھے نہ ان کی افتاد طبع کہ وہ اس طرح کی بھاگ دوڑ کر سکتے لیکن مولانا محمد علی ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک ایک بزرگ کے دروازے پر گئے جس کے نتیجہ میں مولانا احتشام الحق تھانوی کی دعوت پر سردار مولا بخش سومرو کے مکان پر 31 علماء کی تاریخ ساز میٹنگ ہوئی جس میں 23 نکات مرتب ہوئے۔ عام طور پر 22 نکات کا ذکر چرچا ہوتا ہے اور 23 واں نکتہ جو عقیدہ و مسئلہ ختم نبوت کے معاملہ میں حرف آخر تھا اس کو گول کر دیا جاتا ہے۔ فرزند امیر شریعت مولانا سید ابوذر بخاری نے اس ضمن میں مرحوم مولانا احتشام الحق سے ملاقات کر کے اصل بات معلوم کرنا چاہی (کیونکہ تمام ریکارڈ مولانا تھانوی کے پاس تھا) مولانا تھانوی نے بتلایا تھا کہ جناب مودودی صاحب اس 23 ویں نکتہ کے خلاف موقف رکھتے تھے اور اپنی تجدد پسند طبیعت کے سبب یہ استدلال کرتے تھے کہ اس طرح قادیانیوں سے الجھاؤ پیدا ہو کر دستور اسلامی کا مطالبہ کھٹائی میں پڑ جائے گا۔ جب دستور اسلامی کا مرحلہ طے ہو گیا تو قادیانی خود بخود منطقی انجام کو پہنچ جائیں گے۔ مودودی صاحب کی بے جا ضد کے نتیجہ میں اس اہم ترین نکتہ کو قرارداد کی شکل دیدی گئی۔ (1)

مودودی صاحب کی اس ضد کی وجہ سمجھ میں آتی تھی کیونکہ وہ قادیانیوں کے ایک گروہ یعنی لاہوری مرزائیوں کو تو سرے سے چھیڑنے کے حق میں نہ تھے۔ رہ گئے ’ربوائی‘ تو مودودی صاحب انہیں اس لئے کافر کہتے کہ وہ ہمیں کافر کہتے ہیں۔ حالانکہ ان کے کفر کی اصل بنیاد ان کا عقیدہ ختم نبوت کا انکار ہے اور انہوں نے 1953ء کی تحریک میں بھی اسی قسم کا رول ادا کیا تھا۔ جیسا کہ آگے چل کر ہم عرض کریں گے۔ بہر طور 33 علماء نے مل کر اپنا فرض ادا کر دیا جن میں مولانا محمد علی کا کردار بڑا اہم ہے لیکن دستور نہ بننا تھا نہ بنا۔ پہلی دستور یہ نوکر شاہی کے ایک پرزے مسٹر غلام محمد نے توڑ دی اور جسٹس منیر نے اس کے اقدام کو درست قرار دے کر عدلیہ کے چہرے کو داغدار کر دیا۔ 1956ء میں چودھری محمد علی مرحوم نے دستور بنایا جب وہ وزیر اعظم تھے، چودھری صاحب ذاتی طور پر شریف النفس انسان تھے لیکن دستور اسلامی کے معاملہ میں انہوں نے بھی ٹھوکر کھائی جس کا ثبوت وہ تنقیدی رپورٹ ہے جو مولانا شمس الحق افغانی، مرحوم مفتی محمود، شیخ حسام الدین اور علامہ خالد محمود نے مرتب کی۔ اس کے بعد 62ء کا دستور بنا پھر 73ء کا اور اب عبوری فوجی آئین ہے۔ فیا حسرتا

---

(۱) ۲۳ نکات کی تفصیل اسی شکل میں سامنے آ سکتی ہے کہ مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم کے ورثا سے تمام ریکارڈ لے کر اس کا متن شائع کرایا جائے .... یہ کام مجلس تحفظ ختم نبوت کرے یا کوئی دوسری جماعت یا ادارہ۔ بہرحال متن وقت کی اہم ترین ضرورت اور تاریخ کا حصہ ہے (علوی)

تیئسواں نکتہ

۱۹۴۹ء میں وزیراعظم لیاقت علی خان نے علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے توسط سے قرارداد مقاصد منظور کرا کے دستور پاکستان کا حصہ بنا دیا تھا۔ مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ نے جو ریکارڈ حضرت ابوذر بخاری کے سپرد کیا تھا اس کے مطابق دستور پاکستان کو اسلامی بنانے کے لئے ۲۱ تا ۲۴/جنوری ۱۹۵۱ء کو کراچی میں تمام مکاتب فکر اور دینی جماعتوں کے نمائندہ علماء کا ایک کنونشن علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ کی صدارت میں منعقد ہوا اور متفقہ طور پر ۲۲ نکات ترتیب دیئے گئے۔ دسمبر ۱۹۵۲ء میں جب دستوری سفارشات کمیٹی (بیسک پرنسپل کمیٹی Basic Principles Committe) کی رپورٹ منظر عام پر آئی تو جنوری ۱۹۵۳ء میں جائزہ لینے کے لئے علماء کے دستوری کنونشن کا ایک اجلاس پھر کراچی میں منعقد ہوا۔ مجلس احرار اسلام کی برپا کردہ تحریک تحفظ ختم نبوت عروج پر تھی کل جماعتی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت نے متفقہ طور پر دستوری کنونشن سے مطالبہ کیا کہ قادیانی و لاہوری مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے مطالبہ کو ۲۲ نکاتی دستوری خاکہ میں تیئیسویں نکتہ کے طور پر مستقل شق کی حیثیت سے شامل کیا جائے چنانچہ دستوری کنونشن کی بیس رکنی کمیٹی نے قرارداد اقلیت کو تیئیسویں نکتہ کے طور پر دستوری سفارشات میں شامل کر لیا۔ اور اس تیئیس (۲۳) نکاتی دستوری خاکہ کو دستور ساز اسمبلی کی سفارشات کمیٹی کے سپرد کر دیا۔ ملاحظہ فرمائیں ۲۳واں نکتہ جو "بعض لوگوں" کو عمداً یاد نہیں خصوصاً جماعت اسلامی کو جبکہ امیر جماعت سید ابوالاعلیٰ مودودی کے دستخط اس ترمیم کے مسودہ پر موجود ہیں۔

(بحوالہ پمفلٹ ۲۳ نکات، مرتب: جانشین امیر شریعت حضرت مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاری رحمہ اللہ، شائع کردہ مکتبہ مجلس احرار اسلام پاکستان ۱۹۷۰ء) (ناشر)

ضمیمہ دوم متعلقہ "مجموعہ آئینی ترمیمات مجوزہ دستوری کنونشن

۱۔۔۔۔ اس ضمیمہ میں مسلم نشستوں کے عنوان کے کالم میں پنجاب کے بالمقابل اٹھاسی (۸۸) کی جگہ ستاسی (۸۷) کا عدد درج کیا جائے اور ایک نئے کالم کا اضافہ کیا جائے۔ جس کا عنوان "کادیانیوں کے لئے مخصوص نشستیں" ہو۔ اس کالم میں پنجاب کے بالمقابل ایک (۱) کا عدد درج کیا جائے۔ نیز "ضمیمہ دوم" کی تشریحات میں حسب ذیل پانچویں دفعہ کا اضافہ کیا جائے۔

"پنجاب میں کادیانیوں کی ایک نشست پُر کرنے کے لئے پاکستان کے

دیگر علاقوں کے کادیانی بھی ووٹ دینے اور مذکورہ نشست پر رکن منتخب ہو سکنے کے مستحق ہوں گے۔"

۲۔ کادیانیوں کی تشریح یوں کی جائے:۔ "کادیانی سے مراد وہ شخص ہو گا جو مرزا غلام احمد کادیانی کو اپنا مذہبی پیشوا مانتا ہو"

۳۔ یہ ایک نہایت ضروری ترمیم ہے جسے ہم پورے اصرار کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

ملک کے دستور سازوں کے لئے یہ بات کسی طرح موزوں نہیں ہے۔ کہ وہ اپنے ملک کے حالات اور مخصوص اجتماعی مسائل سے بے پرواہ ہو کر محض اپنے ذاتی نظریات کی بناء پر دستور بنانے لگیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ملک کے جن علاقوں میں کادیانیوں کی بڑی تعداد مسلمانوں کے ساتھ ملی جلی آباد ہے۔ وہاں اس کادیانی مسئلہ نے کس قدر نازک صورت حال پیدا کر دی ہے۔ اُن کو پچھلے دور کے بیرونی حکمرانوں کی طرح نہ ہونا چاہیے۔ جنہوں نے "ھندو مسلم مسئلہ" کی نزاکت کو اس وقت تک محسوس نہ کیا۔ جب تک متحدہ ہندوستان کا گوشہ گوشہ دونوں قوموں کے فسادات سے خون آلود نہ ہو گیا۔ جو دستور ساز افراد اس ملک کے رہنے والے ہیں۔ ان کی یہ غلطی بڑی افسوسناک ہو گی کہ جب تک وہ پاکستان میں "کادیانی مسلم تصادم" کو آگ کی طرح بھڑکتے ہوئے نہ دیکھ لیں۔ اس وقت تک انہیں اس بات کا یقین نہ آئے کہ یہاں ایک "کادیانی مسلم مسئلہ" بھی موجود ہے۔ جسے حل کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ اس مسئلہ کو جس چیز نے نزاکت کی آخری حد تک پہنچا دیا ہے وہ یہ ہے کہ کادیانی ایک طرف "مسلمان" بن کر مسلمانوں میں گھستے بھی ہیں اور دوسری طرف عقائد، عبادات اور اجتماعی شیرازہ بندی میں مسلمانوں سے نہ صرف الگ بلکہ ان کے خلاف صف آرا بھی ہیں اور مذہبی طور پر تمام مسلمانوں کو علانیہ "کافر" قرار دیتے ہیں۔ اس خرابی کا علاج آج بھی وہی ہے۔ اور پہلے بھی یہی تھا۔ (جیسا کہ "علامہ اقبال" مرحومؒ نے اب سے بیس برس پہلے فرمایا تھا کہ "لاہوری، قادیانی) مرزائی جو مرزا غلام احمد کو (مجدد یا نبی کے عنوان سے) اپنا روحانی پیشوا مانتے ہیں، ان کو ایک جداگانہ اقلیت قرار دے کر اسمبلی میں اُن کے لئے ایک نشست مخصوص کر دی جائے اور دوسرے علاقوں کے مرزائیوں کو اس نشست کے لئے کھڑے ہونے اور ووٹ دینے کا حق دیا جائے"

تحریک ختم نبوت 1953ء

1953ء کی تحریک ختم نبوت کا پس منظر و پیش منظر معلوم کرنے کی غرض سے خاصی طویل بحث کی ضرورت ہے اور اس کی چند وجوہات ہیں۔

ایک تو یہ کہ صاحب تذکرہ مولانا محمد علی مرحوم کا اس میں بڑا موثر رول ہے دوسرے اس لئے کہ اس تحریک کا پاکستان کے استحکام و بقاء کے ساتھ گہرا تعلق ہے اور بھی وجوہات اس ضمن میں آتی ہیں جو ساتھ ہی ساتھ سامنے آتی چلی جائیں گی۔

اس تحریک کا بنیادی سبب مرزائی جماعت کی منہ زوری تھی۔ قارئین جانتے ہیں کہ مرزائی جماعت ان مسلمہ معتقدات کے خلاف ایک سازش کا نام ہے جسے انگریز نے پروان چڑھایا۔

حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ و اصحابہ و سلم خاتم النبین ہیں۔ یہ ایسی مسلمہ حقیقت ہے جس پر گفتگو بالکل عبث ہے، اس ضمن میں دو آراء ہو ہی نہیں سکتیں۔ امت مسلمہ کے عظیم مقتدا حضرت امام ابو حنیفہ قدس اللہ سرہ العزیز مدعی نبوت سے دلیل طلب کرنے کو بھی کفر وار تداد شمار کرتے ہیں۔ اور اس کی وجہ بالکل ظاہر ہے کہ دلیل طلب کرنا عقیدہ میں کمزوری کی دلیل ہے۔ جب یہ بات تسلیم کر لی گئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و علی آلہ و سلم اللہ تعالیٰ کے آخری رسول پیغمبر ہیں تو اب کسی مدعی نبوت سے دلیل کا سوال ہی نہیں۔

قرآن عزیز کی ایک سو آیات حضور علیہ السلام کے دو سو ارشادات اور صحابہ علیہم الرضوان سے لے کر اب تک کے علماء و محدثین اور پوری امت مسلمہ کا اس مسئلہ پر بھرپور اجماع ہے۔ دار العلوم دیوبند کے سابق مفتی مولانا محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس موضوع پر کتاب "ختم نبوت کامل" ایک شاہکار درجہ رکھتی ہے جس کے تین حصوں میں پہلا حصہ قرآنی آیات دوسرا حدیثی دلائل اور تیسرا آثار و روایات سے متعلق ہے۔ حضرت مفتی صاحب کے علاوہ آپ کے استاذ و مربی اور مجلس احرار اسلام کے سرپرست و محسن حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب نیز آپ کے بعض دوسرے تلامذہ مولانا بدر عالم میرٹھی، مولانا محمد ادریس کاندھلوی وغیرہ کی کتابیں اس موضوع پر لائق مطالعہ ہیں۔

سرور کائنات علیہ السلام کے سانحہ ارتحال کے بعد صحابہ علیہم الرضوان کو جن بڑی بڑی مصیبتوں سے پالا پڑا ان میں مدعیان نبوت کی مصیبت سب سے بھاری تھی اور ان میں سے مسیلمہ کذاب اپنی قوت و جمعیت اور وسائل کے اعتبار سے بڑا اہم۔ لیکن صحابہ علیہم الرضوان نے خلیفہ بلا فصل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں ان تمام مدعیان نبوت کے خلاف جنگ لڑی اور صرف مسیلمہ کذاب کے بالمقابل سات سو حاملین قرآن صحابہ شہید ہوئے۔ اس مقدس خون کے نتیجہ میں یہ مسئلہ ایسا

الم نشرح ہوا کہ کسی دور میں بھی امت مسلمہ نے اس قسم کے نعرہ کو برداشت نہ کیا۔ مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری مرحوم نے خاص تحقیق کے ساتھ ایمان کے ان ڈاکوؤں کی تفصیلات ایک کتاب میں فراہم کردی ہیں اور ابھی حال ہی میں لاہور کے ایک نوجوان وکیل جناب کنور انتظار خان نے قومی روزنامہ "مشرق" کے میگزین (جمعہ ایڈیشن) میں بالاقساط ان لوگوں کا تعارف کرایا ہے جن کی آخری کڑی مرزا غلام احمد تھے مرزا غلام احمد اس شجرہ خبیثہ کی وہ ٹہنی ہے جو انگریزی سطوت کی چھتری تلے پروان چڑھی۔ مولانا سید ابو الحسن علی ندوی لکھتے ہیں۔

مرزا غلام احمد نے درحقیقت اسلام کے علمی و دینی ذخیرہ میں کوئی ایسا اضافہ نہیں کیا جس کیلئے اصلاح و تجدید کی تاریخ ان کی معترف اور مسلمانوں کی نسل جدید ان کی شکر گزار ہو۔ انہوں نے نہ کوئی دینی خدمت انجام دی جس کا نفع دنیا کے سارے مسلمانوں کو پہنچے۔ نہ وقت کے جدید مسائل میں سے کسی مسئلہ کو حل کیا نہ ان کی تحریک موجودہ انسانی تہذیب کیلئے جو سخت مشکلات اور موت و حیات کی کشمکش سے دوچار ہے کوئی پیغام رکھتی ہے [illegible] یورپ اور ہندوستان کے اندر تبلیغ و اشاعت کا کوئی کارنامہ سرانجام دیا ہے ۔ اس کی جدوجہد کا تمام میدان مسلمانوں کے اندر رہے اور اس کا نتیجہ صرف ذہنی انتشار اور غیر ضروری کشمکش ہے جو اس نے اسلامی معاشرے میں پیدا کردی ہے۔ اسلام کی صحیح تعلیمات سے انحراف اور ان مخلصین و مجاہدین کی (جو ماضی قریب میں اس ملک میں پیدا ہوئے اور اسلام کے عروج اور مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کیلئے اپنا سب کچھ لٹا کر چلے گئے۔) ناقدری کی سزا خدا نے یہ دی کہ مسلمانوں پر ایک ذہنی طاعون کو مسلط کر دیا اور ایک ایسے شخص کو ان کے درمیان کھڑا کر دیا جو امت میں فساد کا مستقل بیج بو گیا۔ (قادیانیت ص-223-224 مطبوعہ لاہور)

اور مرحوم آغا شورش مرزا صاحب کی خصوصیات کا تجزیہ کرتے ہوئے اسے مسلمانوں میں انتشار، تقسیم اور فساد کا باعث گردانتے ہیں۔ ان کے بقول وہ ایسا شخص ہے جس نے جہاد کی قرآنی تعلیم کو منسوخ کیا، ہندوستانی اقوام میں فساد کی نیو اٹھائی، دینی لٹریچر میں سب و شتم کی بنیاد رکھی، برطانوی حکومت کی وفاداری کو الہامی سند عطاء کی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں اپنی امت پیدا کی جس نے ساری دنیا کے مسلمانوں کو کافر جانا مسلمانوں کے ابتلاء و مصائب سے لاتعلقی اختیار کی حتیٰ کہ ان کی شکست پر خوشیاں منائیں اور برطانوی فتح کو انعام خداوندی قرار دیا۔ (عجمی اسرائیل ص-20-21 مطبوعہ چٹان پریس لاہور)

انگریز نے یہ ملک مسلمانوں سے چھینا اس لئے وہ مسلمان سے مطمئن نہ تھا وہ خوب جانتا تھا کہ مسلمان غلامی کی زندگی پر قناعت نہیں کر سکتا۔ زخمی شیر انگڑائی لے کر ہماری سطوت کو تاراج کردے گا۔ عملی طور پر اسے یہاں کی مختلف النوع تحریکات جہاد سے واسطہ پڑ چکا تھا جن میں مسلمان قوم کے نامور

مذہبی و ملی پیشواؤں اور عوام نے بے پناہ ایثار کا مظاہرہ کیا تھا۔ سچ پوچھیں تو ٹیپو سلطان کے معرکے حضرات مجاہدین کی تحریک (جس کا ایک دور بالا کوٹ میں ختم ہوا) بنگال میں تیتو میرو غیرہ کی جدوجہد۔ مجاہدین ثمرقند کی مسلسل نبرد آزمائی۔ 1857ء کا معرکہ جاں گسل۔ حران سندھ کی بھاگ دوڑ وغیرہ سب اسی سلسلہ کی کڑیاں تھیں اور دارالعلوم دیوبند جیسے سینکڑوں مدارس اسی تحریک کے لئے رنگروٹ تیار کرنے کا ایک ذریعہ تھے۔

علی گڑھ کی تحریک جسے 1910ء کے بعد حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن نے اپنے قریب لانا شروع کیا ابتداء میں اعتزالی رنگ کی حامل تھی اور اس سے متاثر حضرات اسلام کے نظریہ جہاد کی ایک من مانی تعبیر کے علمبردار تھے جن میں سے مولوی چراغ علی صاحب جو سرسید کے اہم ترین رفیق تھے کی کتاب تحقیق الجہاد ہمارے دعویٰ کی دلیل ہے (جس کا اشارہ پہلے بھی ہو چکا ہے)

سرسید صاحب کے علاوہ جن طبقات نے مسلم دائرہ میں رہ کر ان تحریکوں کو نقصان پہنچایا ان میں حاملان و بانیان فتنہ تکفیر کا طبقہ بڑا اہم ہے جس کی قیادت مولانا احمد رضا بریلوی کر رہے تھے۔ لیکن سب سے اہم اور عظیم فتنہ مرزا غلام احمد قادیانی کا تھا جس کے خاندانی مراسم انگریز حکومت سے ڈھکے چھپے نہیں "روٴسا پنجاب" اور 1857ء از میاں محمد شفیع سابق ڈپٹی کمشنر لاہور مرحوم کا مکالمہ اس سلسلہ میں قابل ذکر ہے۔

ان سابقہ تعلقات کی بنیاد پر انگریز مدبرین کی نظر اس قادیانی ذات شریف پر پڑی اور اس سے دعویٰ نبوت کرایا گیا۔ انگریز کو اس کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی اس کا جواب اس رپورٹ سے مل سکتا ہے جو "دی ارائیول برٹش ایمپائر ان انڈیا" کے نام سے موسوم ہے ----- مولانا محمد علی نے سرگودہا مجلس تحفظ ختم نبوت کے اراکین و مبلغ مولانا عزیز الرحمٰن خورشید کی طرف سے بلائی گئی ایک پریس کانفرنس میں اخباری نمائندوں کو اس رپورٹ سے آگاہ کرتے ہوئے مرزائیوں کے برٹش ایمپائر سے تعلقات پر روشنی ڈالی تھی۔ اس رپورٹ کا یہ اقتباس قابل غور ہے۔

1869ء میں انگلینڈ سے دو وفد ہندوستان میں وارد ہوئے کہ وہ ہندوستان خصوصاً ہندوستانی مسلمانوں کے حالات کا مطالعہ کریں اور مسلمانان ہند کو رام کرنے کی تجاویز حکومت انگلستان کے سامنے پیش کریں ایک وفد برطانوی سیاستدانوں پر مشتمل تھا دوسرا پادریوں پر' دونوں وفود کی مشترک رپورٹ میں کہا گیا ہم برصغیر کی تمام حکومتوں کو غدار تلاش کرنے کی حکمت عملی سے شکست دے چکے ہیں اب ایسے غدار کی ضرورت ہے جو ظلی نبوت اور مہدی ہونے کا دعویٰ کرے۔ ایسے غدار کو تلاش کرنا اصل کام ہے۔ ہندوستانی مسلمان پیروں' فقیروں کے جلد معتقد ہو جاتے ہیں اور ان کا امام مہدی کے ظہور کا بھی عقیدہ ہے۔ اگر ایسا آدمی مل جائے جو اصل کام ہے تو اس کی حفاظت و اعانت کرکے مسلمانوں میں

سے حکومت برطانیہ کی وفادار جماعت پیدا کی جاسکتی ہے۔(رپورٹ سرولیم ہنٹر اور پادری صاحبان)
اس کے ساتھ ہی ایک سابق جج کی اس ضمن میں ایک قیمتی شہادت ملاحظہ فرمائیں جو روزنامہ نوائے پاکستان لاہور کی اشاعت (مجریہ 20 فروری 1957ء سے "مجلس تحفظ ختم نبوت کی روداد 1384ھ) میں ص 9 سے 11 تک میں نقل کی گئی۔اس قیمتی شہادت سے مرزا غلام احمد کادیانی اور برٹش سرکار کے باہمی تعلقات کا اندازہ ہو سکے گا۔

ایک بیرونی شہادت

میں 1933ء سے 1935ء تک ضلع کرنال میں سینئر سول جج تعینات تھا اس دوران میں غالباً مجھے کسی معائنہ کے موقعہ کے لئے "پونڈری" کے ڈاک بنگلہ میں دو روز قیام کرنا پڑا۔"پونڈری" کرنال اور کیتھل" کی درمیانی سڑک پر ایک مشہور قصبہ ہے ڈاک بنگلہ میں ایک الماری ہے جس میں پرانی کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔میں نے ایک کتاب لی جو مجلد تھی۔دراصل اس میں "لندن" کے رسالے کے کئی حصے یکجا کئے ہوئے تھے۔میں نے ایک حصہ کے مضامین کی ہیڈنگ پڑھنا شروع کئے۔اس خیال سے کہ جو ہیڈنگ میری دلچسپی کا باعث ہو گا اسے پڑھوں گا اتفاق سے ایک ہیڈنگ "مہدی" تھا۔اس مضمون کو کسی پادری نے لکھا تھا جس کا نام "ریورنڈر" لکھا تھا۔میں نے اس مضمون کو بغور پڑھا' بلکہ دو مرتبہ پڑھا کئی صفحوں کا یہ نہایت دقیق مقالہ تھا مجھے پورے پورے الفاظ تو یاد نہیں مگر یہ ضرور یاد ہے کہ پادری صاحب نے مضمون کو اس طرح شروع کیا تھا کہ آج کل مسلمانوں کے سنہ ہجری کی چودھویں صدی شروع ہو رہی ہے اور مسلمانوں میں یہ خیال مذہبی حیثیت کی حد تک پہنچ گیا ہے کہ اس صدی ہجری میں ایک مہدی آئے گا جو مسلمانوں کی گئی ہوئی عظمت پھر بحال کرے گا۔مسلمانوں کی فتح ہو گی اور مذہب اسلام تمام دنیا میں پھیل جائے گا۔پھر پادری صاحب نے اس آنے والی مصیبت کی روک تھام کیلئے دو تجاویز پیش کی تھیں۔اول یہ کہ نہایت غور اور صحت سے معلوم کرو کہ کہاں اور کس جگہ یہ مہدی پیدا ہو رہا ہے اور اس کو وہیں کچل ڈالو۔دوسری تجویز یہ پیش کی کہ ہم خود مسلمانوں میں کوئی مہدی بنائیں اور اس کی ہر طرح امداد کریں اس سے وفاداری کا عہد لے کر اس کی اس طرح شہرت کریں کہ مسلمان اصلی مہدی کو بھول کر اسے قبول کر لیں۔پادری صاحب نے دوسری تجویز کی حمایت کی تھی میں نے مطالعہ کے بعد کتاب اس الماری میں رکھ دی اور واپس کرنال چلا آیا۔اس مضمون کا میرے دل پر گہرا اثر رہا۔میں اکثر اس مضمون کا ذکر اپنے دوستوں بلکہ غلام احمدی صاحبان سے بھی کرتا تھا۔

1938ء میں ملازمت کے بعد میں نے دہلی قرول باغ میں مستقل سکونت اختیار کر لی اور وہاں ایک اپنا مکان تعمیر کر لیا۔ایک روز کا ذکر ہے کہ میرے پاس دو صاحب تشریف لائے انہوں نے کہا کہ ان کو غلام احمد صاحب پرویز نے بھیجا ہے۔پرویز صاحب ان ایام میں گورنمنٹ آف انڈیا میں کسی اچھے عہدے پر

فائز تھے۔ ان دونوں صاحبان نے مجھے کہا کہ پرویز صاحب ایک کتاب ختم نبوت پر لکھ رہے ہیں اور ان کو معلوم ہوا ہے کہ اس امر میں آپ کے پاس کچھ مواد ہے وہ یہ مواد حاصل کرنا چاہتے ہیں میں نے ان کو "یونڈری" ڈاک بنگلہ کا حوالہ دیا۔ اور پتہ بتایا تاکہ وہاں الماری میں جو کتابیں پڑی ہیں ان میں سے یہ مضمون تلاش کر کے حوالہ نوٹ کرلیں یا نقل کرلیں۔ چند روز کے بعد وہ صاحبان میرے پاس پھر آئے اور کہنے لگے کہ ہم نے یونڈری ڈاک بنگلہ سے وہ کتاب تلاش کرلی ہے مگر اس میں جو مضمون "مہدی" پر تھا وہ غائب ہے اور نکالا ہوا ہے اور باقی کتاب قائم ہے۔ ہمارا یہ خیال ہوا کہ جس کے خلاف یہ مضمون ہوگا اسی نے نکالا ہے بعد ازاں یہ معاملہ کم از کم میرے لئے کوئی دلچسپی کا باعث نہ رہا۔ مگر میں اس کا ذکر کبھی کبھی دوستوں میں کر دیا کرتا تھا۔

1953ء میں جب مرزائیوں کے خلاف ایجی ٹیشن ہوئی تو پھر اس معاملہ کا خیال خصوصیت سے آیا اور میں نے خود بھی غلام احمد صاحب پرویز کو خط لکھا وہ ان دنوں کراچی میں تھے' ان کا جواب آیا کہ دہلی میں ہی انہوں نے اس رسالے کے ناشران کو لندن میں لکھا تھا۔ کہ اس رسالے کی کاپیاں پرویز صاحب کو مہیا کریں اور قیمت وصول کرلیں میں رسالے کا نام بھول گیا تھا۔ مگر پرویز صاحب کو معلوم تھا رسالہ "بلیک وڈ میگزین" لندن تھا۔ ناشران رسالہ نے پرویز صاحب کو جواب دیا کہ ان کے پاس اتنی پرانی کاپیاں نہیں ہیں۔ میں نے یہ سارا قصہ مولانا مظہر علی صاحب اظہر کو بیان کیا تھا۔

گویا انگریز جو یہاں کی جہادی قوتوں سے پریشان تھا اس نے سرکار دوعالم علیہ السلام کے ارشاد گرامی "الجہاد ماض الی یوم القیامۃ" کی نفی کے لئے مرزا غلام احمد کا انتخاب کیا۔ مرزا صاحب سیالکوٹ میں ایک معمولی درجہ کے سرکاری ملازم تھے ان سے استعفیٰ دلوا کر مسلمان قوم کا اعتماد حاصل کرنے کی غرض سے خادم و مبلغ اسلام کی حیثیت سے سامنے لایا گیا۔ براہین احمدیہ اسی دور کی کتاب ہے۔ جس کی پچاس جلدوں کے پیشگی پیسے ساری دنیا سے وصول کئے لیکن چار کے بعد پانچویں جلد بڑی دیر میں لکھی اور پھر کہہ دیا کہ پچاس کا وعدہ پورا ہو گیا کہ پانچ اور پچاس میں محض صفر کا فرق ہے۔ بتدریج دعاوی کرتے کرتے وہ نبوت کے مقام پر کھڑے ہو گئے اور اپنی تمام تر توانائیاں انگریز حکومت کے استحکام اور نظریہ و تصور جہاد کی نفی کے لئے خرچ کر ڈالیں۔

1908ء میں مرزا صاحب کا انتقال ہوا تو ان کی جماعت کے سب سے زیادہ معتمد شخص حکیم نور الدین ان کے جانشین قرار پائے۔ 1914ء میں ان کے بعد مرزا غلام احمد کا بیٹا مرزا بشیر الدین محمود گدی کا وارث بنا۔ مرزا بشیر الدین کا دور قادیانی جماعت کا خاصا طویل دور رہا ہے۔ یہ شخص بڑا ذہین' چالاک اور بڑا ڈپلومیٹک ہونے کے ساتھ اخلاق باختگی و بدکرداری میں اپنی مثال آپ تھا راحت ملک صاحب کی کتاب "ربوہ کا مذہبی آمر" اور مظہر ملتانی کی کتاب "تاریخ محمودیت" اس شخص کے کردار کو جانچنے کی بہترین دستاویز ہیں۔

مرزا غلام احمد نے جو کام شروع کیا تھا اس کو مرزا محمود کے دور میں جہاں بڑا عروج ہوا وہاں قادیانی جماعت کو ایک دھچکا بھی لگا کہ مرزا کے معتقدین دو حصوں میں بٹ گئے۔ قادیانی ولاہوری دو جماعتیں معرض وجود میں آگئیں۔ آج بعض لوگوں کو یہ دھوکہ ہوتا ہے کہ شاید لاہوری جماعت کے وہ عقائد نہیں جو قادیانی جماعت کے ہیں حتیٰ کہ مولانا مودودی صاحب اس غلط فہمی کا شکار ہوئے اور آخر وقت تک لاہوری جماعت کے معاملہ میں انہوں نے ملت کی سوچ سے اتفاق نہ کیا اور لاہوری جماعت کو کافر نہ کہا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

لیکن یہ بات بالکل واضح ہے کہ دونوں جماعتوں کے بنیادی معتقدات میں ذرہ برابر فرق نہیں۔ محض جماعتی قیادت کے جھگڑے نے یہ رنگ اختیار کرلیا۔

بہرحال مرزا محمود کے دور میں مرزائی جماعت کو جو وقتی عروج نصیب ہوا۔ بقول آغا شورش کاشمیری، مرزا محمود نے قادیانی امت کو برطانوی خواہشوں کے محور و مرکز پر مستحکم کیا اور ایسی سیاسی تحریک بنا دیا جو برطانوی استعمار کی خدمت گزار اور اپنے اقتدار کی طلب گار ہو۔(عجمی اسرائیل صفحہ21)۔

اس کے نتیجہ میں 1934ء میں مسٹر ظفر اللہ چودھری وائسرائے کی ایگزیکٹو کے ممبر بن گئے انہیں یہ ممبری سر فضل حسین کی بے میتی کے باعث ملی جو مسلمان رکن کے طور پر ایگزیکٹو کے ممبر تھے اور انہوں نے اپنی جگہ اس ذات شریف کو نامزد کر دیا اس سے قبل لندن کی گول میز کانفرنسوں میں ان کا نام آتا رہا حتیٰ کہ 1931ء کی گول میز کانفرنس میں علامہ اقبال اور ظفر اللہ چودھری اکٹھے کانفرنس ہال میں موجود تھے۔ گو کہ علامہ مرحوم نے بعد میں مرزائیت کے خلاف زبردست تحریری جہاد کر کے ان کی حقیقت واضح کردی اور انہیں دین وملک کا غدار قرار دیا۔ بلکہ بقول آغا شورش جنگ عظیم کے اختتام تک تو قادیانیوں کا محاسبہ مذہبی بنیادوں پر محدود رہا ---- سب سے پہلے ان کی سیاسی روح کا جائزہ مرحوم قائد احرار چودھری افضل حق نے لیا۔(تاریخ احرار باب چہارم کا مطالعہ اس ضمن میں ضروری ہے) اور اس معاملہ کو آگے بڑھا کر اور ان کے خلاف سیاسی محاذ پر ذہنی فضا علامہ نے تیار کی۔(مفہوم عجمی اسرائیل ص۔ (12

وائسرائے کے ساتھ قرب و تعلق تو تھا ہی، مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہونے کی دعویدار مسلم لیگ نے اسے سر پر چڑھا رکھا تھا۔ 1940ء کے اجلاس خصوصی مسلم لیگ بمقام دہلی کے صدر مسٹر چودھری ظفر اللہ تھے۔ صدر مسلم لیگ جناب محمد علی جناح انہیں بہت چاہتے، انہیں اپنا سیاسی بیٹا قرار دیتے اور یہی تعلق خاطر آئندہ چل کر باؤنڈری کمیشن میں ان کی وکالت پر منتج ہوا اور یہی تعلق وزارت خارجہ کی گدی سنبھالنے کا باعث بنا۔

اس موقع پر یہ بڑا ہی پیچیدہ سوال ہے جس کا جواب اگر ہم دیں تو شاید بات دور چلی جائے، اس لئے

ہم محض سوال کے ذکر پر ہی اکتفا کریں گے۔ اور اس کا جواب تاریخ کے طلبہ پر چھوڑ دیں گے کہ وہ سوچیں اور تجزیہ کریں کہ مسلم لیگ جس نے ساری عمر مسلمان قوم کی واحد نمائندگی کا دعویٰ کیا اور جس کے بھروسے میں آکر سادہ لوح عوام نے سالہا سال تک قرآن و حدیث پڑھنے پڑھانے اور مسلمان قوم کی آزادی کی جنگ لڑنے والے علماء اور شرفاء کو در خور اعتنا نہ سمجھا' اس مسلم لیگ نے مختلف مواقع پر قادیانی جماعت اور اس کے بعض ذمہ دار عناصر کو سر پر کیوں چڑھایا؟ انہیں اتنی اہمیت کیوں دی؟ آیا مسلم لیگی قائدین کو اس موٹی سی بات کا بھی علم نہ تھا کہ مرزائی اس اسلام سے الگ ایک دھرم کے علمبردار ہیں جس کے نام پر پاکستان بنانے کی سعی ہو رہی ہے اور جسے پاکستان میں نافذ کرنے کے وعدے ہو رہے ہیں ----- اور یا پھر سب کچھ جاننے کے باوجود کسی در پردہ مشن کے تحت انہیں اتنی اہمیت دی گئی؟

ساتھ ہی یہ سوال بھی قابل غور ہے کہ جب لیگی لیڈروں نے مرزائیوں کی پے در پے بد عہدیاں دیکھیں تو اس کے بعد بھی انہیں کیوں ہوش نہ آیا؟ ضلع گورداسپور کے مسئلہ میں مسٹر ظفر اللہ کا کردار موجود ہے پوری قادیانی جماعت کا کردار موجود ہے۔ جس بانی پاکستان نے اپنا فرزند کہا تھا اس کا جنازہ نہ پڑھنے کی بھونڈی حرکت سامنے ہے' وزیر اعظم کے منع کرنے کے باوجود کراچی جہانگیر پارک میں فولادی ٹوپی پہن کر "زندہ اسلام اور مردہ اسلام" جیسی تقریر کرنے کی خوفناک جسارت سامنے ہے۔ یہ سب کچھ ہوتا رہا لیکن مرزائیت کا مسئلہ جوں کا توں رہا۔ آخر کیوں؟ (1)

اس سوال کا جواب تاریخ کے طلبہ کے ذمہ ہے' انہیں اس صورت حال کا تجزیہ کرنا ہو گا تب ہی جا کر پاکستان کے اتار چڑھاؤ کی کہانی مکمل ہو سکے گی۔ ایک زمانہ میں جسٹس محمد منیر نے احرار اور بعد میں

1۔ منیر انکوائری رپورٹ میں ہے

انجمن احمدیہ کراچی کا ایک جلسہ 17' 18 مئی 1952ء کو جہانگیر پارک کراچی میں منعقد ہوا جس کے مقررین میں مسٹر ظفر اللہ بھی شامل تھے۔ رپورٹ کے مرتبین لکھتے ہیں۔

"اس جلسے سے چند روز پہلے خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم نے اس امر کے خلاف اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا کہ چوہدری ظفر اللہ خان نے ایک فرقہ وارانہ جلسہ عام میں شرکت کا ارادہ کیا ہے لیکن چودھری ظفر اللہ خان نے خواجہ ناظم الدین سے کہا کہ میں انجمن سے وعدہ کر چکا ہوں۔ اگر چند روز پہلے مجھے یہ مشورہ دیا جاتا تو میں جلسے میں شریک نہ ہوتا لیکن وعدہ کر لینے کے بعد میں اس جلسے میں تقریر کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں اور اگر اس کے باوجود بھی وزیر اعظم اس بات پر مصر ہوں کہ مجھے جلسے میں شامل نہ ہونا چاہیے تو میں اپنے عہدے سے مستعفی ہونے کو تیار ہوں۔" (رپورٹ صفحہ 76' 77)

کہنے کو کہا جا سکتا ہے کہ ظفر اللہ نے ایفائے عہد کیلئے ایسا کیا لیکن سوال یہ ہے کہ اس نے جانتے بوجھتے کے باوجود وعدہ کیا کیوں؟ اور بانی پاکستان کا اس سے قبل جنازہ نہ پڑھنا --- آیا اس کا بھی کسی سے وعدہ کیا تھا؟ اور پھر جب وہ وزارت سے مستعفی ہونے کو تیار تھا تو وزیر اعظم نے استعفیٰ کیوں نہ لیا؟ ان سوالات پر تاریخ کے طلبہ غور کریں۔ رہ گئی تقریر تو اس کی غلاظت بھی منیر رپورٹ سے معلوم کر لیں جس کے مرتب کرنے والے فاضل جج نے مرزائیوں کو مظلوم ثابت کرنے اور احراریوں کو ظالم ثابت کرنے پر پورا زور صرف کیا ہے۔ اس تقریر سے اندازہ ہو گا کہ ظفر اللہ خان کس کو مردہ اسلام اور کس کو زندہ اسلام سمجھتے ہیں۔

مجلس تحفظ ختم نبوت کے ایک رہنما قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذاق اڑایا تھا کہ وہ "ایک بڑا چوبی صندوق اٹھائے پھرتے رہتے ہیں جس میں قادیانی جماعت اور اس سے متعلق لٹریچر ہوتا ہے اور دنیا میں کوئی حادثہ ہو اس کے پیچھے انہیں مرزائیوں کا ہاتھ نظر آتا ہے۔"(1) لیکن چند ے بعد یہ بات واضح ہو گئی کہ مرحوم قاضی احسان احمد اور دوسرے احرار رہنماؤں کی بات غلط نہ تھی۔ آخر مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے ضمن میں مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم نے محمود الرحمٰن کمیشن کے سامنے

---

1. منیر انکوائری رپورٹ صفحہ 127 اصل عبارت یہ ہے

پہلا شخص جس نے خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم کی توجہ قادیانی تحریک کی طرف مبذول کرائی وہ قاضی احسان احمد شجاع آبادی تھا۔ قادیانیت کی مخالفت اس شخص کی زندگی کا واحد مقصد معلوم ہوتا ہے۔ اور وہ جہاں کہیں جاتا ہے اپنے ساتھ ایک بڑا چوبی صندوق لے جاتا ہے۔ جس میں احمدیوں کا اور احمدیوں کے خلاف لٹریچر بھرا ہوا ہوتا ہے۔ زیادہ اہم سیاسی واقعات کا ذکر تو در کنار پاکستان یا کسی اور شخص کو کوئی آفت پیش آجائے' کوئی افسوسناک واقعہ رونما ہو جائے' قائد ملت قتل کر دیئے جائیں یا ہوائی جہاز گر پڑیں' قاضی احسان احمد شجاع آبادی کے نزدیک وہ ہمیشہ احمدیوں ہی کی سازش کا نتیجہ ہوتا ہے۔۔ مارچ 1950ء میں شجاع آبادی کراچی کے 1 عالم مولانا احتشام الحق تھانوی کو کسی نہ کسی طرح آمادہ کر کے' خواجہ ناظم الدین کے پاس لے گیا تاکہ وہ ان کو اس غیظ و غضب سے مطلع کریں جو احمدیوں کے خلاف ملک میں پھیلا ہوا ہے۔ یہ دونوں 3 مارچ 1950ء کو خواجہ ناظم الدین سے ملے۔ شجاع آبادی کا چوبی صندوق اس کے ساتھ ہی تھا۔ اس نے اس صندوق میں سے کچھ قادیانی لٹریچر نکالا جس کو پڑھ کر خواجہ ناظم الدین سخت پریشان ہوئے۔

اس موقعہ پر یہ بات بھی عرض کرنا ضروری ہے کہ قافلہ احرار کے یہ حضرات اور بالخصوص حضرت قاضی صاحب جماعتی ذمہ داریوں کے پیش نظر خواجہ ناظم الدین سے قبل مرحوم لیاقت علی خان سے بھی اس سلسلے میں ملاقات کر چکے تھے۔ اس ملاقات کے بعد لیاقت مرحوم نے قاضی صاحب سے کہا

"مولانا آپ نے اپنا فرض ادا کر دیا اب دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنا فرض ادا کرنے کی توفیق عطاء فرمائے"

المنبر۔ فیصل آباد شمارہ 23 اکتوبر تا 5 نومبر 1952ء)

اور پھر بقول چودھری محمد علی مرحوم سیکرٹری حکومت پاکستان (بعد ازاں وزیر اعظم) نے قاضی صاحب سے کہا کہ آپ کی ملاقات کے بعد وزیر اعظم نے ظفر اللہ کو اہمیت دینا کم کر دی حتیٰ کہ ایک میٹنگ میں ان سے کہا

"میں جانتا ہوں آپ ایک خاص جماعت کی نمائندگی کرتے ہیں"

اور قاضی صاحب اپنی ملاقات کے حوالہ سے زور دے کر یہ بات کہتے ہیں کہ

"لیاقت علی خان کا پروگرام تھا کہ قادیانیوں کو ایک سیاسی جماعت کی حیثیت دے کر خلاف قانون قرار دے دیا جائے۔"

(المنبر شمارہ مقولہ بالا) لیکن بقول المنبر

"اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد پاکستان کے وزیر اعظم کو انتہائی پر اسرار حالات میں شہید کر دیا گیا"

اس لئے قاضی صاحب کلیہ کہتا غلط نہ تھا کہ لیاقت علی خان کے قتل میں اس سازشی جماعت کا ہاتھ ہے۔ منیر صاحب اور ان کے رفیق کیانی صاحب نے غریب احرار کو لتاڑنے کے لئے ایک دو نہیں دسیوں پھبتیاں کسیں' لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ سوال تو یہ ہے کہ لیاقت مرحوم کا خون ؟ کس کے سر؟ اب ناظم الدین' غلام محمد' مسٹر گورمانی' کوئی بھی تو نہیں

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

مرزائی لیڈر ایم ایم احمد (1) پر الزام لگایا جس کا کسی سے جواب نہ بن سکا اور آغا شورش مرحوم نے اپنے بھرپور سیاسی تجزیہ میں اس بات کو شدومد سے دہرایا چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

حالانکہ مولانا تھانوی مرحوم احراری نہ تھے بلکہ وہ خودسکہ بند قسم کے مسلم لیگی بزرگ تھے اور یہ بات ریکارڈ پر موجود ہے کہ 1965ء کی پاک بھارت جنگ میں ملک کے اہم ترین وفاعی اڈہ سرگودہا سے متصل مرزائی سٹیٹ ربوہ میں بتیاں جلتی رہتی تھیں جبکہ سارے ملک میں بلیک آوٹ تھا بار بار انکوائری کے بعد اس وقت وحدت مغربی پاکستان کے گورنر مرحوم ملک امیر محمد خان نے مین لائن کٹوادی کیونکہ مرزائی کسی تنبیہ کے روادار نہ تھے۔ یہ تمام باتیں ذہن میں رکھ کر آپ 1953ء اور پھر 1974ء کی تحاریک مقدسہ ختم نبوت کا جائزہ لیں گے تو بات بنے گی۔

1974ء میں نہ امیر شریعت زندہ تھے نہ قاضی احسان احمد نہ مولانا محمد علی نہ مولانا لال حسین اختر رحمھم اللہ لیکن 1953ء میں یہ تمام اکابر موجود تھے اور امیر شریعت جہاں قافلہ سالار تھے وہاں صاحب تذکرہ مولانا محمد علی جالندھری کا مختلف مکاتب ہائے فکر کے اکابر و اعیان کو اکٹھا کرنا ان کے دروازوں پر جا جا کر انہیں آمادہ کرنا اور تحریک کے معاملات کو منظم کرنا انہی کا کارنامہ تھا۔

احرار رہنماؤں کے متعلق عام طور پر یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ ان کے مزاج پر ہنگامہ

بقیہ حاشیہ سابقہ صفحہ

لیکن اس دور کا بدنام زمانہ پولیس افسر نجف علی خان تو ہے۔ ہماری سوچی سمجھی رائے یہ ہے کہ ایک اسی کو ہی قابو کر لیا جائے تو معاملہ کا حل سامنے آجائے گا۔ رہ گیا پنڈی سازش کیس تو مرزائی اور کمیونسٹ افسروں کے سوا اس میں تھا کون؟۔ اے کاش ہمارے حکمران احرار کے واویلا کی قدر و قیمت محسوس کرتے تو آج ملک کا رنگ ہی اور ہوتا۔ لیکن کیا کیا جائے ہمارا معاملہ ایسا ہے کہ "زباں میری ہے بات ان کی"

نہ کل ہمارا کچھ تھا نہ آج ہمارا کچھ ہے ہم دوسروں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنے ہوئے ہیں اور مرحوم ایوب خان کے بھائی اور ان کے دور کے اپوزیشن لیڈر سردار بہادر خان نے اسمبلی میں جو کہا تھا کہ

"ہر شاخ پہ الو بیٹھا ہے انجام گلستاں کیا ہو گا۔۔؟

تو ویسے ہی نہیں کہا تھا۔ اسی موقعہ پر انہوں نے اسمبلی میں ہر حکومت کی تبدیلی کو امریکہ بہادر کے اشارہ ابرو کی سازش قرار دیا۔ لوگوں نے اسے مذاق سمجھا کہ اپوزیشن والوں کا کام ہی یہ ہے لیکن جن لوگوں کی ذرا سی بھی حالات پر نظر ہے وہ خوب سمجھتے ہیں کہ پردہ زنگاری میں کس کا ہاتھ ہے؟

1 مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے اسباب میں۔ ایم ایم احمد کی غلط منصوبہ بندی کا ذکر شورش مرحوم کے ساتھ ساتھ مولانا احتشام الحق نے بھی کیا۔ (جب کہ ہم نے عرض کیا) ایم ایم احمد ایک طویل عرصہ سے اس لائن میں سرگرم عمل تھے۔ منیر رپورٹ ص 121 کے مطابق وہ 1952ء کے زمانہ میں پنجاب گورنمنٹ کا فنانس سیکرٹری بنا اور ترقی کرتے کرتے منصوبہ بندی کمیشن کا ڈپٹی چیئرمین مقرر ہوا۔ (علوی)

پروری غالب تھی [1] حالانکہ یہ بہت بڑی زیادتی ہے اور ان حضرات کے جذبات ایثار کی توہین کے مترادف۔ ان بندگان خدا نے جو کام کیا وہ محض حسبۃً اللہ اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ان کے پیش نظر مسلمان قوم کا مفاد تھا اور بس---- 1953ء کی تحریک ختم نبوت سمیت ان حضرات کی جملہ تحاریک محض اسی مقصد کے لئے تھیں اور بالخصوص 1953ء کی تحریک کا مقصد تو محض خدمت اسلام و مسلمین تھا---- مجھے یہ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس عظیم الشان تحریک کی صحیح تاریخ اب تک نہیں لکھی گئی۔ مرحوم آغا شورش کاشمیری نے ضرور اس عنوان پر ایک کتاب لکھی جو ان کے مخلصانہ جذبات کا شاہکار تو کہلا سکتی ہے تحریک کی صحیح تاریخ کہنا مشکل ہو گا۔

خیر اس وقت ہم اس مقدس تحریک سے متعلق چند ضروری باتیں حوالہ قلم و قرطاس کر رہے ہیں اور تفصیلات کو کسی دوسرے موقعہ پر اٹھا رکھتے ہیں۔

تحریک 53ء اور مولانا جالندھری

اس سے پہلے کہ تحریک کے ضروری حالات سامنے آئیں صاحب تذکرہ مولانا محمد علی کے متعلق یہ معلوم کر لیں کہ ان کا کردار کتنا اہم اور موثر ہے۔ قارئین کے ذہن میں یہ بات ہو گی کہ مرحوم ابتداء سے ہی صف اول کے رہنماؤں کے معتمد علیہ رہے اور قدرت نے انہیں دفتری نظام کی اصلاح، جماعتی تنظیم اور باہمی گفتگو کا خوب ڈھنگ عطا فرمایا تھا۔ تحریک کے ضمن میں تمام طبقات کا باہمی سر جوڑ کر بیٹھنا بڑا ضروری تھا اور اس میں خاص طور پر بریلوی مکتب فکر کی شمولیت بڑی ضروری تھی۔ بریلوی حضرات جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا جناب مولانا احمد رضا خان صاحب کے پیرو کار تھے اور اپنے سوا جملہ جماعتوں اور افراد کی تکفیر ان کا بنیادی مشغلہ تھا۔ خاص طور پر حضرات علماء اہلسنت والجماعت حنفی دیوبندی کے معاملہ میں تو ان حضرات کا ذہن و ذوق بڑا ہی افسوس ناک تھا۔ مجلس احرار کے قائدین اکثر و بیشتر جماعت دیوبند سے تعلق رکھنے والے لوگ تھے اس لئے خطرہ تھا کہ کہیں بریلوی بزرگ ایسا رویہ نہ اختیار کریں جس کے نتیجہ میں تحریک کو نقصان ہو اور مرزائی فائدہ اٹھا جائیں۔

بریلوی حضرات کی اس وقت جیسی کیسی تنظیم تھی (جمعیتہ علماء پاکستان) اس کے سربراہ مولانا ابوالحسنات مرحوم تھے جو لاہور کی معروف مسجد وزیر خان کے خطیب ہونے کے ساتھ ساتھ مولانا سید دیدار علی الوری کے صاحبزادے اور خلف الرشید جانشین تھے۔ مولانا دیدار علی جناب احمد رضا خان

---

[1] مثلاً "منیر انکوائری رپورٹ کے فاضل جج صاحبان نے یہ گوہر افشانی کی کہ وہ (احراری) پرانے باراں دیدہ شورش پسند تھے جن کو اپنی مقبولیت اور ہر دلعزیزی میں اضافہ کرنے کے لئے بڑی مہمیں چلانے اور ہنگامے برپا کرنے کا تجربہ حاصل تھا۔ (منیر رپورٹ صفحہ 13) افسوس کہ کرسی عدالت پر بیٹھ کر اس قسم کی غیر عادلانہ اور بازاری گفتگو "سوائے انا للہ وانا الیہ راجعون اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ (علوی)

صاحب کے خلیفہ ہونے کے ناطہ انہی کی طرح اپنی طبیعت پر سختی درشتی کے جذبات رکھتے تھے چنانچہ علامہ اقبال مرحوم کے خلاف ان کا فتویٰ تکفیر بہت مشہور ہے جس کی تفصیلات مولانا عبدالمجید سالک کی کتاب "سرگذشت اقبال" مطبوعہ اقبال اکادمی لاہور میں موجود ہے سالک صاحب کے فرزند اور شعبہ صحافت پنجاب یونیورسٹی کے سابق سربراہ ڈاکٹر عبدالسلام خورشید نے بھی اس سلسلہ کی تفصیلات اپنی کتاب "رو میں ہے رخش عمر" میں جمع کردی ہیں۔

مولانا ابوالحسنات کے دوسرے بھائی مولانا ابوالبرکات تھے جو حزب الاحناف نامی مدرسہ کے کرتا دھرتا تھے جو بیرون بھاٹی دروازہ لاہور میں واقع ہے۔ ان کا مزاج اپنے والد کے بہت قریب تھا اور بانی پاکستان کے خلاف ان کے فتویٰ تکفیر کی صدائے بازگشت بھی سنائی دیتی ہے۔

ان اسباب کے پیش نظر ضروری ہوا کہ ان حضرات سے رابطہ کیا جائے چنانچہ مولانا محمد علی اور مولانا غلام غوث ہزاروی اس پر مامور ہوئے۔ ختم نبوت کے ان وکلاء نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیئے۔ مولانا جالندھری وضع قطع سے تو بالکل سادہ دیہاتی معلوم ہوتے' اسی انداز سے وہ مسجد وزیر خان کے اس حجرہ تک پہنچے جہاں مولانا ابوالحسنات ہجوم عاشقاں میں گھرے ہوئے تھے ایک سادہ دیہاتی انسان آخری صف میں لوگوں کے جوتوں پر ہی بیٹھ گیا' اس کا مقصد بلند تھا اس لئے اس میں عار کی کوئی بات نہیں۔

خاقانی صف پائیں نشستہ ۔۔۔ نے مرا ننگ نے ترا ادب است
قل ھواللہ کہ وصف خالق ما است ۔۔۔ زیر تبت یدا ابی لھب است

مولانا اپنے ارد گرد بیٹھے رؤسا و تجار سے فارغ ہوئے تو اس دور افتادہ دیہاتی کی طرف توجہ کی' مرحوم مولانا محمد علی نے واضح لفظوں میں مقصد سامنے رکھا۔ سرکار رسالت مآب ﷺ کی ناموس کی حفاظت کے لئے مولانا سے اپیل کی۔ تھوڑی دیر کی ردو کد ---- کے بعد مولانا ابوالحسنات آمادہ ہوگئے۔ حتیٰ کہ احراری رہنماؤں نے اپنے تدبر و دور اندیشی کی بناء پر مجلس عمل کا صدر انہیں بنوایا اور پھر جیل میں احرار رہنماؤں بالخصوص حضرت امیر شریعت کے اخلاق کریمانہ نے ان کی کایا پلٹ دی۔ اس سے قبل معاملہ 23 نکات کی تدوین کے دوران بھی پیش آچکا تھا جب حاجی مولا بخش سومرو کی کوٹھی پر کراچی میں حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس اللہ سرہ العزیز نے نماز کی امامت کے لئے مولانا ابوالحسنات کو آگے بڑھایا (روادہ مولانا عبیداللہ انور) اور مولانا عبیداللہ انور اس بات کے بھی راوی ہیں کہ حضرت امیر شریعت مولانا ابوالحسنات کے وضو کے لئے پانی تک کا اہتمام کرتے یہ تواضع کسر نفسی اور عاجزی ان بندگان خدا کا معمول تھی اور اسی سے انہوں نے دنیا کے دل جیتے۔ ع۔ دلوں کو جو فتح کرلے وہی فاتح زمانہ

اسی ضمن میں ایک واقعہ حضرت والد گرامی مولانا محمد رمضان علوی کے عزیز ترین دوست اور احقر کے منہ بولے چچا حافظ ریاض احمد اشرفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بتلایا جن کے والد حضرت امام العصر علامہ سید انور شاہ صاحب قدس سرہ کے مرید تھے۔ حافظ صاحب خود دارالعلوم دیوبند کے فیض یافتہ، پنجاب یونیورسٹی کے گریجویٹ اور حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب نقشبندی مجددی سجادہ نشین خانقاہ عالیہ سراجیہ مجددیہ کندیاں ضلع میانوالی کے تربیت یافتہ تھے، روزنامہ جنگ راولپنڈی کے مدتوں سینئر ایگزیکٹو رہے چند سال قبل اللہ کو پیارے ہو گئے۔ مرحوم کی والدہ نے جو بہت ہی نیک خاتون تھیں مسجد پٹولیاں والی لاہور میں حضرت امیر شریعت کی تقریر سے متاثر ہو کر انہیں حافظ قرآن بنایا۔ مرحوم کے تعلقات مولانا غلام غوث ہزاروی، مولانا محمد علی جالندھری اور مولانا عبیداللہ انور سے مثالی تھے۔ والد بزرگوار مولانا محمد رمضان علوی کی موجودگی میں حافظ اشرفی صاحب مرحوم نے مبلغ پچاس روپیہ مجلس کی امداد کے لئے پیش کیا جس کی رسید ہو گئی تو بعد میں حافظ صاحب نے پچاس روپیہ بطور ہدیہ مولانا کو پیش کیا۔ مولانا جالندھری نے اس کی رسید کاٹ دی اور حافظ صاحب کے تعجب پر فرمایا کہ میرے اور مجلس میں کیا فرق ہے؟

حافظ صاحب کے تعلقات کا سلسلہ بڑا وسیع تھا مولانا سید محمد داؤد غزنوی اور مولانا ابوالحسنات سے بہت اچھے مراسم تھے اور حضرت لاہوری قدس سرہ کو تو اپنا محسن سمجھتے۔ جس کا اظہار کئی بار احقر کے سامنے کیا۔ مولانا ابوالحسنات ان کی معیت میں تھانہ بھون تشریف لے گئے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے دو دن مہمان رہے--- حضرت تھانوی خود ان کے لئے وضو کے پانی کا اہتمام کرتے۔ کھانا لے کر خود آتے ان کی اقتدا میں نمازیں پڑھیں اور چلتے ہوئے مولانا کی خدمت میں ہدیہ پیش کیا--- اللہ اکبر کیا لوگ تھے۔

جن کے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے احترام کے یہ جذبات تھے۔ بہر طور ماضی کے ان واقعات کے پیش نظر مولانا کی طبیعت میں کافی انقلاب آچکا تھا اب حضور ختمی مرتبت علیہ اسلام کی عزت و ختم نبوت کے لئے میدان میں آگئے۔ جیل میں شاہ جی کے سلوک اور اس کا نتیجہ کیا نکلا اس کا جواب حیات امیر شریعت میں جانباز مرزا کے قلم سے سنیں---

امیر شریعت کے اخلاق اور تواضع نے مولانا ابوالحسنات کو ان کا اس قدر گرویدہ کیا کہ وہ بے اختیار کہنے لگے

"شاہ جی آپ تو اس دور کے ولی ہیں، مجھے تو آپ سے متعلق بہت کچھ کہا سنا گیا تھا لیکن آپ سے قرابت داری نے میری ساری غلط فہمیاں دور کر دیں، الحمدللہ

امیر شریعت یہ سن کر مسکرائے اور استغفراللہ پڑھتے رہے (صفحہ 64-363)

اس کے ساتھ ہی ساتھ منیرانکواری رپورٹ کو سامنے رکھیں جس میں اس تحریک کے ضمن میں چند حضرات کو بطور خاص ہدف بنایا گیا ہے۔ ان میں مولانا جالندھری بھی ہیں۔

صفحہ 56 پر مولانا جالندھری' قاضی صاحب اور صاحبزادہ فیض الحسن صاحب کا ذکر ہے کہ یہ سب سے زیادہ زہریلی تقریریں کرنے والے ہیں (مسٹر قربان علی خان کے استفسار پر مسٹر محمد خدا بخش ایس۔ پی (بی) سی آئی ڈی کی جامع یادداشت محررہ 3 مئی 1952ء)

صفحہ 53 پر جو اسی یادداشت کا حصہ ہے حضرت امیر شریعت کا نام بھی ہے اور باقی وہی تین حضرات ہیں۔ یہاں ان چاروں حضرات سے ایک نوٹ کی تعمیل کا ذکر ہے کہ وہ اس موضوع پر تقریر نہ کریں۔

صفحہ 58 پر اسی رپورٹ میں کچھ سفارشات ہیں۔ جن میں سے ایک سفارش حضرت امیر شریعت' قاضی صاحب اور مولانا جالندھری سے متعلق ہے کہ ان تینوں کو پبلک سیفٹی ایکٹ کے تحت نظربند کر دیا جائے۔

صفحہ 81 پر برکت علی اسلامیہ ہال لاہور میں 13 جولائی 52ء کو منعقد ہونے والے آل مسلم پارٹیز کنونشن کے دعوت نامہ کے داعی حضرات میں مولانا محمد علی صاحب کا ذکر ہے (ناظم اعلیٰ مجلس احرار اسلام پنجاب)

صفحہ 83 پر مولانا کے ذکر کے بعد صفحہ 86 پر روزنامہ آفاق لاہور کی 10 جولائی کی اشاعت میں مولانا محمد علی کے ایک بیان کا حوالہ ہے جس میں آپ نے یہ بھی واضح کیا کہ اس تحریک سے دولتانہ حکومت کا کوئی تعلق نہیں (جیسا کہ بعض ناعاقبت اندیش لوگوں نے پروپیگنڈا کیا) پھر صفحہ 90 پر مولانا کا ایک بیان شائع شدہ آفاق 21 جولائی 52ء کا حوالہ ہے جس میں اس کا ذکر ہے کہ ہم نے کوئی خلاف قانون حرکت نہیں کی نہ آئندہ ایسا ارادہ ہے (رہ گیا مسئلہ آئینی حدود میں رہ کر اپنی بات منوانے کا تو اسے کوئی نہیں روک سکتا)

صفحہ 122 پر مسٹر نذیر احمد ایس پی (بی) کے حوالہ سے مولانا محمد علی کی ایک تقریر ساہیوال پر شدید غم و غصہ کا اظہار ہے اور لکھا ہے کہ

اب وقت آ گیا ہے کہ مولانا محمد علی جالندھری کے خلاف، جو احراریوں میں بدترین مقرر ہے مقدمہ دائر کیا جائے یا اس کو پنجاب پبلک سیفٹی ایکٹ کے تحت نظربند کیا جائے۔ اس رپورٹ میں چند سطریں قبل مولانا کو "بد آہنگ سیاسی مقرر" لکھا گیا اور یوں "اخلاق و وقار" کا مظاہرہ کیا گیا۔

صفحہ 56 پر اپنے ذرائع سے حکومت محض پنجاب میں 1046 رضاکاروں کا کھوج لگا سکی ہے اور صفحہ 140 پر مولانا محمد علی کی ایک ہدایت کا ذکر کیا ہے جس میں ان رضاکاروں کو 22-23 فروری 1953ء کی درمیانی شب میں روانگی کے لئے تیار رہنے کا حکم ہے۔

صفحہ 145 پر مسٹر انور علی انسپکٹر جنرل پولیس کی چیف سیکرٹری کے نام یادداشت ہے جس میں 15 فروری

1953ء کی ایک تقریر کی بنیاد پر مولانا مرحوم پر سخت غیظ و غضب کا اظہار ہے۔
اسی رپورٹ میں مسٹر انور علی نے مولانا کی تقریر منٹگمری (جس کا حوالہ گزرا) کے ضمن میں دفعہ 124 الف (بغاوت) کے کیس کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ معلوم کر رہا ہوں کہ یہ کیس اب کس مرحلہ میں ہے؟ (صفحہ 146) اور رپورٹ کے حصہ پنجم میں مختلف جماعتوں کا تجزیہ کرتے ہوئے فاضل جج صاحبان نے صفحہ 272 سے 279 تک احرار کا ذکر کیا ہے اور جو صلاحیاں سنا سکتے تھے وہ سنانے سے گریز نہیں کیا۔ اسی حصہ کے صفحہ 274 پر مولانا کی تقریر لاہور 15 فروری 1953ء کو بنیاد بنا کر انہیں پاکستان کا دشمن ثابت کرنے کی سعی نامسعود کی گئی ہے۔

منیر رپورٹ کے یہ حوالے پیش کرنے سے ہمارا مقصد یہ تھا کہ یہ واضح ہو سکے کہ اس تحریک کے ضمن میں خود حکومتی حلقوں میں جن چند حضرات کا نام بطور خاص گونجتا تھا ان میں امیر شریعت تو بہر حال صف اول میں تھے ان کے بعد ان کے دو خصوصی نائبین مولانا جالندھری اور قاضی صاحب کے نام تھے فرق تھا تو یہ کہ قاضی صاحب اعلیٰ حلقوں میں مرزائی لٹریچر کے حوالہ سے مرزائیت کی حقیقت سمجھانے پر مامور تھے جس کی بناء پر آغا شورش مرحوم نے انہیں "سفیر اسلام" کہا تھا تو مولانا محمد علی صاحب عوام کو منظم کرنے، رضا کاروں کی تربیت اور مستقبل میں تحریک کا نقشہ بنانے میں معروف تھے۔ مرحوم آغا شورش کاشمیری نے اپنی کتاب تحریک ختم نبوت میں مولانا مرحوم کے کردار کو زبردست طریق سے سراہا ہے۔

اس تحریک مقدسہ کا سب سے بڑا اور اہم مرکز پنجاب تھا اس کے بعد کراچی اور اس میں ملک کے ہر مکتب فکر کے علماء صلحاء، مشائخ و سجادگان طریقت، طلبہ و وکلاء، تجار و مزدور الغرض زندگی کے ہر شعبہ کے لوگ شامل تھے۔ شدید ہڑتالیں ہوئیں، پہیہ جام ہوا، ہزاروں انسانوں نے جام شہادت نوش کیا۔ ان گنت جیل گئے، ظلم و تشدد برداشت کیا جزوی مارشل لاء کا ملک شکار ہوا اور یہ پہلا مارشل لاء تھا جو ملک میں اس تحریک مقدسہ کو دبانے کے لئے لگایا گیا اور شاید اسی کی نحوست ہے کہ ملک کی عمر کا بڑا حصہ مارشل لاء یا نیم مارشل لاء کی نذر ہو رہا ہے اور سیاست دان جنہوں نے اس مسئلہ کو سنجیدگی سے محسوس نہ کیا وہ تماشہ بن کر رہ گئے ہیں۔

ع۔ ڈر اس کی دیر گیری سے کہ ہے سخت انتقام اس کا

تحریک کے مخالفین

ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے اس مسئلہ سے لاتعلقی اختیار کی یا اسے اپنی سیاست کی بھینٹ چڑھانا چاہا یا حکمرانوں کے آلہ کار بنے، ان سب کا حشر و انجام اتنا المناک ہوا کہ توبہ بھلی۔
اس دور کی مرکزی حکومت مسلم لیگ کی تھی اور اس کے سربراہ ناظم الدین خواجہ تھے انہیں

مطالبات سے ہمدردی تھی لیکن وہ کچھ کرنے سے معذور تھے (منیر رپورٹ صفحہ 251) اور آخر میں تو وہ اس موڑ پر آگئے کہ انہوں نے 22 فروری 1953ء کو اپنی ملاقات کے دوران ایک وفد کو جس میں ماسٹر تاج الدین انصاری، مولانا ابوالحسنات، سید مظفر علی شمسی اور مولانا عبدالحامد بدایوانی شامل تھے، صاف صاف بتادیا کہ نہ تو مطالبات تسلیم کئے جاسکتے ہیں نہ ان کو دستور ساز اسمبلی میں پیش کیا جاسکتا ہے (منیر رپورٹ صفحہ 138) ۱؎

خواجہ ناظم الدین کے اس طرز عمل نے ان کے خلاف نفرت پیدا کردی مسٹر دولتانہ کی پنجابی حکومت پہلے ہی ان کے خلاف تھی اب وہ عوامی غضب کا شکار ہوگئے نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے اپنے مقرر کردہ امریکی سفیر مسٹر بوگرہ ان کے جانشین کے طور پر امریکہ سے آدھمکے اور خواجہ صاحب "بڑے بے آبرو ہو کر تیرے کوچہ سے ہم نکلے" کے مصداق اس "اس تخت جلال" سے ایسے نیچے گرے کہ پھر ساری زندگی اسی خواہش و تمنا میں گزر گئی حتیٰ کہ دم واپسیں انہوں نے اور ان کے رفقاء نے ایوب خان کے مقابلے میں بانی پاکستان کی ہمشیرہ کی چھتری تلے عمر رفتہ کو آواز دینے کی کوشش کی لیکن اسی دوران ایک دن ان کی موت کی خبر آگئی اور وہ فتح کی خبر کیا سنتے اپنے متحدہ محاذ کی شکست کی خبر بھی قبر کے اندر انہیں معلوم ہوئی۔ سدا رہے نام اللہ کا۔

مسٹر دولتانہ بڑے زیرک آدمی تھے لیکن ان کے مزاج میں سازش و شرارت کا عنصر غالب تھا۔ ممدوٹ صاحب جیسے شریف آدمی کو گرانا آسان تھا لیکن اس مقدس دینی مشن میں پہلے تو انہوں نے کھیل کھیلنا چاہا لیکن جب فدایان ختم نبوت نے ان کی زیرکی و چالاکی کو چلنے نہ دیا اور ان کے دام فریب میں آنے سے انکار کردیا تو پھر انہی کا صوبہ بلا نوشان محبت کے لئے اذیت خانہ بن گیا پھر جس طرح وہ کوچہ وزارت سے نکلے اس کو عتاب خداوندی کا ہی نام دیا جاسکتا ہے اور بس

وہ دن گئے اور آج کے دن تک وہ بقید حیات ہیں لیکن اس طرف سے برابر محروم، اگر موقعہ ملا تو

۱؎ - یہ افسوس ناک صورت حال ہے کہ خواجہ ناظم الدین خود حافظ قرآن تھے اور بانی جامعہ اشرفیہ لاہور مولانا مفتی محمد حسن رحمہ اللہ تعالیٰ کے عقیدت مند۔ مفتی صاحب کی مجلس میں برابر حاضری دیتے اور حضرت امام القراء قاری عبدالمالک رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے بزرگوں سے رمضان میں اپنے یہاں قرآن سنتے۔ نماز کے پابند اور تہجد گزار خواجہ کی ذاتی زندگی یہ تھی لیکن اجتماعی زندگی وہ تھی کہ ان کے دور میں ہزارہا غلامان مصطفیٰ کا خون بہایا گیا۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون)

اس لئے اہل نظر کہتے ہیں کہ اپنی ذات میں نماز روزے کا پابند ہونا عظمت کی دلیل نہیں عظمت اس میں ہے کہ انسان اجتماعی زندگی میں کیا کردار ادا کرتا ہے

ناظم الدین، عبدالرب نشتر (جنہوں نے جامعہ اشرفیہ کے لئے قیمتی زمین فراہم کی) چودھری محمد علی اور ضیاء الحق جیسے حضرات ذاتی زندگی میں کیسے ہوں، اجتماعی حوالہ سے ان کے کردار بہرحال قابل رشک نہیں اور اس ملت کے زوال میں ان کے اعمال کا بڑا حصہ ہے اے کاش سادہ لوح مسلمان اس بنیادی فرق کو سمجھ لیں (علوی)

مسٹر بھٹو جیسے انسان کی نوکری کا۔(انا للہ وانا الیہ راجعون)(۱)

جنرل اعظم خان جو مارشل لاء کا ذمہ دار ہونے کے ناطہ سے ظلم و تشدد کا ذمہ دار تھا وہ اور دوسرے اعلیٰ سرکاری عہدے دار مثلاً مسٹر قربان علی وغیرہ کچھ نامرادی کی موت مر گئے کچھ اپنے انجام کے منتظر ہیں اور تماشہ عالم بنے بیٹھے ہیں۔ مولانا سید محمد داؤد غزنوی اس قافلہ کے اہم ترین رکن تھے تقسیم ملک کے قریب ہی "خواب و بشارت" کی بنیاد پر مسلم لیگ میں شامل ہو گئے اب وہ ایم ایل اے بھی تھے دولتانہ کے جانشین مسٹر فیروز علی خان نون (جو دم واپسیں کئی دن بے ہوش رہ کر 1970ء میں اپنے انجام کو پہنچے) نے مولانا غزنوی کے ذریعہ ایک بیان ان حضرات کے پاس بھجوایا جس کا متن یہ تھا

"تحریک ختم نبوت کو چلانے کا ہمارا اس طرح کوئی ارادہ نہیں تھا اور نہ ہی آئندہ ہم ایسی کسی تحریک کے چلانے کا ارادہ رکھتے ہیں کہ آئندہ ہم ایسی کوئی تحریک نہیں چلائیں گے جس سے ملک کا امن خطرہ میں پڑے۔"

مولانا غزنوی نے یہ تحریک جیل میں ان حضرات تک پہنچائی جواب کے لئے اگلے دن کا وعدہ ہوا شاہ جی مرحوم کا فیصلہ یہ تھا۔

یہ تحریک ہماری سیاسی اور مذہبی موت کے مترادف ہے۔

"اس پر دستخط کرنے کے بجائے جیل کے اخلاقی قیدیوں کے ہاتھوں ہمارا قتل زیادہ بہتر ہے۔"

جواب کے موقعہ پر مولانا سے ان کی تلخ کلامی بھی ہوئی اور حکومت کی آخری سازش ناکام ہو گئی

(حیات امیر شریعت صفحہ 358)

اس قید سے رہائی کے بعد فیصل آباد میں شاہ جی نے لائلپور کانفرنس میں پہلی تقریر کی جس میں علاوہ دوسرے مسائل کے مولانا داؤد غزنوی کا بھی ذکر آیا۔ عمر بھر کے رفیق کے طرز عمل سے شاہ جی دل

---

(۱) اس مرحلہ پر یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ مرکزی حکومت نے قائدین تحریک سے رابطہ کر کے اس تحریک کو دولتانہ کی شرارت قرار دینا چاہا (حتیٰ کہ منیر رپورٹ صفحہ 200 کے) بقول مسٹر فضل الٰہی مشیر عدالت نے اس امر پر زور دیا کہ فسادات کی ذمہ داری حکومت پنجاب اور مسلم لیگ کے سر ہے) اور اس شرط پر ان حضرات کی رہائی کا وعدہ کر لیا لیکن یہ لوگ ایسے کہاں تھے کہ ان سازشوں کا شکار ہوتے چنانچہ امیر شریعت کراچی جیل میں تھے تو ایک افسر سی آئی ڈی نے آپ سے مکرر اس قسم کی بات کہی اس کے جواب میں شاہ جی نے کہا

یہ جھوٹ ہے کہ دولتانہ ایک دنیادار انسان ہے اور تحریک ختم نبوت پاک جذبات کی محرک اس کی ذمہ داری کسی فاسق و فاجر پر نہیں ڈالی جا سکتی۔ جاؤ اپنی حکومت سے کہہ دو یہ تحریک میں نے چلائی ہے اور اس کا ذمہ دار بھی میں ہوں

(حیات امیر شریعت صفحہ 65-364)

قائدین تحریک اور دولتانہ گٹھ جوڑ کا پروپیگنڈہ کرنے والے خوف خدا سے بے نیاز لوگوں کے لئے اتنی سی بات کافی ہے کہ اس کے بعد کوئی شور مچاتا ہے تو یہی کہا جائے گا

ع۔ آواز سگاں کم نہ کند رزق گدا را (علوی)

برداشتہ تھے یہ کہہ کربات ختم کردی۔

وہ نیک آدمی ہیں خدا جانے کسی سیاسی مصلحت کی وجہ سے ملک صاحب نے ان سے یہ کام لیا ہے اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمائے (حیات امیر شریعت صفحہ 403)

افسوس کہ مولانا غزنوی جیسا عالی وقار اور خاندانی انسان اس سازش و المیہ کے بعد پاکستان میں خاموش ہو کر رہ گیا (فیا حسرتا) رہ گئے مولانا احتشام تھانوی مرحوم تو ان کے معاملہ میں اتنی ہی بات کافی ہے کہ مرحوم نے زندگی کا آخری دور ان حکمرانوں کی دوستی میں گزارا جن کے خلاف فتوائے کفر کی ترتیب میں وہ کبھی سرگرم عمل تھے اور اس تحریک کے بعد لاہور چھوڑ کر پورے پنجاب میں ایک مدت وہ تشریف نہ لا سکے۔ ایک مرتبہ لاہور آئے تو بپھرے ہوئے عوام نے تقریر کی اجازت نہ دی بصد مشکل جان بچی۔ رہ گئی محترمہ جماعت اسلامی تو گرگٹ کی طرح رنگ بدلنا اس کا اور اس کے بانی کا کمال رہا ہے۔ بانی جماعت آج اس دنیا میں نہیں لیکن ان کا طرز عمل و کردار تاریخ کا ایک حصہ ہے۔۔۔۔ ان کی تحریرات اتنی ظالمانہ تھیں کہ انبیاء معصومین علیہم السلام سے ایک عام مسلمانوں تک کوئی بھی ان سے نہ بچا۔

حضرت شیخ السلام مولانا سید حسین احمد مدنی، حکیم الامت مولانا تھانوی، فقیہ عصر مفتی محمد کفایت اللہ، برکۃ العصر مولانا محمد ذکریا شیخ الحدیث امام الاولیاء مولانا احمد علی لاہوری اور امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری سے لے کر آج کے زندہ بزرگوں میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور مولانا محمد منظور نعمانی جیسے بے نفس اور صاحب صلاح و تقویٰ لوگوں نے ان کا علمی محاسبہ کیا درمیانی کڑیوں میں مولانا سید محمد یوسف بنوری، مولانا غلام غوث ہزاروی، مولانا محمد علی جالندھری اور مولانا لال حسین اختر جیسے لوگ بھی خوب خوب فریضہ حق ادا کر گئے۔۔۔۔۔ جو مودودی صاحب جمہوریت کو کبھی لات و منات سے تعبیر کرتے وہی اس کے عاشق صادق بنے، حتیٰ کہ جیل خانہ سے محترمہ فاطمہ جناح کے "صلاح و تقویٰ" کی سند فراہم کر کے پوری جماعت کو اس میں جھونک دیا اور پھر دلائل و براہین کے انبار لگا دیئے۔۔۔۔ سیاسی محرومیوں اور جماعتی ادبار و زوال کا یہ تمام تر قصہ کیوں پیش آیا؟ وہ پھانسی کی سزا کا شکار ہو کر لمبا عرصہ جیل رہے تو کیوں؟ ان سب سوالات کا جواب بڑا واضح ہے اور ارباب علم اگر غور کریں تو انہیں اندازہ ہوگا کہ یہ سب کچھ تحریک مقدسہ سے بے اعتنائی کا صلہ تھا اور پھر یہ بھی لطیفہ ہے کہ ان کی علمی لغزشوں اور قلمی ذلتوں کی تاریخ کا بڑا حصہ اس تحریک کے بعد سامنے آیا۔

بقول منیر رپورٹ یہ جماعت اپنے آپ کو ڈائریکٹ ایکشن سے بالکل لاتعلق ظاہر کرتی ہے اور اس کلیان ہے کہ اس نے کبھی اس کی تائید نہیں کی (صفحہ 257)

اس کے باوجود منیر رپورٹ کے مرتبین نے اسے معاف نہ کیا اور احرار کی طرح اس پر بھی تصور پاکستان کی دشمنی اور پاکستان کو "ناپاکستان" کہنے کی پھبتی کسی (صفحہ 261)

ع نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے۔

اور پھر منیر و کیانی صاحبان نے صفحہ 263 پر لکھا کہ 18 جنوری 1953ء کے کنونشن میں اپنی شمولیت کا مودودی صاحب نے انکار نہیں کیا جس میں ڈائریکٹ ایکشن کی قرارداد منظور ہوئی اور اسی صفحہ پر ہے کہ شام کے اجلاس میں کسی مجبوری کے سبب شریک نہ ہونے کی معذرت کر کے اپنا نمائندہ مولانا سلطان احمد امیر جماعت کراچی و سندھ کو مقرر کیا اور اسی اجلاس میں ایک الٹی میٹم تیار کرنے اور اسے خواجہ ناظم الدین کے پاس بھیجنے کا فیصلہ ہوا۔ مولانا ابوالحسنات مرحوم نے بھی اس بات کی گواہی دی کہ مودودی صاحب کے نمائندے اس اجلاس میں شریک تھے۔ اور انہوں نے کسی قسم کے اختلاف کا اظہار نہ کیا۔
(منیر رپورٹ صفحہ 264)

لیکن 18 فروری 1953ء قیم جماعت میاں طفیل محمد (حال امیر جماعت) نے اپنے ورکروں کے نام ہدایت جاری کی کہ یہ سب کچھ جماعت کے نظم کے خلاف ہے لہٰذا وہ کسی حلف نامے پر دستخط نہ کریں۔
(رپورٹ صفحہ 266)

اور جب 27 فروری کو کراچی میں قائدین گرفتار ہوئے تو مودودی صاحب نے یکم مارچ کو ایک پریس بیان میں گرفتار کرنے والے لوگوں کو نامعقول قرار دیا اور کہا کہ یہ لوگ تھانیدارانہ ذہنیت رکھتے ہیں حکومت نے جو وسائل اختیار کئے ہیں ان سے مطالبات کو دبایا نہیں جاسکتا۔ مزید کہا کہ حکومت نے پریس نوٹ میں یہ بالکل جھوٹ لکھا ہے کہ یہ مطالبات احرار کے وضع کردہ ہیں جو پاکستان کے دشمن ہیں یہ مطالبات مسلمانوں کے متفقہ مطالبات ہیں۔ (رپورٹ صفحہ 267)

اس ادلتی بدلتی پالیسی کا نتیجہ یہ نکلا کہ مودودی صاحب عوام اور حکومت دونوں ہی کے مجرم قرار پائے۔ رپورٹ کے مرتبین نے صفحہ 271 پر ان کے خلاف سخت لب و لہجہ اختیار کیا ان کے رویہ کو سرکشانہ رویہ کہا۔

اس کے باوجود مودودی صاحب کو پھانسی کی سزا ہوئی اس سزا کی بنیاد پر وہ اور ان کی جماعت روایتی انداز سے پروپیگنڈا کرتی ہے۔ لیکن جن لوگوں کی نظر میں تمام واقعات ہیں وہ اس سے دھوکہ نہیں کھاتے۔

اس سزا کا سبب موصوف کا وہ پمفلٹ تھا جو "قادیانی مسئلہ" کے نام سے انہوں نے لکھا اور (لطیفہ یہ ہے کہ اس کا تمام تر مواد مرحوم قاضی احسان شجاع آبادی نے فراہم کیا لیکن داعی نظام اسلام نے لفظی شکریہ تک ادا نہیں کیا جبکہ مصنفین عام حالات میں اس کا اعتراف کرتے ہیں پمفلٹ مرکنٹائل پریس لاہور میں چھپ کر ملٹری میں تقسیم کرانے کی جماعت اسلامی نے کوشش کی جس کی وجہ سے وہ گرفتار ہو کر سزا تک پہنچے۔ ملٹری کورٹ نے سزا دی جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ان کی سزا و جیل کا مرحلہ بہت بعد میں آیا جب مارشل لاء لگ گیا۔ ملٹری کورٹ قائم ہو گئی لیکن اصل تحریک سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا۔

ملٹری کورٹ نے انہیں سات یوم کے اندر ہیڈ کوارٹر میں اپیل کی اجازت دی جبکہ ملٹری کورٹس کی سزاؤں پر اپیل کانہ کسی نے سنا نہ دیکھا۔ بہر طور دو سال بعد مودودی صاحب رہا ہوئے ایک وہ پریس جہاں یہ پمفلٹ چھپا تھا آج تک مقدمات کا شکار ہے اور اس کے مالکان کسمپرسی کی زندگی گزار رہے ہیں۔

ہم قارئین کی توجہ دلائیں گے کہ مودودی صاحب کا کردار معلوم کرنے کی غرض سے جہاں وہ ماسٹر تاج الدین انصاری مرحوم کا رسالہ "بیان صادق" وہاں منیر رپورٹ کے متعلقہ حصے بھی ملاحظہ فرمائیں اور سب سے زیادہ مستند دستاویز خود ان کے اشاعتی ادارہ اسلامک پبلیکیشنز کی کتاب "قادیانی مسئلہ" ہے جس میں منیر انکوائری کورٹ میں پیش کئے جانے والے تینوں بیانات کے ساتھ ساتھ اس رسالہ کے مقدمہ کی کارروائی بھی شامل ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس سے سارے الجھاؤ دور ہو جائیں گے اور آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ دنیائے کمیونزم ہی میں گوئبلز کے فلسفہ جھوٹ کو اپنایا نہیں جاتا۔ یہ خباثت اور جگہ بھی بڑی مقبول ہے اور آخر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیر شریعت کی تقریر کا وہ حصہ ذکر کر دیا جائے جو مودودی صاحب کے کردار کو سمجھنے کے لئے حرف آخر کا کام دے گا۔ یہ تقریر تحریکی جیل سے رہا ہونے کے بعد آپ نے فیصل آباد میں کی۔

ہوا یوں کہ مئی 1955ء میں مسٹر نون کی بھی پنجاب کی وزارت سے چھٹی ہو گئی۔ جماعت نے 4 سے 11 جون تک اپنا مرکزی اجلاس لائل پور بلانے کا فیصلہ کیا' مودودی صاحب کا کردار' مولانا داؤد غزنوی کا طرز عمل اور احرار رہنماؤں ماسٹر تاج الدین انصاری' شیخ حسام الدین اور آغا شورش مرحومین کی عوامی لیگ میں شمولیت جیسے مسائل زیر بحث آنے تھے۔ شہر میں دفعہ 144 نافذ تھی اس لئے اجلاس اور جلسہ کا اہتمام پیپلز کالونی میں ہوا۔ آپ کی صحت جواب دے چکی تھی لیکن حوصلہ بلند تھا۔ عزم راسخ تھا۔ آپ نے تفصیلی تقریر کی' انہی دنوں ایک مرزائی مسلم کیس میں راولپنڈی کے جج نے مرزائیوں کے کفر کو عدالتی فیصلہ میں واضح کیا تھا اس کا حوالہ دے کر شاہ جی نے کہا۔

شاہ جی اور مودودی صاحب

کہتے ہیں (تحریک کا) نتیجہ کچھ نہیں نکلا۔ ارے نتیجہ تو نکل آیا راولپنڈی کے جج کا فیصلہ تمہارے سامنے ہے' پھر گرجدار آواز میں کہا

"تحریک ختم نبوت میں جو کچھ ہوا اس کا میں اکیلا ذمہ دار ہوں تمام ذمہ داری میرے سر ہے اور قیادت تک اس مسئلہ پر جس قدر لوگ مریں گے اس کی ذمہ داری بھی میرے سر رہے گی۔ میں مودودی نہیں ہوں کہ بددیانت ہو جاؤں' مجلس عاملہ کے اجلاس کراچی میں مودودی صاحب مرے گھٹنے سے گھٹنا ملا کر بیٹھے تھے۔ قرارداد میرے جانے سے پہلے پاس ہو چکی تھی میں کیا کروں کسی کی کتابوں کو اور لٹریچر کو؟ میں اس سے پہلے اجلاس میں نہیں گیا تھا دوسرے دن مولانا محمد علی میرے پاس آئے اور کہا کہ آج

تم چلو میں نے کہا جو پاس کرنا ہے کرلو میں عمل کروں گا۔ جب گیا تو مولانا داؤد غزنوی کے پاس جا بیٹھا۔ مودودی پاس بیٹھے تھے انہوں نے مجھے اپنے دائیں طرف جگہ دی محمد علی (جالندھری) لوگوں سے دستخط کرا رہے تھے اور میرا نام بھی لکھوایا ان کا نام بھی لکھا آج وہ (مودودی) کہتے ہیں کہ میں تحریک میں شامل نہ تھا میں کہتا ہوں شامل تھا۔ اگر مودودی شامل نہیں تھا تو میں ان سے حلفیہ بیان کا مطالبہ کرتا ہوں بلکہ صرف یہ مطالبہ کرتا ہوں کہ وہ اپنے لڑکوں کے سروں پر ہاتھ رکھ کر اعلان کردیں کہ میں شامل نہیں تھا ورنہ میں اعلان کرتا ہوں کہ میں ذمہ دار ہوں میں تحریک میں شامل تھا۔ ارے جو تحریک میں شامل تھا اس نے سال بھر جیل کاٹی اور جو نہیں شامل اس نے دو سال کاٹی۔ جب میں رہا ہونے لگا تو ڈیوڑھی میں آکر مودودی نے کہا کہ جنہوں نے تقریریں کیں وہ رہا ہوئے اور جنہوں نے فقط سرہلایا وہ پھنسے رہے۔ یہ ہے دیانت، ہزاروں شہید ہوئے، ماؤں کے سہاگ لٹے کئی یتیم ہوئے، کئی اجڑ گئے، آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے۔

"اللہ میں ذمہ دار ہوں، آج بھی ذمہ دار ہوں اور آنے والے کل کو بھی میں ذمہ دار ہوں گا میں نے یہ سب کچھ تیرے نبی ﷺ کے نام کی خاطر کیا تھا۔"

ہزاروں کو مروا کر کہہ دوں کہ میں شامل نہیں تھا کیا یہی دین ہے؟ کیا کروں علم کو اور ادب کو، میرا کلیجہ پھٹتا ہے، میں بولنے پر آؤں تو ادھار کیوں رکھوں، ارے تم سے کافر گلیلیو ہی اچھا تھا جس نے زہر کا پیالہ پی لیا۔

جو ہوتا ہے ہولے، اللہ تعالیٰ ہم سے غلط قدم نہ اٹھوائے۔ (حیات امیر شریعت صفحہ 403-401)

اس تقریر نے مودودی صاحب اور ان کی جماعت کو نکو بنادیا۔ گو کہ بعد کے حالات میں اور بالخصوص آج کے حالات میں وہ کس قدر اچھل کود کر رہے ہیں لیکن عمر رفتہ والی بات نہ ہے نہ ہوگی۔ حضرت امیر شریعت قدس سرہ کے ساتھ حضرت امام العلماء مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے مودودی صاحب پر جو ضرب کاری لگائی اور "حق پرست علماء کو مودودیت سے ناراضگی کے اسباب" نامی کتاب لکھ کر ان کا تعاقب کیا اس نے رہی سہی کسر پوری کردی اس رسالہ کا عربی ترجمہ "افکار العلماء الراسخین" کے نام سے چھپ کر بڑا مفید ثابت ہوا اور ان ہر دو حضرات کے بعد ان کے عزیز و رفیق مجاہد ملت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تو مرتے دم تک اس فتنہ ضالہ کا تعاقب کیا۔ گو مولانا المحترم کو اس کی بڑی قیمت ادا کرنا پڑی اور خود آپ کی دوستی کا دم بھرنے والے آپ کے درپے ہوگئے لیکن اس مرد قلندر نے اپنے مشن سے گریز نہ کیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃ۔

مولانا ہزاروی مرحوم کا ذکر آگیا تو یہ بات بھی نوٹ کرلیں کہ وہ مجلس احرار اسلام کے اہم ترین قائدین میں سے تھے بقول چودھری افضل حق مرحوم۔

مولانا غلام غوث سرحدی عالم باعمل، متعدد بار مرکز کے صدر رہ چکے ہیں۔ احرار کی قوت کا سرچشمہ

ہیں (تاریخ احرار صفحہ 267)

مرحوم مولانا ہزاروی تحریک ختم نبوت 1953ء میں مجلس کے مشن و طے شدہ پروگرام کے مطابق گرفتار نہیں ہوئے لاہور اور دوسرے مقامات پر رہ کر تحریک کی قیادت کی۔ حکومت نے ان کی گرفتاری کے لئے بڑے جتن کئے لیکن کامیاب نہ ہو سکی۔ تحریک کے بعد جماعت نے دوسرے قائدین و مبلغین کی طرح ان کی خدمت میں بھی کچھ پیش کرنا چاہا تو فرمایا کام چلتا رہا ضرورت نہیں۔ 1956ء میں آپ نے جمعیۃ علماء اسلام کے احیاء اور تنظیم نو کا دھندا شروع کیا حضرت الامام لاہوری رحمہ اللہ تعالیٰ سے سرپرستی و امارت کی درخواست کی گئی انہوں نے مولانا کی نظامت عمومی کی شرط پر امارت قبول کی۔ ایوبی دور میں ان کی خدمات کا ریکارڈ ہے۔ افسوس ان کے موقف کو سمجھنے کی کوشش نہ کی گئی اور وہ آخر میں اپنے ہی دوستوں کی عنایات و نوازشات کا شکار ہو گئے۔

1974ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت میں انہوں نے اپنے رفقاء سمیت مرزائیوں کے محضر نامہ کا مفصل جواب دیا اور کتابوں کے حصول کے لئے تکلیف کے باوصف شجاع آباد تک جا کر اپنے قدیم دوست مرحوم قاضی صاحب کے کتب خانہ سے کتابیں حاصل کیں۔ اس مرد قلندر کو مطعون کرنے والوں کو حیرت ہو گی کہ 40 روپے کے مقروض وہ چند سال قبل دنیا سے رخصت ہوئے رحمہ اللہ تعالیٰ۔

تحریک کی نوبت کیوں آئی؟

ان گذارشات کے بعد تحریک کے ضمن میں یہ بات عرض کرنا ہے کہ اس کی نوبت کیوں آئی؟

جیسا کہ ہم نے گذشتہ صفحات میں عرض کیا کہ منیر رپورٹ کے جج صاحبان تک نے احرار پر یہ پھبتی کسی کہ وہ تحریکوں کے عادی ہیں اور یہ ان کا مزاج ہے لیکن یہ بات بالکل غلط ہے' تحریکیں احرار نے بہت چلائیں لیکن کسی مقصد کے پیش نظر ہی مقصد جتنا بلند تھا اس کا کچھ اندازہ پچھلی سطور سے آپ کو ہو گیا ہو گا۔

تحریک کے پس منظر کو سمجھنے کے لئے مرزائیت کو سمجھنا بہت ضروری ہے اور ہم آغا شورش مرحوم کے حوالے سے لکھ چکے ہیں کہ قادیانیت کو اس کے اصل سیاسی روپ میں سمجھنے کی پہلی کوشش قائد احرار چودھری افضل مرحوم کی ہے ورنہ اب تک ایک مذہبی ٹولے کے طور پر قادیانیت معروف تھی اور اسی انداز سے اس کی تردید و تعاقب ہوتا تھا۔ مرحوم چودھری صاحب کی کتاب "تاریخ احرار" کے چوتھے باب کا اس سلسلہ میں مطالعہ بڑا مفید ہے۔ چودھری صاحب کے بعد اس عنوان پر علامہ اقبال مرحوم کا کام بڑا مؤثر ہے۔ افسوس کہ اس ملک میں جس کے تصور کا خالق اقبال کو سمجھا جاتا ہے' اقبال کی زندگی کے اس رخ پر توجہ دینے کی کوشش نہیں کی گئی۔ وہ لوگ جو اقبال کے مجاور ہیں اور بقول شورش مرحوم "اقبالی مجرم" ہیں۔ ان شورہ پشتوں اور آوارہ خراموں کو مرحوم اقبال کی وہ رباعی تو ہمیشہ یاد رہتی ہے جس

کا تعلق حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ سے ہے حالانکہ علامہ طالوت مرحوم کے توسط سے دونوں حضرات کے درمیان خط و کتابت کے نتیجہ میں وہ معاملہ صاف ہو گیا تھا اور اقبال مرحوم نے واضح کر دیا تھا کہ "اب مجھے مولانا مدنی پر اعتراض کا کوئی حق نہیں اور میں ان کے احترام میں ان کے عقیدت مندوں سے پیچھے نہیں"۔

سرود بر سر منبر کی رباعی بغیر حاشیہ و توضیح کے چھاپنا اور اس پر بغض و عناد کی عمارت کھڑی کرنا یار لوگوں کا کام ہے اور علامہ کے وہ خطوط و بیانات یاد نہیں جن کا تعلق مرزائیت سے ہے جن میں انہوں نے مرزائیوں کو اسلام و ملک کا غدار کہا تھا۔ یہ بات کہ مرزائی سرکار برطانیہ کے وفادار تھے کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ چند حوالہ جات پیش خدمت ہیں جس سے ان کی حیثیت خود ان کے ابا مرزا غلام احمد کادیانی کی تحریرات سے متعین ہو جائے گی۔ (مولانا تاج محمود کے رسالہ "قادیانیوں کے عقائد و عزائم ص 46 سے ص 51 تک چند ضروری حوالہ جات نوٹ ہو جائیں)

یہ بات صرف کتابوں اور رسائل تک محدود نہیں بلکہ مرزائی جماعت نے اس معاملہ میں کبھی کسر نہیں اٹھا رکھی اور سرکار برطانیہ کی خدمت عین سعادت سمجھ کر کی۔ مثلاً

شاہ سعود اور شریف کی آویزش کے زمانہ میں میر محمد سعید حیدر آبادی کا مکہ معظمہ جانا

ترکی میں مصطفیٰ صغیر کی سرگرمیاں اور مصطفیٰ کمال کو قتل کرنے کا منصوبہ۔ جس میں وہ کامیاب نہ ہو سکا اور بجرم سازش قتل کر دیا گیا۔

مرزا محمود کے سالے میجر حبیب اللہ شاہ (فوج میں ڈاکٹر) کا پہلی جنگ عظیم میں بھرتی ہو کر عراق جانا اور فتح پر انہیں گورنر نامزد کرنا (بعد میں فیصل مرحوم نے ان کی سرگرمیوں سے مطلع ہو کر انہیں وہاں سے نکال دیا) یاد رہے کہ اس کا بھائی ولی اللہ زین العابدین قادیان میں امور عامہ کا انچارج تھا۔

1926ء میں مشہور قادیانی جلال الدین شمس کا شام جانا اور حریت پسندوں کے ہاتھوں اس پر قاتلانہ حملہ' وہاں سے اس کا فلسطین جا کر 1931ء تک وہاں رہنا۔

1921ء میں مولوی محمد امین قادیانی کو برطانوی استعمار کی طرف سے روس بھیجنا (براستہ ایران) وہاں اس کی گرفتاری اور جیل اسی اثناء میں مولوی ظہور حسین کا وہاں جانا اور اس کی بھی گرفتاری پھر انگریز سفیر کی مداخلت سے رہائی۔

1924ء میں نعمت اللہ قادیانی کا پکڑا جانا بجرم جاسوسی وارتداد پھانسی پانا پھر 1925ء میں ملا عبد الحلیم اور ملا نور علی کا اسی جرم میں موت کے گھاٹ اتارا جانا" (عجمی اسرائیل صفحہ 25-24) ۱؎۔

۱؎ افغانستان اور پاکستان کے تعلقات کی کشیدگی میں مرزا کے چہیتے سر ظفر اللہ کا ہاتھ ہے جو ہمارا وزیر خارجہ تھا جس نے افغانی سفیر متعینہ برطانیہ کو ان تین قادیانیوں کے قتل پر دعید خداوندی کی دھمکی دی تھی۔ (عجمی اسرائیل ص 25)

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

یہ ایسے واقعات ہیں جو مرزائیوں کا چہرا بے نقاب کر دیتے ہیں اس ضمن میں عجمی اسرائیل صفحہ 27 مصنفہ مرحوم شورش بھی لائق مطالعہ ہے۔ یہ تمام تفصیلات مرزائی برطانوی تعلقات کا منہ بولتا ثبوت ہیں اور اب اسرائیل میں ان کا مشن ان کے عزائم کو سمجھنے کے لئے ایک واضح دلیل ہے۔

مرزائی۔ برطانیہ تعلقات کے پیش نظر بقول منیر رپورٹ مرزائیوں کو برطانیہ کی جانشینی کے خواب نظر آرہے تھے۔ 1945ء سے 1947ء کے آغاز تک ان کی بعض تحریروں سے یہ منکشف ہوتا ہے کہ انہیں پہلے انگریزوں کا جانشین بننے کی توقع تھی (منیر رپورٹ صفحہ 209)

لیکن جب ایسا نہ ہو سکا تو وہ لٹھ لے کر پاکستان کے پیچھے پڑ گئے اور اس کے وجود کو فنا کرنے پر تل گئے۔ اس سے قبل کہ ہم مرزائی لیڈروں کے اقتباس پیش کریں پاک عدلیہ کے دو فاضل ججوں کا اقتباس سن لیں جنہوں نے احرار دشمنی میں اس ملک کے اندر بین الاقوامی سازشوں کے دروازے کھولے۔ فاضل جج صاحبان رقم طراز ہیں۔

ان کی بعض تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تقسیم کے مخالف تھے اور کہتے تھے کہ اگر ملک تقسیم بھی ہو گیا تو وہ اسے دوبارہ متحد کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس کی وجہ واضح طور پر یہ تھی کہ احمدیت کے مرکز قادیان کا مستقبل بالکل غیر یقینی نظر آرہا تھا جس کے متعلق مرزا صاحب بہت سی پیشین گوئیاں کر چکے تھے۔ (منیر رپورٹ 209)

وہ تحریرات جن میں پاکستان کا تیاپانچہ کرنے کی باتیں کی گئیں ان کا نمونہ ملاحظہ ہو!

"پاکستان کا وجود عارضی ہے اور کچھ وقت کے لئے دونوں قومیں (ہندو مسلمان) جدا جدا رہیں گی۔ اگر یہ حالت عارضی ہو گی اور ہمیں یہ کوشش کرنی چاہیے کہ جلد دور ہو جائے۔ بہرحال ہم چاہتے ہیں کہ اکھنڈ ہندوستان بنے اور ساری قومیں باہم شیر و شکر ہو کر رہیں۔ (خطبہ مرزا محمود مندرجہ الفضل 5 اپریل 1947ء)

یہاں یہ بات ذہن میں ابھرتی ہے کہ احرار و جمعیت علماء ہند بھی تقسیم ملک کے خلاف تھے اور قادیانی بھی تو دونوں میں فرق کیا رہا؟ اس کا جواب بالکل واضح ہے کہ احرار و جمعیت ایک دیانت دارانہ سیاسی رائے کے طور پر مسلمان قوم کی بہتری میں یہ بات کہتے تھے۔ اسی طرح جس طرح مسلم لیگ کی ایک رائے تھی لیکن مرزائی محض اپنی جانشینی کے لئے ایسا سوچتے تھے لیکن جب ملک تقسیم ہو گیا تو احرار و جمعیت کا بڑے سے بڑا دشمن یہ نہیں کہہ سکتا کہ انہوں نے قولاً فعلاً کسی طرح ملک کو نقصان پہنچانے

بقیہ حاشیہ سابقہ صفحہ

اسی طرح روس کا معاملہ ہے پنجاب یونیورسٹی شعبہ صحافت کے سربراہ مرحوم مرغوب صاحب کا مضمون مندرجہ نوائے وقت لاہور اس سلسلے میں موجود ہے کہ ظفر اللہ کی سازش سے وزیر اعظم لیاقت علی خان امریکہ چلے گئے روس کی دعوت مسترد کر دی اس توہین کا بدلہ روس نے لینے کا واضح اعلان کیا۔ (علوی)

کی سعی کی گئی۔ لیکن مرزائیوں کے ذمہ دار لوگوں کے حوالہ جات سامنے ہیں جن سے ان کے کردار و عزائم کا پتہ چلتا ہے۔

اس کے باوجود مسلم لیگ کے چہیتے تھے اور احرار و ارباب جمعیت دشمن؟ تو اس کی وجہ کیا ہے سو اس وجہ پر اگر گفتگو کی جائے تو صنم ہری ہری کہنے لگیں گے۔ اس لئے اس موضوع تلخ کو چھیڑنا کیا ضروری ہے؟ عقل مند کیلئے محض اشارہ کافی ہے---- اور وہ اس طرح کہ قادیانی جماعت کیوں بنی؟ کس نے بنائی؟ یہ تو سب کو معلوم ہے اس کے ساتھ شملہ وفد 1904ء کی حقیقت معلوم کر لیں جس کی روشنی میں 1906ء میں مسلم لیگ بنی پھر اس کے اغراض و مقاصد پر نظر ڈال لیں مسئلہ آسان ہو جائے گا اور راز آپ کی سمجھ میں آجائے گا۔

اکھنڈ بھارت کا خواب شرمندہ تعبیر یوں ہو سکتا تھا کہ مرزائیوں کو سیاسی قوت و استحکام نصیب ہو۔ ظفر اللہ کی وجہ سے بات بنتی نظر آرہی تھی اس کی منہ زوریاں عروج پر تھیں کہ مرزائی کھل کر سامنے آ گئے اور انہوں نے مختلف سرکاری محکموں پر قبضہ کرنے اور بلوچستان کو اپنی ریاست بنانے کی باتیں شروع کر دیں تاکہ معاملہ آگے بڑھ سکے۔ [۶۱]

مجلس احرار اسلام کے بیدار مغز رہنما اس صورت حال سے بخوبی واقف تھے مرزائیت کا کردار ان کے لئے ایک چیلنج تھا۔ مسلم لیگی حکومت جسے امیر شریعت نے بجا طور پر "بدھ الذین یحمقون" فرمایا تھا۔ منقار زیر پر تھی۔ اسے اندازہ تھا کہ سرکار برطانیہ کے جانشین امریکہ بہادر کی ناراضی مول لینا ہمارے بس میں نہیں۔ وہ ہمارا "داتا" ہے' جب حکومت کی مجرمانہ غفلت کا یہ عالم تھا تو یہ بلانوشان محبت کیوں چپ رہتے؟ مشورے ہوتے رہے بات آگے بڑھتی رہی۔ یہاں تک 24' 25 مارچ 1952ء کو سرگودھا میں استحکام پاکستان کانفرنس مجلس احرار اسلام نے منعقد کی۔ شاہ جی مقرر تھے۔ جب وہ اپنی قیام گاہ پر تھے تو پروانگان بخاری زیارت و ملاقات کا شرف حاصل کرنے میں مصروف تھے یکایک ایک صاحب آئے کمل اوڑھا ہوا سیاہ عینک لگائے ہوئے' قد لمبا' شاہ جی سے تنہائی میں ملنا چاہا' شاہ جی تو مجلس کے آدمی تھے بصد مشکل مانے۔ ملاقات کے بعد وہ چلا گیا لیکن شاہ جی کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمایاں تھے۔ رات کو شاہ جی کی تقریر تھی انہوں نے کسی سے مشورہ نہ کیا۔ تقریر فرمائی اور یکایک شہر میں مسٹر ظفر اللہ خان کا جنازہ

---

۶۱ برادر مکرم مولانا حافظ عزیز الرحمن خورشید نے مبلغ مجلس سرگودہا کی حیثیت سے چند سال قبل ایک دو روزہ کانفرنس منعقد کرائی جس میں مولانا محمد علی صاحب رحمہ اللہ تعالی کی تقریر مرزائیوں کے سیاسی کردار سے متعلق ہوئی اور اس کا سبب مجلس احرار اسلام بھیرہ ضلع سرگودہا کے پرانے خادم اور مولانا کے عزیز دوست مولانا سید محمد شاہ صاحب مرحوم تھے۔ جنہوں نے اپنی درخواست احقر کی وساطت سے کی۔ مولانا کی وہ تقریر پمفلٹ کی شکل میں چھپی جس پر مولانا نے بہ حیثیت مرتب احقر کو بہت سی دعاؤں سے نوازا اور عام طور پر اہل دانش نے داد دی۔ مرزائیوں کے سیاسی رخ کو معلوم کرنے کی غرض سے وہ تقریر بڑی اہم ہے۔ (علوی)

نکلوادیا۔ جماعت حیران 'قانون دم بخود' لیکن بخاری صاحب کام کر چکے تھے اور گویا تحریک کی ابتداء ہو چکی تھی۔

شاہ جی نے اس آنے والے بھلے آدمی کا نام کسی کو نہ بتلایا۔ دراصل وہ بہت بڑا سرکاری افسر تھا۔ بڑے خاموش طریق سے آیا تھا۔ اسے احساس تھا کہ ملک میں زبردست سازش ہونے والی ہے وہ اپنی منصبی ذمہ داریوں کے پیش نظر تو کچھ نہ کر سکتا تھا لیکن یہ ضرور کر سکتا تھا کہ شاہ جی کو اطلاع کردے۔ اس بندہ خدا نے ہمت کر لی۔ شاہ جی تک بات پہنچادی (ضروری نہیں کہ انتظامیہ کے سب لوگ برے ہوں ان میں اچھے لوگ بھی ہوتے ہیں جن کے دم قدم سے دسیوں سازشیں ٹل جاتی ہیں 'ارباب ہمت کا کام ہے کہ وہ اچھے برے کی پہچان کریں) شاہ جی نے ظفر اللہ کا جنازہ نکلوادیا۔ تحریک کے بعد انہوں نے اپنے ساتھی جانباز مرزا سے اس شخص کے متعلق معلوم کیا تو جانباز نے عرض کیا 'ہمیں کیا معلوم' فرمایا وہ سرکاری آدمی تھا۔۔۔ ظفر اللہ خان اور راجہ غضنفر علی کی ملی بھگت سنانے آیا تھا کہ اس اقتدار سے فائدہ اٹھا کر قانون بنوالیا جائے کہ کوئی کسی کو کافر نہ کہے۔ (حیات امیر شریعت صفحہ 340)

یاد رہے کہ مسٹر غضنفر علی پنڈ داد نخان ضلع جہلم کے مشہور شیعہ رہنما تھے۔ یونینسٹ پارٹی کے فرد' لیکن پاکستان بنا تو مسلم لیگی ہو گئے اپنے معتقدات کی بنیاد پر ایران میں سفیر تھے۔ لیاقت علی خان مرحوم کے دورہ روس کا انتظام کرنے میں (جو بعد میں نہ ہو سکا) ان کا بڑا ہاتھ تھا۔ بعد میں وہ مرکزی وزیر بھی رہے۔ غضب کے مقرر تھے 'جوش تقریر میں ایک مرتبہ یہاں تک کہہ اٹھے کہ اب وہ وقت گیا جب لوگ شاہ جی کا قرآن سن کر جھوم جاتے' شاہ جی کی طبع موزوں کے یہ شعر بول گئے۔

تبرائیو اب تبرا کرو	گیا وقت قرآن خوانی گیا
کرو تو بکو یا علی یا علی	کہ اب ذکر اول و ثانی گیا
کرامت علی کا ہے راجہ غضنفر	محمد علی آں جہانی گیا

(سواطع الالہام ص 29)

سرگودہا میں شاہ جی کی تقریر کام کر گئی تیر ٹھیک نشانے پر بیٹھا' جسٹس منیر اور کیانی صاحب نے اپنی رپورٹ کے صفحہ 40 پر اس کانفرنس کا باقاعدہ حوالہ دیا ہے۔ شاہ جی' مولانا محمد علی اور مولانا عبد الرحمٰن میانوی کو خصوصی مقرر لکھا ہے اور شاہ جی کے جلوس نکلوانے کے واقعہ کو سپرد قلم کر کے اپنے غضب کا مظاہرہ کیا ہے۔

یہی سال تھا جب اس واقعہ کے دو ماہ بعد ظفر اللہ نے کراچی جہانگیر پارک میں تقریر کر کے مزید اشتعال کی فضا پیدا کی۔ ارباب عزیمت میدان میں نکل کھڑے ہوئے۔ اجلاس ہونے لگے مشوروں کی رفتار تیز ہو گئی۔ منیر صاحب ایسے بوکھلائے ہوئے ہیں کہ وہ اپنی رپورٹ کے صفحہ 12 اور 15 پر اس تضاد کا شکار ہیں کہ صفحہ 12 کے بقول 1949ء میں مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کیلئے قرارداد سب سے

پہلے راولپنڈی کے جلسہ میں منظور ہوئی اور صفحہ 15 پر اسی سال کے جلسہ پنڈ ڈادنخان کا ذکر کرتے ہیں۔

احرار رہنماؤں کی بھاگ دوڑ

بہرحال جہانگیر پارک کراچی میں ظفراللہ خان کی تقریر کے بعد مولانا لال حسین اختر کے مکان پر 2 جون 1952ء کو (جو ان دنوں وہاں جماعت کے کرتا دھرتا تھے) میٹنگ ہوئی۔ اس کے ایجنڈے پر مولانا احتشام الحق تھانوی، مولانا عبدالحامد بدایونی، مولانا جعفر حسین مجتہد، مولانا محمد یوسف کلکتوی، اور مولانا لال حسین کے دستخط تھے۔ اس موقعہ پر جو مطالبات مرتب ہوئے وہ یہ تھے۔

- احمدی ایک غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جائیں۔
- چودھری ظفراللہ خان وزیر خارجہ کے عہدے سے الگ کر دیئے جائیں۔
- تمام کلیدی آسامیوں سے احمدی ہٹائے جائیں۔
- ان مقاصد کے حصول کے لئے آل مسلم پارٹیز کنونشن طلب کیا جائے۔

حکومت کے تعلیمات اسلامی بورڈ کے صدر علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ تعالٰی اس کانفرنس کے صدر تھے۔ قراردادیں کھلے جلسہ میں بھی پیش کی گئیں اور منظوری لی گئی۔ اس بورڈ کے ممبر یہ حضرات تھے۔

مولانا سید سلیمان ندوی، مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی ممبر تعلیمات اسلامی بورڈ، مولانا عبدالحامد بدایونی، مولانا محمد یوسف کلکتوی، مفتی داؤد صاحب، علامہ سلطان احمد (جماعت اسلامی)، علامہ شاہ احمد نورانی صاحب، مولانا لال حسین اختر، الحاج ہاشم گزدر (سپیکر اسمبلی) مولانا جعفر حسین مجتہد اور مولانا احتشام الحق (کنوینر)

پھر 13 جولائی کو ہاشم گزدر صاحب کے مکان پر اجلاس ہوا۔ مندرجہ ذیل جماعتوں کو دعوت دینے کی تجویز ہوئی۔ جمعیتہ علماء پاکستان، جمعیتہ علماء اسلام، جماعت اسلامی، تنظیم اہل سنت والجماعت، جمعیتہ اہل سنت، جمعیتہ اہل حدیث، موتمر اہل حدیث پنجاب، مجلس احرار اسلام، جمعیتہ الفلاح، جمعیتہ العربیہ۔ (منیر رپورٹ صفحہ 80-79)

3 جولائی 52ء کے زمیندار میں خبر شائع ہوئی کہ 13 جولائی کو برکت علی ہال لاہور میں کنونشن منعقد ہو گی۔ اس کا دعوت نامہ مولانا غلام غوث ہزاروی نے جاری کیا۔ جبکہ اس پر حضرت لاہوری، مولانا جالندھری، حضرت مفتی محمد حسن، مولانا سید داؤد غزنوی، مولانا سید نورالحسن بخاری، مولانا غلام محمد ترنم اور سید مظفر علی ہاشمی کے بھی دستخط تھے۔ (منیر رپورٹ صفحہ 81) [1]

---

[1] منیر رپورٹ کے صفحہ 81 پر اس دعوت نامہ پر شدید غصہ کا اظہار ہے اور کہا گیا کہ ان میں اکثر لوگ احراری تھے اور مولانا ہزاروی پر بہت تیر برسائے ہیں۔ (علوی)

اس کنونشن میں وہی تین مطالبات دہرائے گئے جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے اور آئندہ کے لائحہ عمل کے لئے مجلس عمل ترتیب دی گئی۔ مولانا ابوالحسنات، مولانا امین احسن اصلاحی، ماسٹر تاج الدین انصاری، شیخ حسام الدین، مولانا عبدالحلیم قاسمی (حال گلبرگ) مولانا محمد طفیل (جمعیتہ علماء اسلام) مولانا محمد بخش مسلم، مولانا غلام محمد ترنم اور مولانا غلام دین، (حزب الاحناف) لاہور، مولانا داؤد غزنوی اور مولانا عطاء اللہ حنیف (جمعیتہ اہل حدیث) ملک نصراللہ خان عزیز، حافظ کفایت حسین، سید مظفر علی شمسی، مولانا نور الحسن بخاری، صاحبزادہ فیض الحسن (سجادہ نشینان پنجاب) مولانا عبدالغفور ہزاروی، علامہ علاء الدین صدیقی، مولانا اختر علی خان (زمیندار) مولانا مرتضیٰ احمد میکش۔ یہ حضرات ممبر تھے۔ (منیر رپورٹ صفحہ 81)

13 اگست 1952ء کو ماسٹر تاج الدین، مولانا ابوالحسنات، مولانا میکش، شیخ حسام الدین، مولانا احتشام الحق تھانوی، اور مولانا عبدالحامد بدایونی پر مشتمل وفد وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین سے ملا، لیکن یوم پاکستان کی مصروفیات کے سبب بات نہ ہو سکی، بعد میں ملنا طے ہوا تاہم وفد نے تین مطالبات پر مشتمل عرضداشت پیش کر دی۔ (منیر رپورٹ صفحہ 128)

وقت پوری رفتار کے ساتھ گزر تا رہا تا آنکہ مولانا احتشام الحق تھانوی بہ حیثیت کنونیئر 11 دسمبر 1952ء کو دعوت نامے جاری کئے اور 16۔ 17۔ 18 جنوری 1953ء کو آل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن منعقد ہونا قرار پایا۔

16 جنوری 1953ء کو بعد نماز جمعہ کنونشن منعقد ہوا۔ اس میں یہ حضرات شریک تھے۔

مولانا مودودی صاحب، حاجی محمد امین، خلیفہ حاجی صاحب ترنگ زئی، پیر سرسینہ (بنگال)، مولانا راغب احسن ڈھاکہ، مولانا عزیز الرحمٰن، ڈھاکہ، مولانا اطہر علی ڈھاکہ، مولانا سخاوت الانبیاء ڈھاکہ، مولانا بنوری، مولانا شمس الحق افغانی، مولانا میر ابراہیم سیالکوٹی، حضرت لاہوری، حضرت مفتی محمد حسن صاحب، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مولانا ظفر احمد عثمانی، علامہ سید سلیمان ندوی، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب، علامہ سلطان احمد (جماعت اسلامی) مفتی صاحب داد صاحب، مولانا عبدالحامد بدایونی، مولانا یوسف کلکتوی، مولانا سید داؤد غزنوی، مولانا محمد اسماعیل سلفی، مولانا جالندھری، حضرت امیر شریعت، مولانا متین الخطیب، مولانا احتشام الحق اور مولانا ابو الحسنات صدر مجلس عمل۔ (منیر رپورٹ صفحہ 132-33)

17 جنوری کو بعد نماز مغرب سب جیکٹ کمیٹی کا اجلاس ہوا 18 جنوری کو پھر کنونشن کی دوسری نشست ہوئی۔ جس کی قرار دادیں یہ تھیں۔

- حکومت کے طرز عمل کے سبب راست اقدام ناگزیر ہے۔
- مرزائیوں کا کلی مقاطعہ (سوشل بائیکاٹ)
- خواجہ ناظم الدین سے استعفیٰ کا مطالبہ

ان مطالبات کو عملی صورت دینے کی غرض سے کنونشن نے تجویز کیا کہ جماعتوں کے افراد جنرل کونسل کے ممبر بن جائیں۔ اس جنرل کونسل نے آٹھ حضرات کو مجلس عمل کا ممبر بنایا جن میں سید ابوالحسنات، امیر شریعت، مودودی صاحب، بدایوانی صاحب، حافظ کفایت حسین، مولانا تھانوی، پیر سرسینہ اور مولانا ککلتوی شامل تھے۔

مزید سات ممبروں کا انتخاب و نامزدگی ان پر چھوڑ دی گئی۔ انہوں نے اسی دن بعد از مغرب ان حضرات کا اضافہ کرنے کا اعلان کیا۔ پیر غلام مجدد سرہندی، مولانا نور الحسن بخاری، ماسٹر تاج الدین انصاری، مولانا اختر علی خان، مولانا محمد اسماعیل سلفی، صاحبزادہ فیض الحسن اور حاجی محمد امین سرحدی۔

جبکہ مولانا عبدالحامد کی قیادت میں ناظم الدین خواجہ سے ملاقات کیلئے وفد تجویز ہوا جس میں پیر صاحب سرسینہ، سید مظفر علی شمسی، ماسٹر تاج الدین انصاری شامل تھے، یہی وفد ہے جو ان سے 22 جنوری 1953ء کو ملا بقول منیر و کیانی۔

خواجہ صاحب نے مطالبات سے ہمدردی کا اظہار تو کیا لیکن یہ کہا کہ میں ان مطالبات کو تسلیم کرنے سے قاصر ہوں۔ (رپورٹ صفحہ 135) اس کے بعد 16 فروری 1953ء کو خواجہ ناظم الدین کی لاہور آمد کے موقعہ پر ان سے ایک وفد ملا جس میں مولانا ابوالحسنات، مولانا اختر علی، شمسی صاحب، ماسٹر تاج الدین صاحب اور حافظ کفایت حسین شامل تھے خواجہ صاحب نے کہا

ان کی راہ میں بعض مشکلات حائل ہیں جن کا علم ارکان وفد کو نہیں اور اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ مطالبات تسلیم نہیں کئے جاسکتے۔ تاہم مزید گفتگو کے لئے کراچی آنے کی اجازت دے دی۔ (رپورٹ صفحہ 138)

اسی طرح 20 فروری کو مسٹر دولتانہ سے مولانا محمد بخش مسلم، مولانا ترنم، شمسی صاحب اور حافظ کفایت حسین ملے انہوں نے کہا کہ وہ اس معاملے سے متعلق تحقیق کر رہے ہیں۔

پھر 21 فروری کو کراچی میں ایک وفد خواجہ صاحب سے ملا، سید سلیمان ندوی، مولانا احتشام الحق، مفتی محمد شفیع صاحب، مولانا اختر علی خان اور مولانا بدایوانی اس میں شامل تھے۔ ان حضرات نے خواجہ صاحب کو یاد دلایا کہ الٹی میٹم کا مہینہ گزر چکا ہے۔ لیکن اگلے دن جب ماسٹر صاحب، مولانا ابوالحسنات اور شمسی صاحب وغیرہ ملے تو معاملہ صاف ہو گیا کہ نہ مطالبات مانے جاسکتے ہیں نہ دستور ساز اسمبلی میں پیش ہوسکتے ہیں۔ (صفحہ 138)

اب اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ اللہ کے غازی و شیر اٹھ کھڑے ہوں چنانچہ 26 فروری 1953ء کو مجلس عمل کا اجلاس کراچی میں ہوا۔ ماسٹر صاحب، صاحبزادہ فیض الحسن، سید نور الحسن، علامہ سلطان، مولانا ابوالحسنات، مولانا بدایوانی، مولانا تھانوی، امیر شریعت، مولانا ککلتوی، اور شمسی صاحب اس میں شریک تھے۔ مولانا ابوالحسنات نے صدارت کی۔ مولانا ابوالحسنات پہلے ڈکٹیٹر مقرر ہوئے فیصلہ ہوا کہ

-----مطالبات پر مشتمل بینر اٹھائے صرف پانچ رضاکار شارع عام کے بجائے (تاکہ ہنگامہ نہ ہو کہ مقصد قانون کے دائرہ میں رہ کر مطالبات منوانا ہیں) چھوٹی سڑکوں سے وزیر اعظم کی کوٹھی پر جائیں اگر وہ گرفتار ہو جائیں تو اتنے ہی رضاکار پھر جائیں تا آنکہ مطالبات منظور ہو جائیں اور گورنر جنرل کی کوٹھی پر بھی اسی طرح کا سلسلہ شروع ہو۔ یہ بھی طے ہوا کہ رات آرام باغ کے جلسہ میں عوام کو اپنے کاروبار میں معروف رہنے کی تلقین کی جائے۔ (منیر رپورٹ صفحہ 139)

انٹیلی جنس کی چٹھی کے مطابق (14 فروری 1953ء) پیرا 4 یہ ہے کہ معلوم ہوا ہے کہ محمد علی جالندھری نے ہدایت جاری کی ہے اور رضاکاروں کو حکم دیا ہے کہ 21 اور 22 فروری 1953ء کی درمیانی نصف شب کے وقت روانگی کے لئے تیار ہو جائیں۔ (رپورٹ صفحہ 140) لیکن ملاقاتوں کے سبب چند دن کی تاخیر ہو گئی اور 28۔27 فروری کی درمیانی شب سے جب پر امن احتجاج شروع ہونے والا تھا مسلم حکومت کے ظالم کارندوں نے مرکزی قائدین ہی کو گرفتار نہ کیا بلکہ ہر جگہ سے ذمہ دار حضرات دھر لئے گئے۔ جن میں سے بعض حضرات کا ذکر منیر رپورٹ صفحہ 149۔148 پر ہے' اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عوام بھڑک اٹھے' ملک میں افراتفری مچ گئی۔ وسیع پیمانے پر گرفتاریاں شروع ہو گئیں' بعض جگہ مرزائیوں کا قتل ہوا۔ لاہور مسجد وزیر خان میں مولانا عبدالستار خان نیازی کی "مسلم لیگیت" کام آئی اور ایک ڈی ایس پی فردوسس علی شاہ قتل ہو گیا۔ حکومت کو بہانہ مل گیا۔ جنرل اعظم کی قیادت میں مارشل لاء لگ گیا اور پھر فوجی جوانوں نے پروانگان ختم نبوت کا اس طرح شکار کیا جس طرح چڑیا کا شکار باز کرتا ہے اور بالخصوص لاہور کی سڑکیں لالہ زار بن گئیں۔

اس تحریک مقدسہ کے رہنماؤں کے ضمیر چونکہ مطمئن تھے اس لئے وہ ہر مصیبت سہنے کو تیار ہو گئے۔ شاہ جی نے 26 فروری کو آرام باغ کے جلسہ میں کہا

"آپ حضرات میری زندگی کے گذشتہ تیس بتیس سالوں کو جانتے ہیں میں نے جس کام میں ہاتھ ڈالا اپنے ضمیر سے مطمئن ہو کر ڈالا۔" (حیات امیر شریعت صفحہ 359)

آرام باغ کے اس جلسہ میں غیر ملکی پریس کے نمائندے بکثرت موجود تھے حتیٰ کہ امریکن ایجنسی کے نمائندے بھی تھے جو دیکھنے آئے تھے کہ محمد عربی علیہ السلام کے غلام ہمارے "لے پالکوں" کا کیا حشر کرتے ہیں۔ شاہ جی کی تقریر پر ان کا تبصرہ تھا۔

"اگر یہ شخص امریکہ میں ہوتا تو تمام عمر امریکہ کا صدر رہتا۔"

رات 2 بجے یہ اجلاس ختم ہوا اور صبح 4 بجے شاہ جی اپنے رفقاء سمیت کراچی دفتر ختم نبوت سے اور مولانا محمد علی ملتان سے اور دوسرے رہنما جہاں جہاں تھے گرفتار کر لئے گئے۔ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ جیل میں قائدین مجلس عمل سے سرکار اور اس کے کارندے مختلف طریقوں سے رابطہ کے لئے کوشاں

رہے لیکن ان کی ایک نہ چلی اور غلامان محمد ﷺ صبر و استقامت کے ساتھ وقت گزارتے رہے- ان حضرات کو مختلف جگہوں میں رکھا گیا اور آخر میں لاہور سنٹرل جیل ان سب حضرات کا مسکن قرار پائی- لاہور شہر سے قصور کی طرف آئیں تو فیروز پور روڈ پر مزنگ چونگی (چوک قرطبہ) سے اگلے چوک پر بائیں طرف ایک مختصر سی عمارت موجود ہے جو اس سابق و قدیم جیل کا ایک حصہ ہے- فرلانگوں میں پھیلی ہوئی اس جیل کے 90 فیصد حصہ پر طویل و عریض کوٹھیاں بن چکی ہیں جن میں شادمان کالونی ساری کی ساری اس زمین پر واقع ہے ان کوٹھیوں میں بسنے والے عافیت کوش طبقہ کو کیا معلوم کہ یہاں جو مختصر مختصر کوٹھڑیاں تھیں ان میں کون کون لوگ رہے تھے اور یہ ایک لطیفہ ہے کہ شادمان مارکیٹ کے چوک سے اگلا چوک جو شادمان و شاہ جمال کا سنگم ہے وہاں مسٹر بھٹو کے دور میں ایک قصوری وڈیرے نواب احمد خان کو گولی لگی جو مسٹر بھٹو کی پھانسی پر منتج ہوئی- یہ مسٹر احمد خان بھگت سنگھ جیسے فدائے حریت کی پھانسی پر آنریری مجسٹریٹ کے طور پر متعین تھے، بھگت سنگھ لٹکتا مٹکتا، جھومتا جھامتا آیا اور اس نے پھانسی کا پھندا چوم لیا-

30 برس بعد وہی مقام (جہاں بھگت سنگھ کی کوٹھڑی تھی) نواب صاحب کا مقتل بنا- العجب العجب---

بہر طور انگریزی سطوت کو للکارنے والے اور پاکستانی حکمرانوں کا رخ سوئے قبلہ موڑنے والے لوگ اس جیل میں رہے، آزادی و حریت کی کوئی قدر دان حکومت ہوتی تو ان بلا نوشان محبت کی یاد کے طور پر یہاں محل نما کوٹھیاں بنوانے کی بجائے ایک ایسا انسٹی ٹیوٹ بنواتی جہاں قوم کے بچوں کو دین و ملک کے دشمنوں سے جہاد کی تربیت دی جاتی لیکن آزادی کے دشمن جب حکمران بنے تو انہوں نے اپنے آقا انگریز کی طرح اس جیل کے پھاٹک بھی ان لوگوں کے لئے کھول دیئے اور جب شہر کو حسین بنانا چاہا تو یہاں عشرت کدے تعمیر کرا دیئے-

19 جون کو گورنر پنجاب نے تیسرے آرڈیننس کے ذریعہ تحقیقاتی کورٹ کا اعلان کیا جسٹس منیر صدر اور مسٹر کیانی ممبر قرار پائے یکم جولائی کو اس کمیشن نے کام شروع کیا- چونکہ تحقیقاتی عدالت نے مجلس احرار کو فریق قرار دے دیا تھا اس لئے ان کے مطالبہ کے پیش نظر تمام رہنماؤں کو سنٹرل جیل میں اکٹھا کر دیا گیا تاکہ مشورہ میں آسانی رہے-

حضرت امیر شریعت اس کمیشن کے ساتھ تعاون کے حق میں نہ تھے ان کا کہنا یہ تھا کہ ہمارے مخالفین بھی یا تو یہیں لائے جائیں اور یا ان کی طرح ہمیں بھی آزاد کیا جائے- عدم تعاون کے حق میں شاہ جی کا کہنا تھا کہ

"دل گواہی دیتا ہے کہ یہ کمیشن ہمارے ساتھ انصاف نہیں کرے گا بلکہ ارباب حکومت نے ہمیں رسوا کرنے کے لئے ایک خوبصورت چال چلی ہے- اگر میری مانو تو ہمیں کمیشن سے عدم تعاون کا اعلان کر

دینا چاہیے پھر جو ہو گا دیکھا جائے گا۔" (حیات امیر شریعت صفحہ 373)

لیکن احباب نے تعاون کا فیصلہ کیا اور مقدمہ بھی خوب طریق سے لڑا لیکن امیر شریعت والی بات صحیح ثابت ہوئی کہ حکومت چھوڑ عدلیہ تک آزاد نہ تھی۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

تحریک سے حکومت کی پریشانی کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ جس کا ذکر مولانا سید محمد داؤد غزنوی کے حوالہ سے گزر چکا کہ حکومت نے ان کے ذریعہ "نیک چلنی" کی ضمانت لے کر ان حضرات کو رہا کرنا چاہا لیکن غزنوی صاحب اپنے مقصد میں ناکام رہے۔

جناب سہروردی مرحوم اس تحریک کی بنیاد پر اپنی جماعت کا قد کاٹھ بڑھانا چاہتے تھے انہوں نے مقدمہ لڑنے کی پیشکش کی لیکن ناکام رہے اور احرار کے پرانے رفیق مولانا مظہر علی اظہر نے مقدمہ لڑا اور خوب۔ [1]

میاں محمود علی صاحب قصوری نے حکومت کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عدالت عالیہ میں ایک آئینی رٹ دائر کی جس میں کہا گیا کہ ان حضرات کی نظربندی کی میعاد چند ماہ تھی وہ میعاد ختم ہوئی تو حکومت نے نہ انہیں رہا کیا نہ دوسرے نوٹس کی تعمیل کرائی۔ اس آئینی رٹ کے نتیجہ میں یہ حضرات 8 فروری 1954ء کو رہا ہو گئے۔ گویا سال بھر کے قریب انہوں نے سنت یوسفی پر عمل کیا۔ رحمھم اللہ تعالیٰ

مجلس تحفظ ختم نبوت

مجلس احرار اسلام جیسی فعال اور منظم جماعت کا سیاسی طور پر قصہ تمام کر کے حضرت امیر شریعت اپنے رفقاء سمیت دعوت و تبلیغ کے میدان میں آنے کا عزم 1953ء کی تحریک سے قبل ہی کر چکے تھے اس تحریک کے بعد اس میدان کو منظم کرنے کی ضرورت اور زیادہ محسوس ہوئی تو مجلس تحفظ ختم نبوت کا قیام عمل میں آیا اور رہائی والے سال ہی میں 13 دسمبر کو حضرت امیر شریعت صدر اور مولانا محمد علی جنرل سیکرٹری مقرر ہوئے۔

ہمارے سامنے نہایت خوبصورت تحریر میں ایک دستاویز موجود ہے جو "مجلس ختم نبوت پاکستان"

---

[1] مولانا مسلکاً شیعہ تھے لیکن احراریت پختہ تھی۔ اس وجہ سے لکھنؤ کی مدح صحابہ تحریک میں گئے اور حق ادا کر دیا۔ اس مقدمہ میں منیر صاحب نے اپنی روایتی طبیعت کے پیش نظر مولانا سے سوال کر ڈالا کہ جناح صاحب کی شادی پر "فلاں شعر" آپ کا ہے۔ مولانا نے طرح دی اور کہا کہ جج صاحب اسکا اس مقدمہ سے کیا تعلق؟

لیکن جب منیر صاحب نے پوچھنے کا تہیہ کر لیا تو مظہر علی ڈٹ گئے اور شعر کہہ سنایا۔ عدالت میں سناٹا طاری ہو گیا منیر صاحب نے کہا مولانا اس قسم کی باتوں پر لوگ قتل ہو جاتے ہیں۔ مولانا نے جواباً کہا کہ جج صاحب اس قتل کی ذمہ داری اس عدالت پر ہو گی۔۔۔۔ منیر صاحب دم بخود ہو گئے اور ان پر سکتہ طاری ہو گیا۔

حالات سنگین تھے اس لئے مولانا کی جرات پر مبارکباد دینے حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوری ان کے گھر گئے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے حضرت کی سوانح میں اس طرف اشارہ کیا ہے۔

کا "میثاق رکنیت" ہے۔ اس پر حضرت امیر شریعت اور مولانا محمد علی سمیت 17 حضرات کے اسماء گرامی اور ان کے دستخط ہیں۔ 17 مخلص انسانوں سے جس مجلس کی ابتداء ہوئی۔ اس کا حلقہ اثر اب پوری دنیا میں موجود ہے۔ ایشیاء و یورپ اور افریقہ میں اکثر مقامات پر مجلس کے دفاتر ہیں' اس کے مبلغ مصروف عمل ہیں اور اس کے مخلص کارکن خدمت دین میں مصروف ہیں جبکہ ضرورت کے وقت کسی بھی جگہ مجلس کے اراکین و مبلغین پہنچ کر اپنا فرض سرانجام دیتے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس تاریخ ساز اور عہد ساز تحریر کا عکس کتاب میں شامل کر دیا جائے جس میں ان بندگان بے نفس اور ارباب صدق و صفا کے نام' پتے مندرج ہیں۔ جنہوں نے اس قافلہ کی ابتداء کی اور جس پر 16 ربیع الثانی 1374ھ (13 دسمبر 1954ء) کی تاریخ ثبت ہے۔

میثاق رکنیت

مجلس ختم نبوت

ہم حلفاً اقرار کرتے ہیں کہ مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کے اغراض و مقاصد (نصب العین) اور طریق کار کے ساتھ پوری طرح متفق ہیں اور عہد کرتے ہیں کہ مجلس کے دستور کے پابند اور جماعتی نظم و نسق کے فرمانبردار رہیں گے۔ اور

اپنی زندگی کو کتاب و سنت کے مطابق گزارنے کی حتی المقدور کوشش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس عہد و اقرار پر ثابت قدم رکھے۔ آمین (13 دسمبر 1954ء' 16 ربیع الثانی 1374ھ)

1۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری ولد مولانا حافظ ضیاء الدین شاہ صاحب بخاری مرحوم و مغفور
2۔ محمد علی جالندھری ولد حاجی محمد ابراہیم صادق آباد بہاولپور
3۔ لال حسین اختر ولد حسین بخش سرگودہا
4۔ عبدالرحمن میانوی ولد فضل الدین میانی ضلع سرگودہا
5۔ شیخ احمد ولد میاں کرم الدین بوریوالہ ضلع ملتان
6۔ سعید احمد ولد گل محمد جتوئی ضلع مظفر گڑھ
7۔ محمد شریف ولد جندوڈا بہاولپور
8۔ تاج محمود ولد محمد حبیب لائل پور
9۔ محمد رمضان ولد عطا محمد میانوالی
10۔ محمد یوسف مجاہد الحسینی ولد محمد ابراہیم مظفر گڑھ
11۔ نذیر حسین ولد مولانا نور محمد پنوعاقل ہائی سکول سندھ

12۔ علاؤالدین ولد مولوی احمد دین ڈیرہ اسماعیل خان

13۔ محمد شریف ولد حافظ نور محمد کبیروالہ

14۔ ملک عبدالغفور انوری ولد حاجی ملک برخوردار ملتان

15۔ غلام قادر ولد محمد امیر کھیانہ شہر

16۔ حافظ محمد شریف ملتان

17۔ ماسٹر اختر حسین --فاروق کیپ ہاؤس ملتان

1374ھ میں چند مخلص اور باہمت اصحاب عزیمت نے جس قافلہ کو ترتیب دیا اور کام کی ابتداء کی' اس کی جو خدمت سرانجام دی اس کی تفصیلات کا یہ موقعہ نہیں' یہ الگ موضوع ہے جس پر اللہ کرے کہ کوئی صاحب نظر قلم اٹھائے تاہم ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ہم ایک تحری پیش کردیں جو "حلب" (سوریا) کے معروف عالم دین' متعدد کتب علمیہ کے مصنف جامعہ الامام محمد بن سعود اسلامیہ ریاض کے کلیہ اصول دین کے استاد الشیخ ابوغدہ کے قلم سے ہے۔

موصوف نے 1399ھ میں پاکستان کا دورہ کیا تو ملتان مجلس کے مرکزی دفتر بھی تشریف لائے آپ نے دوران معائنہ "معائنہ بک" پر جو تحریر لکھی اس کا اردو ترجمہ حسب ذیل ہے۔ یاد رہے کہ الشیخ ابو غدہ' خلافت عثمانیہ ترکیہ کے دور آخریں کے شیخ الاسلام اور معروف عالم و محقق علامہ زاہد الکوثری رحمتہ اللہ تعالیٰ کے تلمیذ رشید اور ان کے علم و معارف کے حقیقی معنوں میں وارث و امین ہیں۔ [۶]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین عبد ضعیف اللہ تعالیٰ کی رحمت کا محتاج عبدالفتاح ابوغدہ جس کی پیدائش اور نشوونما حلب (سوریا) میں ہوئی اور جو اس وقت ریاض کی جامعہ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ کے کلیہ اصول دین میں استاد ہے کہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مجھے جمہوریہ اسلامیہ پاکستان کے شہر ملتان میں مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی دفتر کی زیارت کا شرف بخشا۔ یہاں میں نے خدمت اسلام اور قادیانی گمراہ فرقے کے خلاف علماء کی مساعی جمیلہ اور وسیع علمی کارناموں کا مشاہدہ کیا۔ اس مرکز میں قادیانی گمراہ فرقے' اس کے قائدین' انصار اور اسے ترویج دینے والوں سے متعلق مکمل مواد اور لٹریچر موجود ہے۔ اس مرکز نے ان کے ہر قسم کے منشورات' مؤلفات اور رسائل کو محفوظ کر رکھا ہے۔ گویا اس مرکز میں باطل کے خلاف اہل حق کے کارناموں کا مکمل ریکارڈ موجود ہے۔ اس مرکز کے علماء نے اپنی محنت اور جہاد سے قادیانیت کی دعوت کا پردہ چاک کیا ہے اور لوگوں کے سامنے اس کو پوری طرح ننگا کر کے رکھ دیا ہے۔ یہاں تک کہ حق کھل کر

---

[۶] موصوف کی اصل عربی تحریر ملتان مجلس کے مرکزی دفتر کے رجسٹر معائنہ جات میں محفوظ ہے۔ (علوی)

سامنے آگیا اور باطل مٹ گیا اور باطل کو تو مٹنا ہی ہے۔

"مجلس تحفظ ختم نبوت" کے علماء کا یہ کارنامہ عظیم الشان اور مبارک کارنامہ جو انہوں نے مالی وسائل و مادی ذرائع کی قلت کے باوجود سرانجام دیا ہے۔ یہ وہ کارنامہ جس کو سرانجام دینے سے آج کے بڑے بڑے عالمی سطح کے ادارے جن کے پاس مال کی فراوانی اور کافر حکومات کی طرف سے امداد کے مضبوط وسائل ہیں۔ عاجز ہیں لیکن یہ ان حضرات کے اخلاص اور پے در پے اہل علم و حکمت کی قیادت کا نتیجہ ہے کہ آج یہ مرکز قادیانیوں کی گردنوں کے لئے ننگی تلوار اور ان کی آنکھوں اور دلوں کا کانٹا بن چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان علماء کو ایسا غلبہ عطا فرمایا کہ قادیانیت کا سایہ اسلام کے جھنڈے سے پیچھے سمٹ کر کفر اور اہل کفر کے اندھیرے میں جاملا اور حکومت پاکستان نے یہ فیصلہ صادر کیا کہ قادیانی جماعت غیر مسلم اقلیت ہے اور اس کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حق اور اہل حق کو کامیاب فرمایا اور باطل اور اس کی جماعت کو ذلیل و رسوا کیا اور یہ سب ان اہل حق مجاہدین کی مسلسل محنت اور اخلاص کا یہ نتیجہ تھا۔ اللہ تعالیٰ اس مجلس کے بانی اور اس میں کام کرنے والوں اور تعاون کرنے والوں کو جزاء خیر عطاء فرمائے اور ان کی محنت و جہاد کو قبول فرمائے ان کی عمریں دراز فرمائے تاکہ وہ اس گمراہ تحریک کو زمین کے چپہ چپہ سے ختم کردیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل اور امداد سے دور نہیں۔

اگر ان علماء کرام کی یہ محنتیں نہ ہوتیں جو اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے تھی تو آج مسلمان موج در موج اور جماعت در جماعت قادیانیت میں داخل ہو چکے ہوتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان ربانی علماء کو توفیق عطاء فرمائی کہ انہوں نے اس گمراہی سے مسلمان کے عقول 'عزت' ان کی اولاد اور ملک کو محفوظ کرلیا۔ اگرچہ وہ استعمار کے دور میں انگریزوں کی پشت پناہی کی وجہ سے کامیاب نہ ہوسکے۔ لیکن کفر کی پشت پناہی کے دور ہوتے ہی ان سے معرکہ آرائی کی اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں اور ان کے علماء کو فتح نصیب فرمائی اور باطل کو شکست ہوئی اور اہل باطل ناکام ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جس نے اس ملک میں علماء حق کی ایک ایسی جماعت قائم کردی ہے جو حق پر قائم ہے اور اس کے دین کے معاملہ میں کسی کی ملامت سے نہیں ڈرتے' اس اسلامی ملک میں علماء صلحاء مرشدین و معلمین کا وجود خیر کثیر کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ان کو دین کے ستون اور مسلمانوں کے لئے رہنما بنایا ہے اور قیامت کے روز ملاقات کے وقت ان کو عزت کا مقام عطا فرمایا ہے۔ والحمد للہ رب العالمین۔

عبدالفتاح ابوغدہ

اتوار 17 شوال 1399ھ شہر ملتان

مجلس تحفظ ختم نبوت کے منصب سربراہی کو اس کے تقدس و احترام کے سبب "امیر" کا عنوان دیا گیا اور قرآن و سنت کی ہدایت کے مطابق "امیر" کی معاونت کے لئے "مجلس شوریٰ کا اہتمام کیا گیا' یہ

سلسلہ اب تک اسی رخ پر چل رہا ہے۔

مجلس کے اہل حل و عقد اور ان کا مختصر تعارف

مجلس کی خوش قسمتی ہے کہ اسے برابر ایسے حضرات کی امارت کا شرف حاصل رہا جو علم و عمل، تنظیمی صلاحیت اور خلوص و دیانت کے اعتبار سے اپنی مثال آپ تھے۔ اب تک کا نقشہ درج ذیل ہے۔

- امیر اول۔ حضرت امیر شریعت مولانا حافظ عطاء اللہ شاہ بخاری حسنی رحمتہ اللہ تعالیٰ

دور امارت 14 ربیع الثانی 1374ھ سے 9 ربیع الاول 1381ھ تک (13 دسمبر 1954ء تا 21 اگست 1961ء) (6 سال 8 ماہ 9 دن)

- خطیب پاکستان سفیر اسلام مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحمتہ اللہ تعالیٰ

دور امارت 12 شوال 1382ھ، تا 9 شعبان 1384ھ، (3 سال 8 ماہ 27 دن) (9 مارچ 1963ء تا 23 نومبر 1966ء)

حضرت امیر شریعت رحمتہ اللہ تعالیٰ کی وفات کے بعد دستوری گنجائش سے چند ماہ حضرت مولانا جالندھری نے قائم مقام امیر کے فرائض سرانجام دیئے۔

- مجاہد ملت، مفکر اسلام مولانا محمد علی جالندھری رحمتہ اللہ تعالیٰ

دور امارت 9 شعبان 1386ھ تا 24 صفر 1391ھ (23 نومبر 1966ء تا 21 اپریل 1971ء) (4 سال 4 ماہ 29 دن)

- مناظر اسلام مولانا لال حسین اختر رحمتہ اللہ تعالیٰ

دور امارت 21 اپریل 1971ء سے 11 جولائی 1973ء تک (2 سال 2 ماہ 20 دن)

- فاتح قادیان، استاذ العلماء مولانا محمد حیات رحمتہ اللہ تعالیٰ [1]

دور امارت 11 جولائی 1973ء سے اپریل 1974ء تک (لگ بھگ 9 ماہ)

- جانشین علامہ انور شاہ محدث مولانا محمد یوسف بنوری رحمتہ اللہ تعالیٰ

دور امارت اپریل 1974ء سے 17 اکتوبر 1977ء تک (3 سال 6 ماہ 8 دن)

- شیخ العلماء الشیخ العالم مولانا خان محمد نقشبندی مجددی زید مجدھم ومتع اللہ المسلمین بقائھم ونفع المسلمین بعلومھم ومعارفھم

یاد رہے کہ حضرت محدث عصر مولانا بنوری قدس اللہ سرہ العزیز کی امارت کے زمانہ میں مولانا

---

[1] حضرت مولانا لال حسین اختر رحمتہ اللہ علیہ کی وفات 11۔ جون 1973ء ہے۔ حضرت مولانا بنوری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی تقرری (9۔ اپریل 1974ء) تک استاذنا و استاذ العلماء مولانا محمد حیات رحمتہ اللہ تعالیٰ نے اصلاً قائمقام امیر کے طور پر فرائض سرانجام دیئے۔ (دیکھیں رجسٹر کاروائی)

خان محمد زید مجدھم مجلس کے نائب امیر تھے' مولانا بنوری' مولانا خان محمد کے استاذ گرامی بھی تھے' ان کے انتقال کے بعد مجلس کے دستور کے مطابق مولانا کو قائم مقام امیر مقرر کیا گیا اور محدث عصر کی وفات کے دو ماہ نو دن بعد چنیوٹ میں مجلس کی مرکزی سالانہ کانفرنس کے موقعہ پر مجلس کا مرکزی انتخاب بھی ہوا اور مخدوم گرامی مولانا خان محمد کو متفقہ طور پر مرکزی امیر منتخب کر لیا گیا۔ [1]

اس چارٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ مجلس تحفظ ختم نبوت کی باقاعدہ عمر 37 برس ہے (54ء سے 91ء) اس 37 برس کے دور میں مجلس کے پہلے اور گویا بانی امیر حضرت امیر شریعت رحمتہ اللہ تعالیٰ تھے جن کی مدت امارت 6 سال 8 ماہ 9 دن ہے دوسرے امیر حضرت قاضی احسان احمد رحمتہ اللہ تعالیٰ تھے جن کی مدت امارت 3 سال 8 ماہ 27 دن ہے۔ امیر اول و ثانی کی کل مدت امارت 10 سال 5 ماہ 6 دن بنتی ہے' ان دو امارات کے زمانہ میں صاحب تذکرہ مولانا محمد علی رحمتہ اللہ تعالیٰ جماعت کے ناظم اعلیٰ رہے تو دستوری اعتبار سے دوسرا اہم عہدہ ہے۔

حضرت امیر شریعت قدس اللہ سرہ العزیز کا مولانا المحترم پر جو اعتماد تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ تحریک 53ء کے بعد جب مجلس کا قیام طے ہو گیا تو بہرحال بعض احباب مثلاً حسام الدین' ماسٹر تاج الدین انصاری رحمتہ اللہ تعالیٰ جیسے حضرات سیاسی کام کی رائے رکھتے تھے' شاہ جی نے ایسے حضرات کو

---

1 مولانا خان محمد زید مجدھم "مخدوم العلماء والصلحاء" مولانا احمد خان رحمتہ اللہ تعالیٰ و محمدہ اللہ تعالیٰ، غفرانہ و رضوانہ بانی خانقاہ سراجیہ مجددیہ کندیاں کہلاتا ہے" کے قریبی عزیز اور سید العلماء الصلحاء مولانا محمد عبداللہ لدھیانوی رحمتہ اللہ تعالیٰ کے جانشین اور خلیفہ اعظم ہیں۔ 40 برس سے زائد عرصہ سے نقشبندی سلوک و معرفت کی عظیم خانقاہ کی رونق ان کے دم قدم سے ہے اور بحمد اللہ تعالیٰ معرفت کا وہ مرکز جو کبھی سرہند' دہلی اور موسیٰ زئی شریف (ڈیرہ اسماعیل خان) تھا آج کندیاں ضلع میانوالی میں ہے اس خم خانۂ معرفت سے جو ابتداء ہی سے علماء کی بڑی تعداد وابستہ ہے جس میں متحدہ ہندوستان کے جلیل القدر علماء شامل ہیں اور تقسیم ملک کے بعد پاکستان' ہندوستان' اور بنگلہ دیش کے ان گنت احباب درس و تدریس علماء کے ساتھ ساتھ بیرونی دنیا کی لاتعداد تشنگان سلوک محمدی برابر وابستہ و متعلق ہیں۔

اس عظیم خانقاہ کی عظیم خصوصیت یہاں کا وہ سلوک ہے جو ٹھیک منہاج نبوت ﷺ کے مطابق ہے اور کسی بدعت و جدت کا بحمد اللہ تعالیٰ دور دور نشان نہیں۔ اس کی ایک دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس کے پہلے اور دوسرے زیب سجادہ (رحمہما اللہ تعالیٰ) کے ساتھ موجودہ زیب سجادہ بھی (اللہ تعالیٰ انہیں تا دیر سلامت رکھے) "محض صوفی نہیں بلکہ رسوخ فی العلم کی شان رکھنے والے عالم باعمل ہیں۔ یہاں کا عظیم کتب خانہ اپنی مثال آپ ہے۔ جس کی کشش امام العصر مولانا سید محمد انور شاہ رحمتہ اللہ تعالیٰ کو یہاں کھینچ لائی۔ مخدومنا المعظم مولانا خان محمد' مرکز علمی دار العلوم دیوبند کے فیض یافتہ اور مجاہد فی سبیل اللہ مولانا السید حسین احمد مدنی رحمتہ اللہ تعالیٰ کے عزیز شاگرد ہیں' ہرچند کہ آپ سٹیج کے آدمی نہیں لیکن علم متقر آپ کی شان ہے بوقت ضرورت الجھی گتھیاں سلجھانا ان پر بس ہے' حضرت مولانا کی گرمئی نفس' ان کی شبانہ روز محنت اور بھاگ دوڑ مجلس کے لئے عظیم سرمایہ ہے اور مجلس دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہی ہے (اللہ تعالیٰ) ان کا سایہ تا دیر سلامت رکھے۔ ان بزرگان گرامی کے حالات کے لئے تحفہ سعدیہ کا مطالعہ مفید رہے گا۔ (علوی)

بخوشی اجازت دے دی تاہم ان حضرات کی اس درخواست پر کہ "مولانا محمد علی انہیں دے دیئے جائیں"۔جوان کے ساتھ سیاسی کام میں شریک ہوں تو امیر شریعت نے فرمایا "بھائی محمد علی کو دے کر اپنے پاس کیا رکھوں گا"۔

حضرت شاہ جی قدس سرہ بے پناہ علمی و عملی آدمی تھے' ان کی حیات مستعار بقول خود "ریل اور جیل میں گزری" لیکن تقسیم ملک کے بعد تحریک مقدسہ ختم نبوت کے دوران "اسلام کی نام لیوا مسلم لیگی حکومت" کی جیل میں آپ پر جو گزری اس نے آپ کی صحت حلا کر رکھ دی۔ آپ کو متعدد عوارض لاحق ہو گئے۔اس لئے اب آپ کو مولانا محمد علی جیسے معتمد ساتھی کی ضرورت تھی جسے قدرت نے بے پناہ تنظیمی صلاحیتوں سے نوازا تھا' اصابت رائے کے مالک اور صحیح الفکر ساتھی کو آپ نے اپنے ساتھ رکھنے کا عزم کیا اور گویا تمام معاملات ان کے سپرد کر دیئے۔

شاہ جی اور مولانا جالندھری وغیرہ جملہ اکابر کے پیرو مرشد حضرت الشاہ عبدالقادر رائے پوری قدس اللہ سرہ العزیز مجلس کے قیام کے مشوروں کے موید تھے اور زندگی بھر بھرپور سرپرستی فرماتے رہے۔جبکہ ان کے علاوہ حضرت مولانا محمد عبداللہ نقشبندی رحمتہ اللہ تعالیٰ' استاذ العصر مولانا خیر محمد رحمتہ اللہ تعالیٰ اور حافظ الحدیث مولانا محمد عبداللہ درخواستی 2؎ جیسے حضرات برابر مجلس کی سرپرستی فرماتے رہے۔مولانا بنوری اور مولانا خان محمد بھی ایک دور میں سرپرستی فرماتے رہے۔بہر حال جب مجلس کی ابتداء ہوئی تو ملتان کے معروف علاقہ حسین آگاہی کی "مسجد سراجاں" کا ایک "حجرہ" مجلس کا مرکز قرار پایا۔

مسلم لیگ کی حکومت اور ملتان کی مسجد سراجاں

یہ وہی مسجد ہے جس میں مولانا محمد علی جالندھری 1941ء سے اپنے مرشد حضرت رائے پوری اور

---

2 حضرت قاضی صاحب اور مولانا جالندھری کی نظامت کے دور میں مولانا درخواستی زید مجدھم کی مجلس کے لئے ایک اپیل اس موقعہ پر ملاحظہ فرمائیں تو بہتر ہو گا اس اپیل سے ان بندگان باخدا کی مجلس سے محبت و تعلق کا اندازہ ہو سکے گا۔

"ضرورت تھی کہ اس ملک میں علماء حق کی کوئی جماعت اقتدار اور سیاسی کشمکش سے علیحدہ رہ کر دعوت حق و تبلیغ دین کا فریضہ سرانجام دے الحمدللہ ملک و ملت کی اس اہم ضرورت کی طرف مجلس تحفظ ختم نبوت نے حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب علیہ الرحمتہ کے رفیق کار حضرت مولانا قاضی احسان احمد صاحب شجاع آبادی کی صدارت اور حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری کی نظامت میں توجہ دی۔

اس وقت 25 علماء کرام کی ایک جماعت اطراف ملک میں تبلیغی ضرورتوں کو پورا کر رہی ہے جن کے جملہ مصارف مجلس تحفظ ختم نبوت ﷺ کے ذمہ ہوتے ہیں۔لہذا مجلس کی زیادہ سے زیادہ مالی امداد کر کے تبلیغ اسلام کے نظام کو مضبوط کریں۔و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔"

الفقر الی اللہ

محمد عبداللہ درخواستی

مہتمم مدرسہ عربیہ مخزن العلوم خان پور

اپنے رہنما مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کے تقاضے سے جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے' امیر شریعت قدس سرہ کے فرزند گرامی مولانا سید عطاء المنعم بخاری زید مجدھم نے ایک زمانہ میں احقر سے فرمایا تھا کہ مسجد کے دائیں بائیں کے تمام بازار اور گلیاں جمعہ کے دن نمازیوں سے پر ہوتیں لیکن 1953ء کی تحریک ختم نبوت کے دوران "پاکستان کی مسلم لیگی حکومت" نے اس مسجد میں جمعہ کے دن کی تقریر ممنوع قرار دے دی اس دوران بڑے بڑے انقلابات آئے ایوب و یحیٰی خان کا مارشل لاء آیا بھٹو کی جمہوری حکومت آئی ضیاء الحق کی "اسلامی حکومت" آئی لیکن کعبہ کی بیٹی کو "تحریک کے مرکز ہونے کے جرم" کی سزا ابھی تک مل رہی ہے۔ بہرحال یہ جملہ معترضہ تھا یہاں اس کے علاوہ ہونا بھی کیا ہے؟

احرار و جمعیت کے درویش شاعر و آستانہ مولانا مدنی کے خادم علامہ انور صابری نے تقسیم ملک سے قبل 1946ء میں لاہور کی معروف جلسہ گاہ میں موچی دروازہ میں کتنی صحیح بات کہی

پاکستان میں کیا کیا ہو گا!

چار طرف میخانے ہوں گے — گردش میں پیمانے ہوں گے
رندوں کی شمشیر کے نیچے — مذہب کے دیوانے ہوں گے
ختم نئے ماحول کے اندر — واعظ کے افسانے ہوں گے
پاکستان میں کیا کیا ہو گا!

دور نہ ہو گی فاقہ مستی — یونہی رہیگی فقر کی پستی
مٹ نہ سکی ہے مٹ نہ سکیگی — دولت کی انسان شکستی!
پاکستان کے اندر ہو گی — دولت مہنگی غربت سستی
پاکستان میں کیا کیا ہو گا!

تا بہ حد معراج کریں گے — جشن تخت و تاج کریں گے
مذہب ہی کی اوڑھ کے چادر — مذہب کو تاراج کریں گے
ابن علی کے دشمن بنکر — شمر کے بیٹے راج کریں گے
پاکستان میں کیا کیا ہو گا!

غیروں سے یارانے ہوں گے　　اپنے سب بیگانے ہوں گے
شمع بنیگا خون غریباں !　　روشن عشرت خانے ہوں گے
پرجا کے غمگین دلوں پر　　راجہ خنجر تانے ہوں گے
پاکستان میں کیا کیا ہو گا!
زخم سے خالی ہر دل ہوگا؟　　حاکم جور کا مائل ہوگا!
ڈوبے گی ایمان کی کشتی　　غرق طوفان ساحل ہوگا
بھیس میں انسان کے خود انسان　　انسانوں کا قاتل ہوگا

پاکستان میں کیا کیا ہو گا!

زرداروں کی عزت ہوگی　　ہر مفلس کی درگت ہوگی!
رسوا ہوگا نام محبت!　　اوج پہ جنس نفرت ہوگی
پیکر عصمت زینت خانہ　　بازاروں کی زینت ہوگی
سر سے پا تک دھوکا ہو گا!
پاکستان میں کیا کیا ہو گا!

(شاعر احرار، علامہ انور صابری ۱۹۴۶ء)

⊙

جماعتی مراکز

مسجد سراجاں حسین آگاہی کا حجرہ مجلس کی ابتدائی دفتر و مرکز سبھی کچھ تھا مولانا محمد حیات رحمتہ اللہ تعالیٰ پہلے مبلغ۔۔۔۔۔۔ مولانا محمد حیات رحمتہ اللہ تعالیٰ ماضی قریب کے باخدا، مخلص اور ذی شعور عالم تھے کہ ایسے لوگ قدرت کا عطیہ کہلاتے ہیں۔ ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے تب جاکر کوئی دیدہ ور پیدا ہوتا ہے۔ مولانا ایسے ہی دیدہ ور تھے، ایک سادہ منش انسان لیکن اس کا سینہ علوم و معارف کا گنجینہ تھا تو عملی قوتوں کے حساب سے اس کی مثال ملنی مشکل ہے، دلائل اور منطق کی قوت مالک الملک نے ایسی عطاء کی کہ باید و شاید۔

1934ء میں جب مجلس احرار اسلام نے قادیانی حضرات کے مرکز "قادیان" میں شعبہ تبلیغ کی ابتداء کی تو مولانا المرحوم اور مولانا عنایت اللہ چشتی زید مجدھم جیسے حضرات وہاں کی رونق تھے۔

قادیان اس زمانہ میں استبداد کا مرکز تھا مو سیو بشیر الدین محمود برطانوی حکومت کے ایجنٹ کے طور پر کوس لمن الملک بجا رہے تھے، اپنے مخالفین کو قتل کروا دینا اغواء کروا دینا، اس کے مکان کو آگ لگوا دینا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ ایسے ماحول میں وہاں قیام اور کام بڑے دل گردہ کا کام تھا لیکن ان بندگان

بے نفس اور مقربین بارگاہ الست نے یہ فرض سرانجام دیا اور خوب۔۔۔

اور یہ بات بھی بڑی عجیب ہے کہ بھٹو مرحوم کے دور اقتدار میں 74ء میں جب آئینی طور پر قادیانی غیر مسلم اقلیت قرار پائے اور ان کے پاکستانی ہیڈ کوارٹر ربوہ میں مسلمانوں کے قدم جمے اور وہاں مجلس تحفظ ختم نبوت کی مساعی سے اھل اسلام کا مرکز بنا تو مولانا المرحوم حیات مستعمار کے آخری لمحات گزار رہے تھے لیکن انہوں نے اس دور میں نہ صرف ربوہ کے مسلم مرکز میں ڈیرا جمایا بلکہ چنے کھا کر گزارا۔ اور دریافت کرنے پر فرمایا کہ "معلوم نہیں کیسے حالات ہوں اس لئے چنے کھا کر مشق کر رہا ہوں تاکہ مشکل حالات کا مقابلہ کر سکوں"۔

امیر شریعت امیر مجلس ہو، مولانا جالندھری منتظم اعلیٰ اور مولانا محمد حیات مبلغ اعظم تو پھر کیوں نہ مجلس پھلے پھولے، آج چاروں طرف جو بہار نظر آ رہی ہے اس کا اصل سبب دور اولین کے ان مخلص لوگوں کا اخلاص اور جذبہ عمل ہے شاہ جی قدس سرہ نے ایک روپیہ کے چندہ سے اس کام کی ابتداء کی جس کا بجٹ اب لاکھوں میں ہے اور ملک کے اندر اور باہر اس کے متعدد ذاتی ملکیتی دفاتر ہیں۔

مرکزی دفتر

مسجد سراجاں کے مرکز کے بعد بیرون لوہاری گیٹ کرایہ کی عمارت کا انتظام ہوا لیکن حضرت امیر شریعت اور دوسرے حضرات کی خواہش تھی کہ جماعت کا اپنا ملکیتی ذاتی دفتر ہو۔

چنانچہ اسی مقصد کے پیش نظر ملتان کی معروف شاہراہ "تغلق روڈ" پر چودہ مرلہ کا ایک پلاٹ بعوض سترہ ہزار روپے حاصل کر کے حضرت مولانا درخواستی کے ہاتھوں سنگ بنیاد رکھوایا گیا۔

افسوس کہ جماعت کے ملکیتی دفتر کی تکمیل کی خواہش دل ہی میں لئے حضرت امیر شریعت دنیا سے رخصت ہو گئے۔ تاہم یہ خوشی ہے کہ انہوں نے اس کے ابتدائی مرحلے اپنی آنکھوں سے دیکھ لئے۔ ۹۶

تغلق روڈ کا یہ دفتر تمام ضروریات پر مشتمل تھا لیکن اس میں مسجد نہ تھی؛

حضرت قاضی احسان احمد رحمتہ اللہ تعالیٰ کی وفات کے بعد مولانا محمد علی کراچی تشریف لے گئے اور

---

۹۶ اس مرحلہ پر ایک حقیقت کا اظہار ضروری ہے جس سے ان بندگان بے نفس کے اخلاص و للّٰہیت کا اندازہ ہو گا۔

چند سال قبل چنیوٹ کی سالانہ کانفرنس پر ایک مسئلہ شدت سے اٹھا کہ ایک صاحب علم نے دینی ادارہ کیلئے زمین کا ایک بڑا قطعہ اپنے ایک بالغ بیٹے کے نام منتقل کرایا ہے۔ اہل شہر کے احتجاج پر یہ معاملہ مولانا جالندھری کے سامنے آیا تو مولانا نے ان عالم سے ان کی وجہ دریافت کی، انہوں نے بتلایا کہ حکومت کے محکمہ اوقاف کے خطرات کے سبب ایسا کیا گیا۔ اس پر مولانا جالندھری نے فرمایا کہ

"جب ملتان میں مجلس کے دفتر کا طے ہوا تو حضرت امیر شریعت علالت کے سبب اجلاس میں موجود نہ تھے مجھ سمیت یہ رکنی کمیٹی حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اجلاس کا فیصلہ سنایا کہ زمین کی الاٹ منٹ حضرت امیر شریعت کے نام ہوگی"۔

"شاہ جی نے فرمایا کہ نہیں--- کام بھائی محمد علی نے کرنا ہے تو دفتر کی زمین بھی انہی کے نام الاٹ ہو میں نے عرض کیا کہ وہ اجلاس کا فیصلہ ہے تو فرمایا بھائی زندگی کا پتہ نہیں کل خدا نخواستہ میرے وارثوں کی نیت میں فتور آ جائے تو میرے لئے اور ان کے لئے اخروی بوجھ ہو گا۔ اس لئے رجسٹری مولانا محمد علی جالندھری ہی کے نام ہو"۔

"چنانچہ میں نے آبدیدہ ہو کر عرض کیا کہ شاہ جی اپنی اولاد و ورثاء کے لئے جس خطرہ کا آپ اظہار فرما رہے ہیں وہ میرے ورثاء کے ساتھ بھی ممکن ہے۔ اور مجھے افسوس ہے کہ اپنی اولاد کی آپ کو فکر ہے میری اولاد کو آپ نے اپنی اولاد نہیں سمجھا اس پر مجلس میں سب آبدیدہ ہو گئے اور دیر تک خاموشی سے بہت آنسو بہاتے رہے آخر یہ طے ہوا کہ اجلاس بلا کر فیصلہ کرایا جائے کہ زمین کی ملکیت کے کاغذات فرد واحد کے نام نہ ہوں بلکہ مجلس و جماعت کے نام ہوں۔

بعض حضرات نے حکومتی قبضہ کے خطرہ کا اظہار کیا تو شاہ جی نے فرمایا

کہ میاں جب تک وسائل ہمارے ہاتھ میں ہوں گے ہم کام کے مکلف ہیں، کوئی طاقت ہمیں بے دست و پا کر دے گی تو ہم اللہ تعالیٰ کے حضور معذرت خواہ ہوں گے۔

کام رب کا ہے ہمارا نہیں، اس سے حسن توفیق کی طلب بھی ہوتی چاہیے اور وسائل کی بھی لیکن ایسا کرنا چاہیے جس کے نتیجہ میں ہم یا ہماری اولاد کسی وقت اللہ نہ کرے شیطان کے بہکانے میں آ کر اپنا اخروی نقصان کر بیٹھے۔" (علوی)

اپنے عظیم استاد امام العصر مولانا سید محمد انور شاہ قدس سرہ کے محبوب شاگرد و علمی وارث مولانا بنوری سے جماعت کی امارت کے لئے درخواست کی۔ مولانا تاج محمود رحمۃ اللہ تعالیٰ کے بقول مولانا بنوری کی "جوہر شناس" شخصیت نے جواب دیا۔

آپ کی موجودگی میں کسی امیر کی ضرورت نہیں۔

مولانا بنوری کے اصرار پر مولانا نے امارت قبول کی اور مولانا بنوری نے خود شوریٰ کی رکنیت قبول کی، مولانا تاج محمود کے بقول

"ملتان دفتر کی تشریف آوری پر جب حضرت بنوری نے سربفلک ختم نبوت کے دفتر کو دیکھا تو اظہار مسرت کے بعد فرمایا کہ "آپ کی عمارت سنت خیر الانام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف ہے"۔ ہم لوگ حیران ہوئے تو فرمایا کہ سنت مسجد کی تعمیر پہلے اور آبادی بعد میں ہے، آپ نے عمارت تو تعمیر کروی لیکن مسجد نہیں، خاتم الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قیام مدینہ کے وقت مسجد پہلے بنائی تھی۔ مولانا بنوری نے اصرار فرمایا کہ مسجد کے لئے قطعہ اراضی خرید لو، قلت سرمایہ کے ذکر پر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کارساز ہیں، آپ جگہ خریدیں اس کی قیمت میں دوں گا۔ اللہ تعالیٰ اس کی تعمیر کا بھی انتظام فرما دیں گے۔(ہفت روزہ لولاک فیصل آباد 26 دسمبر 1989ء)

لیکن تعلق روڈ والے دفتر کی تمام آبادی مولانا جالندھری رحمۃ اللہ تعالیٰ کے دور کا کارنامہ ہے [1] جبکہ آپ ہی کے دور میں مولانا لال حسین اختر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بیرون ملک کا دورہ کیا جو لگ بھگ تین سال رہا۔

اس عرصہ میں قادیانی امت کے سرپرست انگریز بہادر کے وطن برطانیہ، فرانس، جرمنی، اور جزائر فجی میں بے پناہ کام ہوا۔ برطانیہ میں تو باقاعدہ بلڈنگ خرید کر دفتر قائم کیا گیا۔ [2]

1۔ مسجد سراجاں حسین آگاہی کے بعد کچہری روڈ اور قدیر آباد میں عارضی طور پر دفاتر قائم رہے، بعد ازاں لوہاری گیٹ والا دفتر کرایہ پر لیا حتیٰ کہ اس کے بعد تعلق روڈ کی ذاتی بلڈنگ لی۔(علوی)

2 مولانا لال حسین اختر رحمۃ اللہ تعالیٰ واپس تشریف لائے تو حضرت مولانا محمد علی قدس اللہ سرہ العزیز نے احقر کے والد گرامی محمد رمضان علوی رحمۃ اللہ تعالیٰ جو مولانا اور موجودہ امیر مجلس کے پورے دور میں مجلس کی مرکزی شوریٰ کے رکن رہے سے فرمایا کہ مولانا اختر پنڈی آپ کے پاس قیام کریں گے اپنے بیٹے سعید میاں سے کہہ کر ان سے تفصیلی حالات معلوم کریں اور رپورٹ مرتب کروائیں۔

میرے لئے ان بزرگوں کے حکم کی تعمیل نری سعادت تھی۔ میں ان دنوں مخدومنا المعظم مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرو (اٹک) کی مرکزی مسجد کا خطیب تھا۔ بلاوے پر پنڈی حاضر ہوا۔ مولانا اختر رحمۃ اللہ تعالیٰ کئی دن پنڈی والد گرامی کے یہاں مقیم رہے ان سے تمام حالات لے کر احقر نے رپورٹ مرتب کی جسے مولانا محمد علی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بذات خود دیکھا اور اپنے قلم سے بعض بعض جگہ اس کی اصلاح کی۔ بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

ملکیتی دفاتر کے حوالہ سے مولانا کے صاحبزادے مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری نے وفد کو ایک روایت بتلائی کہ ایک مرحلہ پر شدید حکومتی خطرات کے پیش نظر جماعت کے حکم سے تمام دفاتر کے حقوق مولانا کے نام منتقل ہو گئے اس میں گوجرانوالہ جماعت کا دفتر نہ تھا کہ بدقسمتی سے اس کا کیس عدالت میں ہے۔ یہ عدالتی چکر اپنے ہی بعض حضرات سے ہے جس کی تفصیل تکلیف دہ ہے اس لئے اس کے ذکر کا فائدہ نہیں' بہرحال مولانا عزیز الرحمٰن کے بقول انتقال سے قبل ہی تمام جائیداد جماعت کے نام منتقل ہو گئی اور اب ساری جائیداد جماعت کے نام ہے۔

مولانا المحترم رحمتہ اللہ تعالیٰ نے جماعتی ذمہ داریوں اور فرائض کو جس طرح نبھایا اس کی مثال ملنا مشکل ہے' حتیٰ کہ اس راہ میں بڑے سے بڑا ذاتی اور خاندانی نقصان بھی انہوں نے برداشت کیا جس کی ایک مثال حقیقی بھائیوں کی وفات کے حوالہ سے گزری کہ جیل کے دوران یہ حادثہ رونما ہوا لیکن اس مرد صابر نے اف تک نہ کی۔ جبکہ مولانا محمد شریف جالندھری اور مولانا عزیز الرحمٰن کے بقول 1945ء میں اپنی خوش دامن صاحبہ کو صادق آباد (رحیم یار خان) میں حالت نزع میں چھوڑ کر تشریف لے گئے کہ ایک احرار کانفرنس میں شرکت کا وعدہ تھا اور آپ کے جانے کے ایک گھنٹہ بعد وہ عزیزہ اللہ کو پیاری ہو گئی۔ رحمہا اللہ تعالیٰ

جبکہ 1941ء میں اپنے خسر کو شدید بیماری میں چھوڑ کر جماعتی فرائض کی ادائیگی کے لئے سفر پر تشریف لے گئے اور تین دن بعد وہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ رحمتہ اللہ تعالیٰ

جماعتی احباب و مبلغین اور مولانا جالندھری

مولانا المحترم ان رفقاء اور عزیزوں کے بڑے قدردان تھے جنہوں نے زندگی کے ہر مرحلہ پر جماعت کا بھرپور ساتھ دیا۔ اس ضمن میں مولانا لال حسین اختر کی تیس سالہ رفاقت کا بطور خاص ذکر فرماتے ادھر مولانا محمد شریف بہاولپوری' مولانا عبدالرحمٰن میانوی' مولانا محمد شریف جالندھری' مولانا

بقیہ حاشیہ سابقہ صفحہ

افسوس کہ اسی دوران مولانا جالندھری انتقال کر گئے یہ رپورٹ چھپ نہ سکی۔
کافی عرصہ بعد مجلس کے آرگن "ہفت روزہ لولاک فیصل آباد" میں قسط وار شائع ہوئی۔
مجلس کے امیر ثالث مولانا جالندھری قدس سرہ کے دور کا یہ عظیم کارنامہ ہے کہ مولانا اختر کا یہ سفر ہوا اور اس سے بڑی برکات ظاہر ہوئیں

ساتھ ہی یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ اس وقت مجلس کے ملکیتی دفاتر میں حضوری باغ روڈ ملتان کا عظیم الشان دفتر معہ مسجد (تین کنال) تغلق روڈ کا دفتر' ربوہ کے دو دفاتر کے علاوہ سکھر' کنڈی (سندھ) جابہ ضلع خوشاب (جہاں قادیانیوں نے اپنا گرمائی ہیڈ کوارٹر بنانے کی سازش کی) کراچی' اسلام آباد' گوجرانوالہ' اور بہاولپور کے دفاتر شامل ہیں۔
لندن' فجی' انڈونیشیا اور عرب امارات کے چار بیرون مراکز بحمد اللہ تعالیٰ کام کر رہے ہیں اور ربوہ میں دو جابہ پرمٹ (مظفر گڑھ) سکھر اور کنڈی میں مجلس کی زیر نگرانی مدارس بھی کام کر رہے ہیں۔ (اللھم زد فزد) (علوی)

عبدالرحیم اشعراور مولانا قاضی اللہ یار جیسے حضرات کا بہت محبت سے ذکر کرتے اور ان کی تعریف فرماتے۔

لیکن جن مبلغین سے شکایات تھیں انہیں محبت بھرے انداز سے سمجھاتے' آخری بیماری کے دوران ایک ایک مبلغ کو ایفائے عہد کی تلقین کی' فرمایا تمہاری حرکتوں نے میرے دل کو روگ لگادیا ہے اور میرا یہ حال ہوگیا ہے۔ ۱-

ان کا کہنا تھا کہ ہم دین کے مبلغ ہیں ہمیں دینی تعلیمات کا عملی نمونہ ہونا چاہیے۔

بعض مبلغین مثلاً "مولانا محمد لقمان' مولانا قاضی عبداللطیف اور مولانا غلام مصطفیٰ جیسے حضرات سے انہیں بڑا گلہ تھا' فرماتے کہ میں نے انہیں انگلی پکڑ کر چلنا سکھلایا' ان کے منہ میں الفاظ ڈال کر انہیں تقریر کی مشق کرائی' مبلغ بنایا لیکن افسوس کہ تعارف کے بعد انہوں نے جماعت سے وفانہ کی۔

حساب کتاب کے معاملہ میں قدرت نے انہیں جہاں یہ صلاحیت بخشی تھی کہ محض ایک ملا ہونے کے باوجود وہ ایسا منظم حساب رکھتے کہ بڑے سے بڑے چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ کے لئے مشکل تھا۔ وہاں دیانت داری میں ان کا جواب نہ تھا۔ انہوں نے اپنے اہل تعلق کی بھی اسی انداز سے تربیت کی اور کسی اہل تعلق نے ہزار فہمائش کے باوجود روش تبدیل نہ کی تو انہیں تادیب کے لئے ٹوکا۔

ایسی ایک مثال میرے سامنے پیش آئی' مدرسہ خیرالمدارس کی تعلیم کے دوران ہم مصروف درس تھے ہمارے استاذ محترم درس دے رہے تھے مجلس کے ایک مبلغ (آج کل جے یو آئی کے رہنما) بھی تشریف فرما تھے' ان کا بہت دنوں سے حساب کتاب کا معاملہ گڑبڑ تھا کئی مرتبہ انہیں سمجھایا جاچکا تھا لیکن اثر نہ ہونے کے سبب اب انہیں سرِبازار ٹوکا اور نام لے کر کہا کہ اب تمہاری رعایت نہ ہوگی۔

نئے مبلغین کے لئے ان کے دل میں بڑی محبت تھی' ان کو جمانے کی غرض سے بڑی جدوجہد فرماتے' میرے برادر بزرگ مولانا عزیز الرحمٰن خورشید کا معاملہ ہمارے گھر کا ہے اور مجھے خوب معلوم ہے کہ مولانا نے کس کس طرح شفقتوں سے نوازا۔

یہی حال دوسرے نوجوان اور جدید مبلغین کا تھا اپنے بچوں کی طرح ان کی تربیت کی اور انہیں شفقت و محبت سے سرفراز فرمایا۔ مبلغین کے مشاہدات اور وظائف کا باقاعدہ اہتمام تھا جو اب تک چل رہا ہے' مولانا جالندھری قدس سرہ کا معمول یہ تھا کہ جن مبلغین کی حالت کمزور ہوتی اور وہ ضرورت مند ہوتے تو ان کے لئے مشاہرہ اور تنخواہ تو زیادہ ممکن نہ تھا کہ اس طرح کا ترجیحی سلوک دوسرے حضرات کیلئے دل شکنی کا سبب ہوتا' لہٰذا وہ دوسرے ذرائع سے ان کے لئے سہولتوں کا انتظام فرمادیتے' مثلاً ذاتی سرمایہ سے کچھ رقم کسی معتمد کے سپرد کردیتے' اس کا منافع اس مبلغ یا جماعتی خادم کے لئے وقف

۱- محترم سید منظور احمد شاہ صاحب بخاری جو بعد میں مجلس کو چھوڑ کر الگ ہوگئے۔(علوی)

فرمادیتے اصل سرمایہ آپ ہی کا رہتا یا اس نفع کا ایک حصہ مبلغ و خادم کیلئے طے فرمادیتے۔

مجلس ختم نبوت فی الحقیقت انہی اکابر و ارکان پر مشتمل تھی جو کبھی مجلس احرار اسلام سے وابستہ تھے۔ مجلس احرار اسلام کے بزرگوں اور کارکنوں نے بڑی مشکل حالات میں خدمت سرانجام دی۔ یہ جماعت فی الحقیقت متوسط یا غریب طبقہ کے حضرات پر مشتمل تھی بعض حضرات اپنی ذات کے حوالہ سے مستحکم پوزیشن کے مالک تھے لیکن ایسے لوگ بہت کم تھے۔

مالیات کے سلسلہ میں مولانا کا ذوق

مجلس احرار کے دماغ چودھری افضل حق مرحوم اس معاملہ میں اکثر پریشان رہتے۔ حالات نے انہیں اس فیصلہ پر پہنچا دیا تھا کہ جماعتی کام کی گاڑی اب تب ہی چل سکے گی کہ ایسے کارکن ہوں جو یکسو ہو کر جماعت کا کام کریں اور جماعت ان کی معاشی کفالت کرے۔ حالات کے جبر نے اس حوالہ سے چودھری صاحب کو موقعہ فراہم نہ کیا اگلے سفر پر روانہ ہو گئے۔ مولانا محمد علی کو ان حالات کا شدید احساس تھا' انہوں نے ایک موقعہ پر یہاں تک فرمایا

"کہ افسوس۔ بحرانی حالات نے موقعہ نہ دیا ورنہ ابتداء ہی سے مجلس میں ہوتا تو چودھری صاحب کو مالی پریشانیوں سے بے نیاز کر دیتا"۔ (ہفت روزہ لولاک 25 دسمبر 81ء)

بہرحال مولانا مجلس احرار کے دور میں تو ایسانہ کر سکے ویسے بھی 1935ء کے حادثہ شہید گنج کے بعد مسلسل ایسے حالات رہے کہ مجلس بحران سے دوچار رہی۔

لیکن اب مجلس تحفظ ختم نبوت کے نظم و انتظام کی ذمہ داری حضرت امیر شریعت اور رفقاء نے مولانا پر ڈالی تو مولانا نے مالی استحکام اور ایسے مسائل پر بھرپور توجہ دی اور ساتھ ہی یہ طے کیا کہ مبلغین و ذمہ داران جماعت کی جو خدمت ہو گی وہ جماعت کے بیت المال میں آئے گا اور جماعت ان حضرات کی کفالت کرے گی۔ ؎۱

؎۱ جماعت اسلامی کے ذہین بانی مولانا مودودی مرحوم حیدر آباد دکن کے علمی حلقوں میں زندگی کے ابتدائی سال گزارنے کے بعد دہلی وارد ہوئے تو انہیں یہاں فقیہ عصر مولانا مفتی کفایت اللہ سحبان الہند مولانا احمد سعید دھلوی اور مولانا اشفاق الرحمن رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے ارباب بصیرت اور اہل نظر کی علمی و عملی سرپرستی حاصل ہوئی' ان کی صحبت سے مولانا نے بہت کچھ سیکھا' یہ الگ بات ہے کہ انہوں نے اپنے "بلند و بالا مقام" کے سبب کسی محسن کے احسان کا شکریہ ادا کرنا نہ اس کی ضرورت محسوس کی۔

مولانا مودودی کے ان مربیوں اور محسنوں کے مجلس احرار اسلام کے بزرگوں کے مثالی تعلقات تاریخ کا حصہ ہیں بلکہ بہت سے حضرات بیک وقت ہر دو جماعتوں کی عاملہ و شوریٰ کے رکن رہے' اس لئے کسی حوالہ سے چودھری افضل حق مرحوم کی یہ خواہش مولانا مودودی کے علم میں آ گئی اور انہوں نے جماعت اسلامی کے قیام سے ہی بیت المال کے استحکام

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

جماعت کے وہ مخلص احباب جنہوں نے ساری عمر خالصتاً لوجہ اللہ' پیٹ پر پتھر باندھ کر خدمت دین وملت کی تھی ان پر بڑا بوجھ تھا لیکن مولانا نے سب حضرات کی دلجوئی کے لئے اپنے لئے بھی "وظیفہ" تجویز کیا' تاکہ دوسرے احباب پر بوجھ نہ ہو لیکن چونکہ آپ ذاتی طور پر مستحکم مالی پوزیشن کے مالک تھے اس لئے آپ خاموشی سے یہ "وظیفہ" محفوظ رکھتے رہے اور آپ کی وفات کے بعد مجلس کے بیت المال کے سیف سے اس وظیفہ کی خطیر رقم اس ہدایت کے ساتھ برآمد ہوئی کہ میں نے احباب کی دلجوئی کے لئے اس معاملہ میں اپنے آپ کو بھی شامل کیا لیکن چونکہ میں "مستغنی" ہوں اس لئے جماعت کی امانت واپس کر رہا ہوں۔

دنیا میں محبت و خلوص اور دیانت و امانت کے ایسے شاہکار کہاں ملیں گے؟ سچ یہ ہے کہ حضرت امیر شریعت رحمتہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مربی و سرپرست امام العصر مولانا سید انور شاہ رحمتہ اللہ تعالیٰ کے متعلق جو بات کہی کہ "صحابہ کے قافلہ کے بچھڑے ہوئے فرد" تو اس کا اطلاق اس قافلہ کے ایک ایک فرد پر ہوتا ہے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ

مولانا تاج محمودؒ کی تحریر

مخدوم گرامی مولانا تاج محمود رحمتہ اللہ تعالیٰ کی ادارت میں شائع ہونے والے جماعتی آرگن "ہفت روزہ لولاک فیصل آباد" کے ایک طویل مضمون "کاروان ختم نبوت کے قافلہ سالار" کا مولانا سے متعلق حصہ جوں کا توں نقل کیا جا رہا ہے اس سے جہاں مجلس کے حوالہ سے مولانا کے مقام پر روشنی پڑتی ہے وہاں محولہ بالا واقعہ کی تفصیل بھی سامنے آتی ہے۔ ساتھ ہی "معاصرت کے فتنہ" کے باوصف باہمی احترام و محبت کے روح پرور نظارے اس تحریر سے سامنے آئیں گے کہ ہمارے یہاں "معاصرت" ہمیشہ

بقیہ حاشیہ سابقہ صفحہ

اور ہمہ وقتی ارکان و کارکنان کے فلسفہ پر عمل کیا۔
بیت المال کے استحکام کے لئے مختلف النوع طریقے اختیار کرنے والے مولانا مودودی دنیا سے رخصت ہوئے تو ذاتی و جماعتی سطح پر جائیداد منقولہ و غیر منقولہ کا ایک لامتناہی سلسلہ چھوڑ گئے جو اب ان کے خاندان و جماعت کے درمیان دردسری کا باعث ہے تو ساتھ ہی جماعت کی "روح انقلاب" دم توڑ چکی ہے آج بہت سے حضرات یہ سوال کرتے نظر آتے ہیں کہ مسلم لیگ سے پیپلز پارٹی تک اور جمعیۃ علماء اسلام سے جمعیۃ علماء پاکستان تک ہر سیاسی و مذہبی جماعت مصوی بحروں کا شکار ہوئی لیکن جماعت اسلامی اس المیہ سے بچی رہی تو اس کی وجہ کیا ہے؟
ویسے تو یہ غلط ہے کہ جماعت بچی رہی ہے۔ ابتدائی دور میں مولانا محمد منظور نعمانی' مولانا ابوالحسن علی ندوی اور مولانا صبغۃ اللہ بختیاری سے لے کر 1958ء میں ایک بڑے قافلہ کی جماعت سے علیحدگی ایک حقیقت ہے باقی مولانا امین احسن اصلاحی مدظلہم کے بقول "جنت کے الو' باقی رہ گئے اور یہ غریب جائیں بھی کہاں کہ ان کے معاش کا سد باب قدرت نے اچھرہ سے منصورہ تک پھیلا دیا ہے۔ اس تلمیح سے اہل نظر بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔(علوی)

فتنہ ثابت ہوئی بالخصوص "مذہبی طبقہ" اس کا زیادہ شکار رہا لیکن جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا کرم خاص ہوتا ہے اور جو عظیم مقاصد کے لئے جڑ جاتے ہیں ان کے سینے اور قلب ایسی باتوں سے بالکل پاک ہوتے ہیں اور وہ "رحماء بینھم" کی سچی تصویر نظر آتے ہیں۔

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم

ان معروضات کے بعد اپنے نہایت درجہ محترم بزرگ مولانا تاج محمود کی تحریر پیش کر رہا ہوں۔

وھوہذا

مجلس کے تیسرے امیر اور سربراہ مولانا محمد علی جالندھری تھے۔ وہ مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی کے بعد امیر منتخب ہوئے اور اس سے قبل شاہ صاحب اور قاضی صاحب کے ساتھ بطور ناظم اعلیٰ کام کرتے رہے۔

در حقیقت مولانا محمد علی جالندھری جماعت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے تھے۔

مولانا محمد علی جالندھری ارائیں برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ اپنا اچھا خاصا زمیندارہ تھا۔ نکودر ضلع جالندھر کے ایک گاؤں "یکو" کے رہنے والے تھے، علامہ عصر مولانا سید انور شاہ کشمیری رحمتہ اللہ علیہ کے خاص شاگردوں میں شامل اور مدرسہ دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل عالم تھے۔ مولانا جید عالم منطقی اور زبردست مناظر تھے۔ وہ شکل و صورت، رہن سہن اور وضع قطع میں ٹھیٹھ پنجابی اور دیہاتی معلوم ہوتے تھے۔ ان جیسی مدلل تقریر احرار کے سارے گروہ میں میں کوئی مقرر نہیں کر سکتا تھا وہ تقریر کرنے کے لئے کھڑے ہوتے چند جملے اردو زبان میں بولتے مجمع سے آوازیں آنا شروع ہو جاتیں۔ مولانا تقریر پنجابی زبان میں کریں اور مولانا ٹھیٹھ پنجابی زبان میں تقریر کرنا شروع کر دیتے۔ پنجابی کے محاورے بولتے۔ دیہات کی روزمرہ کہاوتیں استعمال کرتے۔ لوگ عش عش کر کے رہ جاتے وہ کھیتوں کی روشوں ہل چلانے والے کسانوں، ان کی ہل پنجالی، روٹی بھتہ لانے والی کسان کی بیوی، کھیتوں کے سبزے فصلوں کی لہلہاہٹ سے اپنا مضمون پیدا کرتے، دیہاتی زندگی کے سادہ اور فطری مناظر سے اپنی روانی کا ساتھ بناتے سنوارتے چلے جاتے۔

احرار کے زمانے میں انہیں پرولتاری مقرر سمجھا جاتا تھا۔ کسانوں، مزدوروں، غریبوں اور پسماندہ طبقوں کی زندگی کے مسائل کے متعلق بولتے، سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ نظام پر سخت تنقید کرتے تو ان کی تقریر دور دور تک پہنچتی، اس زمانہ میں معلوم ہوتا تھا کہ روسی سفارت خانے میں مولانا کی تقریروں کے متعلق خاص طور پر دلچسپی لی جاتی ہے مولانا بعض باتیں عجیب و غریب کہا کرتے تھے مثلاً وہ فرمایا کرتے کہ جس طرح جسم میں جوئیں باہر سے نہیں آتیں بلکہ انسان کی اپنی میل کچیل سے پیدا ہوتی ہیں۔ اسی طرح کمیونزم بھی باہر سے نہیں آیا کرتا بلکہ ملکوں اور قوموں کے اندر ہی سے غربت، معاشی

ناہمواری، ظلم اور جہالت کی بدولت پیدا ہو جاتا ہے۔ مولانا نے برصغیر کے چپے چپے پر بے شمار تقریریں کیں۔ آخری عمر میں ان کی تقریریں اصلاحی اور تبلیغی ہوا کرتی تھیں۔ انہوں نے اپنی زندگی میں بڑی بڑی معرکۃ الاراء تقریریں کی ہوں گی۔ لیکن ان کی ایک تقریر فروری 1953ء میں نسبت روڈ لاہور پر ہوئی تھی جس ایک تقریر نے لاہور میں آگ لگا دی تھی اور دوسرے دن لاہور سراپا تحریک ختم نبوت بن چکا تھا۔ وہ ایک مثالی اور یادگار تقریر تھی ایک دفعہ اسلامیان سرگودہا نے شاہ جی رحمتہ اللہ علیہ سے جلسے کے لئے کہا۔ سرگودہا والوں نے جلسے کا اہتمام کر لیا۔ اشتہار چھپ گئے تاریخ آ گئی سرگودہا اور شمال مغربی پنجاب کے دور دراز کے دیہات سے دنیا پہنچ گئی لیکن شاہ جی بیماری کے باعث جلسہ میں نہ پہنچ سکے۔ مولانا محمد علی جالندھری کا بھی وعدہ تھا وہ پہنچ گئے۔ لوگوں کو ابھی یہ معلوم نہ ہو سکا تھا کہ شاہ جی نہیں آ رہے۔ عشاء کی نماز کے بعد جلسہ شروع ہوا۔ خدا کی قدرت مولانا کی تقریر میں ایسا جوش و خروش اور نظم تسلسل پیدا ہوا کہ پوری کانفرنس سراپا گوش بن گئی۔ مولانا نے ختم نبوت کی اہمیت، اتحاد امت، شان رسالت، رد مرزائیت، ملک کے استحکام و بقاء کی ضرورت پر اتنی معرکۃ الاراء تقریر کی کہ ایک سماں بندھ گیا۔ ساری رات تقریر جاری رہی۔ صبح کی اذان نے تقریر کا سلسلہ منقطع کیا۔ لوگ ششدر اور مولانا خود حیران کہ آج یہ کیسی رات اور یہ کس زور کی تقریر ہو گئی۔ اگلے روز مولانا جالندھری ملتان پہنچے۔ شاہ جی کی خدمت میں حاضر ہو کر ماجرا سنایا۔ شاہ جی نے فرمایا۔ محمد علی مجھے سرگودہا کے جلسہ کی بڑی فکر اور پریشانی تھی۔ میں بھی رات عشاء کی نماز پڑھ کر مصلے پر بیٹھا تو صبح تک مصلے پر ہی دعا کی حالت میں رہا کہ اے اللہ آج وہاں محمد علی اکیلا ہے تو ہماری سب کی لاج رکھیو۔

مولانا محمد علی کی سب سے بڑی خوبی ان کا جماعت اور تحریکوں کے لئے فنڈز کا انتظام کرنا۔ دیانت امانت سے ان کا حساب رکھنا۔ کفایت شعاری سے خرچ کرنا اور تحریک کو یا جماعت کے کام کو باقاعدہ اور ہمیشگی سے جاری رکھنے کا اہتمام کرنا تھا۔ مولانا جالندھری نے مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کے قیام کے بعد اس کے مالیاتی نظام کی مضبوطی کی طرف خصوصی توجہ دی اور جماعت کیلئے مضبوط فنڈ کا اہتمام کیا۔ مجلس نے فیصلہ کیا کہ چونکہ جماعت نے حفاظت و اشاعت اسلام کا کام کرنا ہے۔ تردید مرزائیت جیسا کٹھن کام اس کے ذمہ ہے۔ سازشوں کو بے نقاب کرنے اور قوم و ملک کو اس فتنہ سے بچانے کے لئے ایک منظم جماعت کی ضرورت ہے۔ اس لئے جماعت میں مستقل ہمہ وقتی کام کرنے والے کارکن با تنخواہ رکھے جائیں جو ہر طرف سے بے فکر اور آزاد ہو کر یکسوئی کے ساتھ جماعتی مقاصد کے لئے کام کریں۔

جب اس فیصلے کے مطابق جماعت کے علماء کرام سے با تنخواہ کام کرنے اور ہمہ وقتی ڈیوٹی دینے کے لئے کہا گیا تو وہ لوگ جو ساری عمر ملک کی آزادی اور اسلام کی سربلندی کے لئے لوجہ اللہ تعالیٰ ماریں کھاتے رہے تھے۔ ان کی خودداری نے تنخواہ لے کر جماعت کا کام کرنا مناسب نہ سمجھا اور سب اس بات

سے ہچکچانے لگے۔

مولانا مرحوم نے یہ محسوس کر کے کہ یہ لوگ اس چیز کو اپنے لئے عار سمجھتے ہیں اپنے آپ کو پیش کیا کہ میں خود بھی تنخواہ لوں گا اور ہمہ وقتی ملازم کی حیثیت سے جماعت کا کام کروں گا۔ اس کے بعد مولانا لال حسین اختر' مولانا محمد حیات' مولانا عبدالرحیم اشعر' مولانا محمد شریف بہاولپوری' مولانا محمد شریف جالندھری غرضیکہ تمام مبلغین نے وظیفہ لینا اور ہمہ وقتی کام سرانجام دینا قبول کر لیا۔ قاضی احسان احمد شجاع آبادی اور شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ اس سے مستثنیٰ رہے۔

تمام مبلغین جب جلسوں اور دوروں پر جاتے لوگ ان کو خادم اسلام سمجھ کر جو خدمت کرتے تھے تو وہ اس کی بھی رسید کاٹ دیتے تھے۔ وہ ہدیہ 'نذرانہ' خدمت سب جماعت کے بیت المال میں جمع ہو جاتا تھا۔ مولانا کے اخلاص' ایثار' دیانت' اور امانت کا اس بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جب مولانا کی وفات ہو گئی اور ہم لوگ ان کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہوئے۔

اگلے روز جب جماعت کے بیت المال جو لوہے کی بہت بڑے سیف کی صورت میں تھا' اسے کھولا گیا تو تمام رقوم حساب کے مطابق موجود تھیں۔ البتہ ایک پوٹلی الگ رکھی ہوئی تھی جس میں بائیس ہزار روپیہ تھا اور ساتھ یہ چٹ مولانا نے لکھ کر رکھی ہوئی تھی کہ جب جماعت کے دوسرے مبلغین اور علمائے کرام تنخواہ لینا عار سمجھتے تھے تو میں نے ان کی دلجوئی اور جھجک دور کرنے کیلئے تین صد روپیہ مشاہرہ قبول کر لیا تھا۔ الحمد للہ میں صاحب جائیداد اور گھر سے کھاتا پیتا ہوں اللہ نے مجھ کو مال' اولاد' زمین روزی سب کچھ دے رکھا ہے۔ وہ تین صد روپیہ میں الگ رکھتا رہا ہوں اور یہ بائیس ہزار روپیہ وہ ہے' میرے مرنے کے بعد اس رقم کو جماعت کے خزانے میں جمع کر دیا جائے۔

یہ مولانا کی محبت' دیانت اور امانت کا ثمرہ ہے کہ جماعت کا لاکھوں روپیہ مالیت کا اپنا مرکزی دفتر ملتان میں ہے۔ انگلستان میں مجلس کا اپنا ملکیتی عظیم دفتر موجود ہے۔ اسلام آباد کا دفتر جماعت کا خریدا ہوا ملکیتی ہے اور گوجرانوالہ کا دفتر بھی جماعت کا خریدا ہوا ملکیتی مکان ہے۔

اس کے علاوہ کراچی' لاہور' پشاور' کوئٹہ' بہاولپور' سیالکوٹ' گجرات' فیصل آباد' اور ملک کے تقریباً ہر ضلع اور بڑے شہروں میں جماعت کے کرایہ پر لئے ہوئے دفاتر موجود ہیں۔ اکثر دفاتر میں ٹیلی فون لگے ہوئے ہیں۔ ان میں مستقل ملازمین کارکن ہیں۔ پھر لاکھوں روپیہ کی زرعی اور ملکیتی وقف جائیداد جماعت کے نام موجود ہے۔ اور اب الحمد للہ جماعت دینی مقاصد تحفظ ختم نبوت رسالت' حفاظت و اشاعت اسلام پر تقریباً تیس لاکھ روپیہ سالانہ خرچ کر رہی ہے۔

مجاہد ملت حضرت مولانا محمد علی جالندھری 9 شعبان 1384ھ بمطابق 23 نومبر 1966ء' سے 24 صفر 1391ھ بمطابق 21 اپریل 1971ء (4 سال 4 ماہ 29 دن تک) جماعت کے باقاعدہ امیر اور سربراہ رہے۔ (لولاک 26 دسمبر 1989ء)

ملک سے باہر جماعت کا کام

مولانا جالندھری قدس سرہ العزیز نے ایک موقعہ پر یہ تاریخ ساز جملہ ارشاد فرمایا
"آج کل امریکہ چاند پر پہنچنے کی کوشش کر رہا ہے۔
اگر کسی وقت چاند پر انسان آباد ہوا اور اگر زمین سے کوئی انسانی قافلہ چاند پر منتقل ہوا تو جو سیارہ انسانی آبادی کے سب سے پہلے قافلے کو لے کر جائے گا اس میں انشاء اللہ مجلس تحفظ ختم نبوت کا نمائندہ بھی ہو گا۔

مولانا کی یہ بات ان کے دل کی آواز تھی' ان کی زندگی بھر کا یہی مشن تھا' اسی لئے وہ جئے' اسی کے لئے' جیل گئے اس کے لئے' انہوں نے اپنے پیاروں کے جنازے چھوڑے اس لئے' جو انہوں نے کہا وہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح پورا کیا کہ ان کی زندگی میں مجلس کے اکابر' مبلغین اور رہنماؤں کا بیرون ملک آنا جانا شروع ہو گیا حتیٰ کہ برطانیہ جیسے ملک میں جماعت کے اکابر کے قدم پہنچے۔ یعنی قادیانی حضرات کے روحانی اجداد کے ملک میں یہ بلا نوشان محبت اس طرح گئے کہ مجلس کا مستقل دفتر وہاں قائم ہو گیا۔ جو اللہ تعالیٰ کے کرم سے برابر ترقی کر رہا ہے۔ [٦]

برطانیہ کے غیرت مند مسلمان تو حضرت امیر شریعت سے مولانا جالندھری تک سبھی حضرات کے لئے کوشاں رہے کہ وہ بذات خود یہاں تشریف لا کر کلمہ حق بلند فرمائیں لیکن افسوس کہ حضرت شاہ جی اپنی علالت کے سبب نہ جا سکے اور مولانا جالندھری کے لئے بھی بوجوہ ایسا ممکن نہ ہو سکا لیکن اپنے معتمد مولانا لال حسین کو وہاں بھیجنے کا آپ نے انتظام کر دیا اور یوں ظفر علی خان مرحوم کے بقول خمرو خنزیر کی اس دنیا میں کام کی ابتداء ہو گئی' مجلس کا مرکز ملتان (جب مغربی پاکستان' اب سارا پاکستان) تھا اور مشرقی پاکستان سے کسی قسم کا رابطہ نہ تھا' حالانکہ وہ پاکستان کا ہی حصہ تھا۔ بد قسمتی یہ تھی کہ دونوں حصوں کے درمیان وسیع خلیج حائل تھا مرکز حکومت مغربی پاکستان میں تھا۔ ابتداء میں کراچی اس کے بعد اسلام آباد۔ یہاں کے حکمران شاید ابتداء ہی سے اس حصہ کو ساتھ رکھنے کے معاملہ میں سنجیدہ نہ تھے اس لئے

---

[٦] سفر یورپ اور وہاں کے دفتر کے حوالہ سے تفصیلات اس سفر نامہ میں دیکھی جا سکتی ہیں
جس میں مولانا لال حسین اختر رحمہ اللہ تعالیٰ کی آبلہ پائی کا ذکر ہے مولانا المرحوم نے یہ سفر مولانا جالندھری کے دور میں کیا۔ دفتر کا اہتمام ہوا جس کی نگران اور کام کیلئے ساہیوال کے ایک عالم کو مجلس کے خرچ پر بھیجا گیا۔ ساہیوال کی عظیم درسگاہ کو کھنڈرات میں تبدیل کرنے کی خواہش رکھنے والے یہ صاحب برطانیہ میں جا کر "مفتی اعظم" بن گئے اور جماعت کے کام کی مطلق پرواہ نہ کی' انہوں نے اپنے مالی حالات کے استحکام کیلئے خوب بھاگ دوڑ کی لیکن اللہ تعالیٰ اپنے دینی کام کسی سے لے لیتا ہے۔۔۔ الحمد للہ تعالیٰ جماعتی نظم' دفتر' تبلیغ سبھی کام برابر ہو رہے ہیں۔۔۔ اے کاش وہ دوست محاسبہ آخرت کا خیال فرماتے۔ (علوی)

حالات میں مسلسل کھچاؤ آ رہا تھا آخر 1971ء میں وہ تاریک گھڑی آئی کہ مشرقی پاکستان الگ ہو کر بنگلہ دیش بن گیا۔ امام حریت ' مجدد عصر مولانا ابو الکلام آزاد آخر وقت تک تقسیم ملک کے فلسفہ کے خلاف رہے آخر میں انہوں نے مسلم لیگی اکابر سے مشرقی پاکستان سے دست بردار ہو کر پورے پنجاب کے لئے جدوجہد کا اشارہ دیا۔

افسوس کہ بونے لوگوں نے توجہ نہ کی ورنہ پورا بنگال مسلمانوں کے قبضہ میں رہتا تو پورا پنجاب پاکستان کا حصہ ہوتا اور تبادلہ آبادی کی وجہ سے شدید مسائل پیدا نہ ہوتے اور لاتعداد مساجد ' مدارس اور خانقاہیں برباد نہ ہوتیں ' کشمیر اور نہری پانی کا مسئلہ نہ ہوتا اور دونوں ملک جنگ کی تلخیوں سے بچے رہتے ' مولانا آزاد نے واضح طور پر کہہ دیا تھا کہ مغربی و مشرقی حصہ کا اتحاد ربع صدی تک باقی رہ گیا تو یہ تاریخ کا معجزہ ہو گا۔

مجدد عصر کی بات اس طرح پوری ہوئی کہ 24 برس بعد دونوں حصے الگ ہو گئے (فیا حسرتا)

مولانا جالندھری نے ملک کے اس حصہ کی طرف توجہ فرمائی اور جماعتی کام کو وہاں تک پھیلانے کا منصوبہ بنایا اس ذریعہ سے دونوں حصوں کے اہل علم اور عوام کے درمیان رابطہ کی بھی شکل پیدا ہوئی۔

مجلس کی 1389ھ کی رپورٹ کے مطابق اس سال مشرقی پاکستان سے رابطہ ہوا بلکہ اسی سال ہندوستان کے معروف شہر کلکتہ ' فجی اور بعض دوسرے مقامات کے بھی پروگرام بنے۔

مجلس تحفظ ختم نبوت کے عمائدین جس مرکز علمی کے خوشہ چیں تھے اس کے اثرات مشرقی بازو میں بہت زیادہ تھے۔ باہمی تعلقات کا سلسلہ موجود تھا۔ اس لئے ابتدائی درجہ میں اس سال سے چند سال قبل وہاں مجلس کا قیام تو عمل میں آچکا تھا لیکن مرکز سے دو مبلغ بھرپور تیاری کے ساتھ وہاں بھیجے گئے اور مولانا عبد الرحیم اشعر نے بھی ایک ماہ کا دورہ کیا۔

مولانا اشعر اور ان کے رفقاء کی صبر آزما جدوجہد نے مشرقی بازو میں کام کے لئے وسیع میدان فراہم کر دیا تو احباب کا یہ تقاضا زور پکڑ گیا کہ مولانا جالندھری (امیر مجلس) یہاں تشریف لائیں۔

آخر 20 جمادی الثانیہ 1389ھ کو مولانا ڈھاکہ تشریف لے گئے۔ اس چند روز قیام میں مولانا نے رات دن کا ایک لمحہ ضائع کئے بغیر بے پناہ بھاگ دوڑ کی پورے مشرقی بازو کے بڑے بڑے شہروں اہم قصبات اور مقامات کا دورہ کیا۔ جلسے ' عوامی اجتماعات ' سیمینار ' استقبالیہ ' تقریبات سبھی کچھ ہوا۔ مولانا نے ایک مدبر انسان کی طرح وہاں کے اجتماعی حالات کا سنجیدگی سے جائزہ لیا۔ جماعتی احباب کو کام کے لئے لائن دی ' لائحہ عمل متعین کیا اور ایک پریس کانفرنس میں ملکی مسائل کے حوالہ سے حکومت کو نہایت درجہ قیمتی مشورے دیئے۔

مشرقی بازو میں سیلاب کا مسئلہ ہمیشہ موجود رہا ہے۔ اور اس کی سنگینی نے بے پناہ نقصانات پہنچائے۔

اس ملاقات میں کتنی نے ایسی تجاویز دیں جن پر عمل سے یہ مسئلہ ہمیشہ کے لئے حل ہو سکتا تھا۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ ہمارے یہاں کی نوکر شاہی ملک کو بری طرح لوٹتی ہے پر کچھ کر کے نہیں دیتی۔ رہ گئے حکمران تو ملکی تاریخ کا غالب حصہ تو فوجی حضرات بر سر اقتدار رہے۔ انہیں عوامی مسائل سے کیا سروکار؟ جو بیورو کریسی نے کہا' اس کو مان لیا لیکن افسوس یہ ہے کہ سول حکمرانوں کا مسئلہ بھی قریب قریب ایسا ہی ہے کیونکہ سیاست کو عبادت سمجھ کر صحیح خدمت کا جذبہ مفقود ہے اور محض اپنا معاشی استحکام پیش نظر ہوتا ہے اس لئے کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ مشرقی بازو میں ان دنوں قادیانی حضرات "احمد نگر" کے نام سے جس دوسرے "ربوہ" کا اہتمام کر رہے تھے' وہ منصوبہ خاک میں مل گیا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کامیابی عطاء فرمائی۔

انہی دنوں ہندوستان کے معروف شہر کلکتہ سے مرکزی دفتر ملتان میں قادیانی حضرات کی ریشہ دوانیوں کی خبر ملی اور وہاں سے یہ مطالبہ سامنے آیا کہ مولانا لال حسین اختر کو یہاں بھیجا جائے۔

ان دنوں میں بد قسمتی سے پاکستان' ہندوستان کے تعلقات کشیدہ ہونے کے سبب ویزا ملنا ممکن نہ تھا' اس لئے مجلس کے حضرات بہت پریشان تھے کہ کیا کیا جائے؟

بہرحال مجلس کے اکابر نے مشرقی بازو کے احباب سے مشورہ کیا۔ انہوں نے مولانا لال حسین اختر کو ڈھاکہ بھیجنے کا کہا اور وعدہ کیا کہ وہ ڈھاکہ سے مولانا کو کلکتہ بھیجنے کا انتظام کردیں گے۔ [۱]

---

[۱] اب تو مشرقی پاکستان مرحوم ہو کر ایک خود مختار مملکت کا درجہ حاصل کر چکا ہے۔ لیکن جب وہ پاکستان کا حصہ تھا تو عجیب قسم کی دو عملی مختلف حوالوں سے سامنے آئی تھی جس کی وجہ سے دونوں خطوں کے درمیان نفرت بتدریج بڑھ رہی تھی لیکن بد قسمتی سے ہمارے حکمران کراچی سے اسلام آباد تک محل سراؤں میں داد عیش دے رہے تھے اور جو بد قسمتی ان کے سروں پر مسلط ہونے والی تھی اس کا انہیں مطلق احساس نہ تھا یا پھر یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ خود ایسا ہی چاہتے تھے؟

1971ء میں سقوط ڈھاکہ کے بعد سنجیدگی سے اس کے اسباب کا جائزہ لینے کی کوشش کرنے کے بجائے اور ذمہ دار افراد کو سزا دینے کی بجائے یار لوگ اتہام بازی میں مشغول ہو گئے اور اتنا سنگین مسئلہ بھی روایتی سیاست بازی کی نذر ہو گیا۔

کسی نے اسے فوجی شکست کہا تو کسی نے سیاسی' کسی نے سیاسی' فوجی۔۔۔۔ الغرض جتنے منہ اتنی باتیں۔ مرحوم ذوالفقار علی بھٹو نے حمود کمیشن قائم کیا جس میں بعض حضرات نے اپنے بیانات ریکارڈ کراتے ہوئے مرکزی حکومت اور اس کی بیوروکریسی میں موجود قادیانی حضرات کی ریشہ دوانیوں کو بھی ایک سبب قرار دیا لیکن افسوس کہ وہ رپورٹ سامنے نہ آ سکی۔۔۔۔ حد یہ ہے کہ "اسلامی قوتوں کے ممدوح" جنرل ضیاء الحق بھی اس کمیشن کی رپورٹ سامنے نہ لا سکے اور اس سنگین راز سے آج 23 برس بعد بھی قوم ناآشنا ہے۔

بہرحال دو عملی کے حوالہ سے ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ مغربی بازو سے قانونی راستہ سے ایک عالم کلکتہ نہیں جا سکتا لیکن مشرقی بازو سے اس کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں۔

کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا؟ (علوی)

مولانالال حسین اختر مشرقی پاکستان کے احباب کے مہمان کے طور پر ڈھاکہ تشریف لے گئے تو مشرقی حصہ کے احباب نے حسب وعدہ ویزہ کا انتظام کر دیا یوں مولانا کلکتہ پہنچ گئے۔

مولانا جیسے فاضل یگانہ اور قادیانی ریشہ دوانیوں سے واقف و آگاہ انسان کا کلکتہ پہنچنا تھا کہ مرزائی دنیا کے گھر میں کہرام مچ گیا۔ ان کے گھروں میں صف ماتم بچھ گئی اور مولانا کامیاب دورہ کے بعد واپس ملتان تشریف لے آئے۔

اہالیان کلکتہ نے خط کے ذریعہ ملتان میں عمائدین مجلس کا شکریہ ادا کیا (رپورٹ مجلس 1389ھ)
2

اسی سال یورپ اور فجی کے اسفار پیش آئے۔ مولانا جالندھری نے اپنے محبوب و معتمد ساتھی مولانا اختر کو دعاؤں کے ساتھ روانہ کیا۔ مولانا نے یورپ کے بہت سے ممالک اور فجی کے کامیاب دورے کیئے۔

فجی کے اس سفر کی دعوت وہاں کے مسلمانوں کی نمائندہ جماعت مسلم لیگ کی طرف سے آئی جس

---

2 مولانالال حسین اختر کے مختصر حالات کے لئے دفتر مرکزیہ سے حال ہی میں شائع ہونے والے مولانا کے رسائل سے بھی ان کی شخصیت اور علمی و مناظراتی گہرائی کا اندازہ ہو سکے گا۔

مولانا مرحوم ایک زمانہ میں قادیانیوں کی لاہوری جماعت میں شامل ہو گئے اور انہوں نے وہاں کے نظم کے مطابق بھرپور طریق سے مناظرہ وغیرہ پڑھا، اس ضمن میں انہیں سنسکرت اور لاطینی جیسی مشکل زبانیں بھی پڑھیں یہ بات اس صدی کی تیسری دہائی کی ہے۔۔۔ فراغت کے بعد وہ قادیانی علم الکلام کے ماہر دانشور، بے باک مقرر و مناظر و مناظراتی ادب کے شہسوار تھے لیکن جلد ہی قدرت ان پر مہربان ہو گئی اور انہوں اس وقت کے لاہوری جماعت کے سربراہ مولوی محمد علی صاحب سے خط و کتابت شروع کر دی اور آخر جماعت سے علیحدگی اختیار کر کے قافلہ حق میں شامل ہو گئے۔ قادیانی حضرات کو مولانا کی علیحدگی کا جس قدر صدمہ تھا اس کا اندازہ مشکل ہے لیکن مسلمانوں کی خوشی کا بھی ٹھکانہ تھا۔

مجلس احرار اسلام کے سرپرست اور دنیائے اسلام کے عظیم محدث مولانا سید محمد انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے لاہور میں اپنی صدارت میں مولانالال حسین کی تقریر کرائی جس کا موضوع "ترک مرزائیت" تھا (یہ تفصیلات مطبوعہ شکل میں موجود ہیں) اور ڈھیروں دعاؤں سے نوازا۔

اس کے بعد مولانا اختر، مجلس احرار اور پھر مجلس تحفظ ختم نبوت کے ہو کر رہ گئے۔ ساری عمر اس مشن میں کھپادی، مولانا محمد علی کی امارت میں مجلس کے ناظم اعلیٰ رہے اسی عرصہ میں بیرونی دنیا کے کامیاب سفر کئے اور مولانا کے سانحہ ارتحال کے بعد جماعت کے امیر قرار پائے۔ اسی دوران چنیوٹ کی ختم نبوت کانفرنس 1973ء میں حادثہ کا شکار ہو کر صاحب فراش رہے۔ اس پورے عرصہ میں ان کا فکر و ذہن بالکل متاثر نہ ہوا اور صاحب فراش ہو کر ملت کے اس قافلہ کی پشتی بانی کا فرض سرانجام دیتے رہے۔ آخر 1973ء میں سفر آخرت پر روانہ ہو گئے۔ اور وصیت و خواہش کیمطابق مجاہدین تحریک کے مرکز دین پور شریف میں تدفین ہوئی۔ دین پور کے اس وقت کے زیب سجادہ مولانا میاں عبد الہادی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے جنازہ پہنچنے پر وہ جگہ آپ کے لئے عنایت فرمادی جسے وہ اپنی قبر کے لئے مختص کر چکے تھے۔ رحمہما اللہ تعالیٰ و متعہما اللہ بغفرانہ۔ (علوی)

نے یہ کہا کہ یہاں کی چالیس ہزار آبادی قادیانیوں کی لاہوری شاخ کی زد میں ہے اس لئے یہاں کی خبر لی جائے۔ 3

اس سفر کے اثرات کی شدت کا اندازہ مرزائیوں کی لاہوری شاخ کے اس جائزے سے ہو سکتا ہے جو 1950ء سے 1971ء تک حالات پر مشتمل ہے اس کے صفحہ 11 پر ہے

"اس چھوٹے سے جزیرہ میں ہماری خاصی جماعت ہے وہاں آج کل احمدیت کی مخالفت زور پکڑ رہی ہے یہاں تک کہ وہاں کی مسلم لیگ کی رکنیت کا احمدی اہل نہیں"۔

ان اسفار کے اثرات کا مختصر خاکہ یہ ہے۔

1۔ 40 ہزار کی مسلم آبادی میں قرآن اور ابتدائی تعلیم کا مدرسہ نہ تھا فوری اس کا اہتمام کر کے ابتداء میں خود مولانا لال حسین اختر نے مدرس کے فرائض سرانجام دیئے۔

2۔ فجی کے مولانا عبدالمجید نے سات برس میں انڈیا سے علوم اسلامیہ کی تکمیل کر کے ملتان دفتر میں حضرت الاستاد مولانا محمد حیات سے قادیانیت کا کورس پڑھا اور لٹریچر کے ہمراہ مولانا لال حسین کی خواہش پر وہاں پہنچ کر مولانا کی موجودگی میں اس مشن پر کام شروع کیا۔ ان کی نگرانی و سرپرستی خود مولانا نے کی اور انہیں وہاں جما کر کام کا راستہ ہموار کیا۔

3۔ ربوی فرقہ کے دو مناظر مولانا لال حسین کا نام سنتے ہی بھاگ آئے کہ ان کے "امیر و امام" کا حکم تھا کہ

"زہر کا پیالہ پی لو لیکن لال حسین اختر کا سامنا نہ کرو"

اور لاہوریوں کے مناظر مولوی احمد یار خان نے یکم فروری 1969ء کو مجبوراً مناظرہ کر کے منہ کی کھائی اور ذلیل ہو کر وہاں سے بھاگ نکلا۔

اس سلسلہ میں مولانا محمد علی کے نام 11 فروری 1969ء کو جو خط آیا اور پھر 30 مئی 1969ء کو جو

---

3 کہ کاش برعظیم کی مسلم لیگ بھی ایسی ہی ہوتی لیکن افسوس کہ اس نے اپنے 1940ء کے خصوصی اجلاس دہلی کی صدارت چوہدری ظفر اللہ خان سے کرائی جسے صدر مسلم لیگ اپنا "روحانی بیٹا" قرار دیتے اور پھر اسی بیٹے نے ان کا جنازہ تک نہ پڑھا۔ مسلم لیگ نے احمدی جماعت کے چندے قبول کئے۔ یہ الگ بات ہے کہ قادیانیوں نے سازش کے ذریعہ گورداسپور ہندوستان کی جھولی میں ڈال کر کشمیر اور نہری پانی کے مسائل پیدا کئے۔ اس کے باوجود مسلم لیگ نے ظفر اللہ خان کو سات برس تک وزیر خارجہ بنائے رکھا۔ اس کی ناز برداری میں ہزاروں مسلمانوں کو 1953ء میں تہہ تیغ کر کے ان کے محبوب رہنماؤں کو جیل میں ڈالا۔

1971ء کے سانحہ مشرقی پاکستان میں قادیانیوں کا نام موثر طریق سے سامنے آیا لیکن کسی کے کان پر جوں نہ رینگی، 1977ء کے مسلم لیگی انقلابیوں نے ڈاکٹر عبدالسلام جیسے قادیانی کو پاکستان میں عزت بخشی اور وہ کچھ ہوا اور ہو رہا ہے جس سے روح لرز اٹھتی ہے۔ (علوی)

رپورٹ آئی وہ قارئین کی دلچسپی کے لئے نقل کی جارہی ہے۔

"مولانا صاحب!" (مولانا جالندھری صاحب)

ہمیں یہ لکھتے ہوئے بڑی مسرت ہو رہی ہے کہ بتاریخ یکم فروری 1969ء کو صبح نو بجے "سان ہول لٹوکا" میں فجی مسلم لیگ کی طرف سے حضرت مولانا لال حسین صاحب اختر اور احمدیہ انجمن اشاعت اسلام فجی کی طرف سے مولوی احمد یار صاحب مرزائی ایم اے کے درمیان مناظرہ ہوا مضامین یہ تھے۔

(i) وفات و حیات مسیح علیہ السلام (ii) صدق و کذب مرزا غلام احمد قادیانی

پہلا مناظرہ تین گھنٹے دس منٹ کا ہوا۔ جس میں مدعی فجی مسلم لیگ کے مناظر تھے اور دوسرے مناظرہ میں انجمن احمدیہ فجی کے مناظر مدعی تھے۔ اس کا وقت بھی پہلے کی طرح تھا۔ تقریباً بارہ سو تک کی حاضری تھی۔ یہ فجی کے مذہبی جلسے کے لئے بہت بڑی تعداد ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اور آپ بزرگوں کی دعا سے ہمارے مولانا صاحب کو عظیم کامیابی ہوئی۔ ہمارے مولانا لال حسین اختر نے ان کی خوب گت بنائی۔ مولوی احمد یار صاحب سوالات کے صحیح جوابات دینے سے بالکل قاصر رہے اور غلط غلط باتیں بیان کر کے اپنے وقت کو پورا کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ مولانا لال حسین صاحب اختر اپنے خاص خاص اعتراضات کو بار بار دہرایا اور للکار للکار کر ان سے جوابات طلب کئے۔ مگر مولوی احمد یار ان اعتراضات کو نظر انداز کرتے رہے اور صحیح جواب بالکل نہ دے سکے۔ سامعین پر خوشی کی لہریں دوڑ گئیں۔ انہوں نے اپنی خوشیاں ظاہر کیں اور دعائیں دیں اور یہ کہا کہ ہم آج حقیقت سے اچھی طرح واقف ہو گئے۔ مرزائیت کا بھانڈا پھوٹ گیا اور ہم اب ان کے دجل و فریب سے بالکل واقف ہو گئے۔ ہم مرزا غلام احمد قادیانی کو دجال اور جہنمی کہتے ہیں اس بد بخت اور مدعی نبوت کو انسان کہنا انسانیت کی توہین ہے۔

دونوں طرفین کے مناظرے کی تقریر کی ٹیپ ریکارڈنگ بھی کی گئی ہے انشاء اللہ مرکز کے لئے ہم ایک سیٹ جلد ہی روانہ کریں گے۔ امید واثق ہے کہ اب مرزائیوں میں یہ ہمت کبھی بھی نہ ہو گی کہ وہ اس طرح کا مناظرہ کرنے کیلئے تیار ہوں۔ بڑی مشکل سے یہ مناظرہ قائم کیا گیا تھا۔ وہ بہت طرح کے حیلے بہانے کرتے تھے۔ مگر آخر اس آفت میں وہ خود بخود پھنس گئے اور اپنے منہ کی کھانی پڑی۔ فجی مسلم لیگ کے تمام ممبران اور دیگر احباب مولانا لال حسین صاحب اختر کو مناظرے میں اس عظیم کامیابی کے لئے اپنی دلی مبارکباد پیش کر چکے ہیں۔

(اقتباس از خط جناب ایم ٹی خان صاحب)

نائب جنرل سیکرٹری فجی مسلم لیگ۔ محررہ 11 فروری 1969ء)

4۔ اس سفر میں مولانا نے امریکہ، فرانس، جرمنی اور برطانیہ کا دورہ کیا۔ مجلس کی روئیداد 1389ھ

سے بعض اقتباسات درج کئے جا رہے ہیں:

الحمدللہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لانبی بعدہ'

حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری امیر مرکزیہ مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان پاکستان

السلام علیکم ورحمتہ اللہ!

1۔ فجی مسلم لیگ غیر سیاسی مذہبی ادارہ ہے۔ جس کا قیام 1926ء میں ہوا تھا یہ مسلمانان فجی کی واحد نمائندہ جماعت ہے جو مسلمانوں کی مذہبی' تعلیمی اور معاشرتی خدمات انجام دے رہی ہے۔ جزائر فجی کی جملہ مساجد اس جماعت کے زیر اہتمام ہیں اور مختلف مقامات پر اس کے دو سیکنڈری سکول اور پرائمری سکول ہیں۔

2۔ فجی مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی فجی مسلم لیگ کی طرف سے مجلس مرکزیہ تحفظ ختم نبوت پاکستان کا صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتی ہے کہ آپ نے ہماری درخواست پر مجسمہ شرافت' بلند اخلاق' بے نظیر عالم و مناظر اور مشہور مبلغ اسلام مولانا لال حسین صاحب اختر ناظم اعلیٰ مجلس مرکزیہ تحفظ ختم نبوت ملتان پاکستان کو انگلستان سے فجی بھیجا۔ ہماری خوش قسمتی ہے کہ آپ نے نو ماہ کے قیام میں جزائر فجی کے مختلف مقامات میں توحید' رسالت' ختم نبوت' اصلاح عقائد و اعمال' معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم' حیات حضرت مسیح علیہ السلام' صداقت اسلام' تردید مرزائیت' معجزات انبیاء علیہم السلام' حجیت حدیث' ضرورت مذہب' ضرورت تعلیم دین' اتحاد بین المسلمین' عظمت و ترقی پاکستان۔۔۔ کے مضامین پر تقریباً ڈیڑھ سو تقریریں کیں۔ ان خطابات نے یہاں کے مسلمانوں میں تعلیم قرآن مجید و حدیث شریف تبلیغ اسلام' تردید مرزائیت' اتحاد بین المسلمین' اشاعت و حفاظت اسلام کے لئے قربانی اور ایثار کی روح پھونک دی۔ جزائر فجی میں اشاعت و حفاظت اسلام اور مرزائیت سے مسلمانوں کو بچانے کے لئے کوئی مستقل انتظام نہ تھا۔ نہ تعلیم قرآن مجید کی کوئی درس گاہ تھی۔ نہ ہی کوئی مسلم لائبریری تھی۔ حضرت مولانا کی تحریک پر فجی مسلم لیگ کے جنرل اجلاس نے اپنے ماتحت تحفظ ختم نبوت کمیٹی مقرر کی جو اشاعت و حفاظت اسلام' مدرسہ تعلیم القرآن' اور مسلم لائبریری کے قیام اور ان کے چلانے کے فرائض سرانجام دے گی۔ چنانچہ مولانا لال حسین صاحب نے تحفظ ختم نبوت کمیٹی کے زیر اہتمام "لوٹوکا" میں مدرسہ تعلیم القرآن کا افتتاح کیا جس میں ناظرہ کے علاوہ سترہ طالب علم قرآن مجید حفظ کر رہے ہیں۔ ان طلباء کے جملہ اخراجات کمیٹی ادا کرتی رہے گی۔ مولانا لال حسین اختر کے مبارک ہاتھوں سے فجی مسلم لیگ کے دفتر میں مسلم لائبریری کا افتتاح کیا گیا۔ آپ نے صودا برانچ مسلم لیگ کے پرائمری سکول کی نئی بلڈنگ کا بنیادی پتھر نصب کیا اور مدرسہ تعلیم القرآن کے اقامت گاہ کی بنیاد رکھی۔

مرزائیوں نے کفربازی کا (جو) فتنہ (یہاں) برپا کر رکھا تھا' حضرت مولانا کی تقریروں' انفرادی ملاقاتوں' مناظرہ اور ریڈیو فجی پر عقائد حقہ کی نشریات سے بطریق احسن اس فتنہ کی سرکوبی ہو گئی ہے۔

اے کاش! مولانا یہاں تین چار سال قیام فرما سکتے تو تمام ملک میں مذہبی انقلاب برپا ہو جاتا۔ لیکن آپ کے

اور انگلستان کے خطوط سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا انگلینڈ جانا نہایت ضروری ہے۔ حضرت مولانا لال حسین صاحب نے اخلاق اور ان کی خدمات اسلامی کی یاد نہایت عزت و احترام سے مدت العمر ہمارے قلوب میں جاگزیں رہے گی۔ ہم مولانا کو افسردہ دلوں اور پرنم آنکھوں سے الوداع کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے طفیل مجلس مرکزیہ تحفظ ختم نبوت کے جملہ اکابرین و اراکین و مبلغین اور مولانا لال حسین صاحب اختر کو بیش از بیش اشاعت و حفاظت اسلام کی توفیق عطا فرماوے' آمین' انشاء اللہ العزیز تحفظ ختم نبوت کمیٹی رپورٹ وقتاً فوقتاً ارسال خدمت کی جایا کرے گی۔ ~~امید ہے کہ آپ حسب سابق تبلیغی امور میں ہماری راہنمائی فرماتے~~ رہیں گے۔۔۔والسلام

(محمد طاہر خان)
نائب و جنرل سیکرٹری فجی مسلم لیگ)

30 مئی 1969ء مطابق 13 ربیع الاول 1389ھ

مولانا لال حسین صاحب 21 ربیع الثانی 1389ھ کے گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔۔چونکہ ناگی صاحب کو میں نے پیرس سے ٹیلی فون کر دیا تھا اس لئے وہ ہوائی اڈے پر موجود تھے۔ ان کے مکان پر پہنچا' یہاں ہندوستانی اور پاکستانی مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہے لیکن بیس ہزار سے زائد ترک رہتے ہیں۔ قادیانی مرزائیوں نے یہاں مسجد ضرار بنائی ہوئی ہے۔ ترک' ہندوستانی اور پاکستانی مسلمان مرزائیوں کی مسجد میں مرزائی امام کی اقتداء میں نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ ناگی صاحب جب یہاں تشریف لائے اور انہوں نے ترکوں کو بتایا کہ مرزائی دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ ان کی اقتداء میں ہماری نماز نہیں ہوتی۔ تو ترکوں نے کہا کہ وہ ہمارے جیسے اور ہماری طرح نماز پڑھتے ہیں۔ ناگی صاحب نے ترکوں سے کہا کہ جمعہ کی نماز کے وقت آپ ان لوگوں (مرزائیوں) سے کہیں کہ ہم تمہارے امام کی اقتداء میں نماز ادا کرتے رہتے ہیں۔ آج تم ترک امام کی اقتداء میں نماز ادا کرو۔

چنانچہ جمعہ کی نماز سے پہلے ترکوں نے مرزائیوں کو کہا کہ آج ہمارا امام نماز پڑھائے۔ مرزائیوں نے انکار کر دیا۔ کہ اپنی مسجد میں ہم تمہیں امامت کی اجازت نہیں دیتے اور نہ ہی تمہاری اقتداء میں ہم نماز ادا کرتے ہیں۔ کچھ رد و کد کے بعد پاکستانی ہندوستانی اور ترک مسلمان مرزائیوں کی مسجد سے بغیر نماز ادا کئے نکل آئے اور نماز جمعہ نہ ادا کر سکے کیونکہ مسلمانوں کے پاس نماز ادا کرنے کیلئے کوئی جگہ نہ تھی۔ اسی

وقت ترک مسلمانوں نے چندہ جمع کر کے نماز ادا کرنے کیلئے ایک تین منزلہ مکان کرائے پر لے لیا اور اس

میں نماز ادا کرنے کے لئے اجازت حاصل کر لی۔ اس مکان میں اتنی گنجائش نہیں تھی کہ تمام نمازی جمعہ کے دن اس میں سما سکیں میں نے دیکھا برستی بارش میں ترک کاغذ اور کپڑے بچھا کر صحن اور باہر گلی میں بھیگ رہے تھے اور نماز ادا کر رہے تھے۔ ترک مسلمان کوشش کر رہے ہیں کہ کوئی موزوں ہال خرید لیں یا جگہ خرید کر فراخ مسجد تعمیر کر لیں۔

اس خط میں مولانا تحریر فرماتے ہیں کہ اس عارضی مسجد میں میری تین تقریریں ہوئیں۔ جمعرات' بعد نماز جمعہ اور ہفتہ کے دن۔ پہلے دن میں نے تقریر اردو میں شروع کی۔ کنزر صاحب (جرمن مرزائی سے نومسلم) نے انگریزی میں ترجمہ شروع کیا تو ترکوں نے کہا کہ ہم انگریزی نہیں سمجھتے۔ انہوں نے جرمن زبان میں ترجمہ کیا تو ترکوں نے کہا کہ ہم جرمن زبان بھی اچھی طرح نہیں سمجھتے۔ ترکیوں کے ایک نوجوان امام جو حافظ اور بلند پایہ قاری ہیں انہوں نے مجھے فرمایا کہ آپ عربی میں تقریر کریں۔ میں اس کا ترکی میں ترجمہ کروں گا۔۔۔ ان کے کہنے پر میں نے عربی میں تقریر شروع کی۔ وہ ساتھ ساتھ ترجمہ کرتے جاتے۔ توحید' ختم نبوۃ' حیات مسیح علیہ السلام' اور کفر مرزا پر تین تقریریں کیں۔ حضرت مولانا تحریر فرماتے ہیں اس نئے مکان کی تینوں منزلیں کھچا کھچ بھری ہوئی تھیں۔

حضرت مولانا نے لندن پہنچنے پر ایک تو ورکنگ کے کام میں حصہ لیا کیونکہ وہاں اب مسجد کی ٹرسٹ کمیٹی بن گئی ہے جو پاکستان ہائی کمشنر کے ماتحت کام کرے گی۔ ساتھ ساتھ مولانا نے مندرجہ ذیل شہروں میں تبلیغی دورہ کیا اور مختلف موضوعات پر تقریریں کی۔ شہروں کے نام یہ ہیں۔ ہڈرسفیلڈ' بائلے' بریڈ فورڈ' ساؤتھال' مانچسٹر' کارڈف (لندن) بلیک برن' شیفلڈ' ڈیوزبری۔ گویا 9 شہروں کا دورہ کیا۔

ویسٹ جرمنی کے دوران قیام ایک پچیس سالہ امریکن نوجوان مشرف بااسلام ہوا۔ ان کا پہلا نام (PeterSchlempp) تھا۔ اب ان کا نام احمد ارول رکھا گیا ہے۔ ارول ترکی نام ہے۔

(اقتباس خط 26 ربیع الاول 1389ھ)

5۔ اسی سفر میں برطانیہ میں مرکزی دفتر کا قیام عمل میں آیا جس کی تکمیل کے بعد مولانا زیارت حرمین شریفین کیلئے حجاز مقدس تشریف لے گئے جہاں مدینہ منورہ کی معروف عالم یونیورسٹی کے وائس چانسلر الشیخ عبدالعزیز بن باز نے آپ سے تفصیلات سن کے بے پناہ خوشی کا اظہار کیا اور مدینہ یونیورسٹی میں آپ کے لیکچرز کا انتظام کیا۔

زیارت حرمین کے بعد مولانا (تین سال بعد) واپس تشریف لائے (کراچی کے شاندار استقبال اور استقبالیہ دعوتوں سے فارغ ہو کر بذریعہ ٹرین لاہور تک سفر کیا اور ہر اسٹیشن پر احباب و اراکین مجلس نے راہ حق کے اس مسافر کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔

خان پور کے اسٹیشن پر حضرت میاں عبدالھادی اور مولانا محمد عبداللہ درخواستی جیسے بزرگ ان کی پذیرائی کے لئے موجود تھے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

آج مجلس تحفظ ختم نبوت کے حوالہ سے دنیا بھر میں مرزائیت کا تعاقب ہو رہا ہے اور مجلس سے غیر وابستہ بعض حضرات بھی اپنے طور پر دنیا بھر میں مصروف کار ہیں تو اس کا کریڈٹ یقیناً مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ تعالیٰ، مولانا لال حسین اختر رحمۃ اللہ تعالیٰ اور ان کے بعد مولانا محمد یوسف بنوری قدس اللہ سرہ العزیز کو جاتا ہے۔

اول الذکر بزرگ نے بیرونی دنیا کے اسفار کے لئے ابتدائی خاکہ مرتب کیا اور ساری تدابیر کر کے اسباب و وسائل فراہم کئے تو ثانی الذکر نے لگ بھگ تین سال تک دنیا کا سفر کر کے آباد دنیا کے ایک بڑے حصہ پر ختم نبوت کا پیغام سنایا اور مرزائیت کا تعاقب کر کے اہل دین کو ان کی ریشہ دوانیوں سے آگاہ کیا۔ اور پھر جب قرعہ امارت مولانا بنوری قدس اللہ سرہ العزیز کے نام نکلا تو ایک طرف انہی کے دور امارت میں ملک میں پہلے متفقہ آئین (1973ء) میں ایک آئینی ترمیم کے ذریعہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا [۳۶] تو دوسری طرف دنیا بھر میں مرزائیت کا وسیع پیمانے پر تعاقب ہوا جس کا سلسلہ پوری قوت سے اب تک جاری ہے۔

مولانا جالندھری کے بعد

حضرت مولانا محمد علی جالندھری کے انتقال کے بعد یہاں رونما ہونے والے اہم واقعات میں ایک واقعہ دوسری اسلامی سربراہی کانفرنس جس کے منتظم مرحوم بھٹو اور حکومت پاکستان تھی۔

---

[۳۶] وطن عزیز پاکستان میں آئینی و دستوری تاریخ بڑی ہولناک ہے

ابتداء میں مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی کاوش سے لیاقت علی خان مرحوم کے زمانہ میں محض ایک قرارداد مقاصد منظور ہو سکی تو اس کے بعد حکومتی حلقوں کی چیلنج بازی کی وجہ سے 31 علماء نے (جن میں ہمارے ممدوح مولانا جالندھری بھی شریک تھے) 23 نکات مرتب کر کے ایک دستوری خاکہ تیار کیا لیکن اس کی کیا پذیرائی ہوئی؟ گورنر جنرل غلام محمد نے دستور ساز اسمبلی ہی توڑ دی اور جسٹس منیر نے (وہی منیر جس نے 1953ء میں رسوائے زمانہ عدالتی رپورٹ مرتب کی) اس کے اقدام کو درست قرار دے دیا۔

اس کے بعد 1956ء میں ایک دستور آیا جس نے دینی اعتبار سے بڑے سقم تھے لیکن یہ دو سال بعد 1958ء کے مارشل لاء کی نذر ہو گیا اس کے بعد 1962ء میں ایوب خان نے ایک ایسا دستور بنایا جس میں اہل دین کے مطالبات کی مطلق پذیرائی نہ تھی۔ یہ دستور 1968ء میں یحییٰ خان کے مارشل لاء نے ختم کر دیا اس کے بعد 1970ء کا الیکشن ہوا، 1971ء میں مشرقی پاکستان الگ ہوا پھر مرحوم بھٹو نے 1973ء میں قوم کو ایک ایسا آئین دیا جو مفتی محمود اور دوسرے قائدین کے بقول اسلامی، وفاقی اور جمہوری تھا، اسی دستور 1974ء میں وہ آئینی ترمیم ہوئی جو 1973ء کے متفقہ آئین کی طرح متفقہ تھی اور جس کے ذریعہ مرزائیوں کا پتا کاٹ دیا گیا مرحوم بھٹو کی یہی جرات رندانہ اس کے زوال کے اسباب میں سے ایک سبب بنی۔ بعد کے دور میں اس آئین میں بڑی ترامیم ہوئیں لیکن الحمد للہ کہ 1974ء کی متفقہ ترمیم پوری طرح سلامت ہے اور یہ ثمرہ ہے ایک صدی تک اس مقصد کے لئے قربانی دینے والے زعماء اور مخلص کارکنوں کا۔ اللہ تعالیٰ ان کی قربانیوں کو قبول فرمائے۔ (علوی)

لاہور میں منعقد ہونے والی اس کانفرنس کے موقعہ پر شاہی مسجد کا جمعہ ایک یادگار اجتماع تھا جس میں خطبہ جمعہ کے لئے مرحوم شاہ فیصل کا ملے ہو چکا تھا لیکن مرحوم بھٹو کی کابینہ کے ایک وزیر کی "ہوس" سدِ راہ بن گئی اور آخر ایک ایسے صاحب نے خطبہ دیا جنہوں نے مخصوص قوتوں کی خوشنودی کیلئے خطبہ جمعہ میں ایک حدیث کا وہ ٹکڑا کھا لیا جس میں ختم نبوت کے عقیدہ کا اعلان و اظہار تھا۔

تاہم اس موقعہ پر مجلس کے اکابر نے مرحوم مفتی محمود سے ایک عربی رسالہ تیار کرا کے اور خوبصورت طریق سے چھپوا کر سربراہان حکومت اور ان کے وفود کے ارکان میں تقسیم کرایا جبکہ انگریزی لٹریچر الگ تھا۔ اعلیٰ پیمانے پر تبلیغ و اظہار حق کی یہ ایک خوبصورت مثال تھی۔

اس کے بعد آئین سازی کے مراحل کے موقعہ پر اس وقت کے امیر مجلس مولانا لال حسین اختر نے مرکزی وزیر قانون میاں محمود علی قصوری مرحوم سے مل کر انہیں قادیانی مسئلہ کے ضمن میں امت کے احساسات سے زبانی اور تحریری طور پر آگاہ کیا اور ایک مؤثر و اہم کتابچہ تمام ممبران پارلیمنٹ میں تقسیم کرایا۔

حضرت مولانا بنوری کے تعلقات کا وسیع حلقہ تھا۔ عرب دنیا میں ان کا بے پناہ تعارف تھا اس سارے تعلق و تعارف کو انہوں نے اس اہم مسئلہ کے لئے استعمال فرمایا۔

سعودیہ سے لے کر مصر تک کے علمی اداروں سے قراردادیں منظور کرا کر حکومت پاکستان کو حقیقت پسندانہ رویہ اختیار کرنے کی طرف توجہ دلائی۔

حج جیسے بین الاقوامی ملی اجتماع کے موقعہ پر مجلس کے اکابر و احباب ایک ملی فریضہ کے طور پر دنیا بھر کے مسلمانوں سے رابطہ کر کے اس مسئلہ کی سنگینی کی طرف توجہ دلاتے۔

مجلس کے بعض مبلغین اور رہنماؤں نے مشرق وسطیٰ، مشرق بعید اور افریقہ کے ممالک کا دورہ کیا اور 7 ستمبر 1974ء کے مثالی اور تاریخی فیصلہ [۱] کے بعد خود حضرت مولانا بنوری اور بعض دوسرے

مناسب ہوگا کہ اس ترمیم کا متن شامل کتاب کر دیا جائے۔

یاد رہے کہ ابتداء میں بھٹو کابینہ کے وزیر قانون مرحوم میاں محمود علی قصوری تھے۔ لیکن جب یہ آئینی ترمیم ہوئی اس وقت عبدالحفیظ پیرزادہ وزیر قانون تھے اسی لئے ترمیم پر ان کے دستخط ثبت ہیں۔

اسلام آباد 7 ستمبر (ا۔ب۔پ) قومی اسمبلی نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا جو فیصلہ صادر کیا ہے اس کی روشنی میں آئین پاکستان کی متعلقہ دفعات کی ترمیم کے بعد یہ صورت ہوگی۔

آرٹیکل نمبر 260:۔ جو شخص خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر مکمل ایمان نہیں لاتا یا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی بھی انداز میں نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے یا کسی ایسے مدعی نبوت یا مذہبی مصلح پر ایمان رکھتا ہے وہ از روئے آئین و قانون مسلمان نہیں ہے۔

آرٹیکل نمبر 106 کلاز نمبر 3:۔ اس میں طبقوں کے لفظ کے بعد قادیانی یا لاہوری گروپ کے جو اشخاص جو "احمدی"

بقیہ حاشیہ سابقہ صفحہ

حضرات نے یورپ اور افریقہ کے ممالک کا دورہ کیا یورپ کے دفاتر کو منظم کیا اور افریقہ میں جماعت کی شاخیں اور دفاتر قائم کئے۔ حضرت امیر شریعت کی امارت اور مولانا جالندھری کی نظامت میں مجلس تحفظ نبوت نے یہاں جو جدوجہد کی اس کے آثار و نتائج کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ یہاں مختصرا" مجلس کی روئیداد کے حوالہ سے چند نکات پیش کئے جارہے ہیں جن سے محترم قارئین کو اندازہ ہوسکے گا کہ مخلص حضرات کے ایثار و قربانی پر اللہ تعالیٰ نے کیا ثمرات مرتب فرمائے۔۔۔۔

"مجلس تحفظ ختم نبوت" کے مقاصد و خدمات کا مختصر سا خاکہ آپ کے سامنے آچکا ہے۔ اب ایک نظران آثار و نتائج پر بھی ڈال لینا چاہیے جو جماعت کی جہد مسلسل اور امت اسلامیہ کے اتفاق و تعاون کے نتیجہ میں وقوع پذیر ہوئے۔

اول۔۔۔۔ پاکستان کی قومی اسمبلی نے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا۔ علاوہ ازیں قریبا" تیس اسلامی ممالک قادیانیوں کو کافر و مرتد' دائرہ اسلام سے خارج' اور خلاف قانون قرار دے چکے ہیں۔

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

کہلاتے ہیں کے جملے کا اضافہ کر دیا گیا۔ اضافے کے بعد کلاز نمبر3 کی صورت یہ ہو گی۔ "صوبائی اسمبلیوں میں بلوچستان' پنجاب' شمالی مغربی سرحدی صوبہ اور سندھ کی کلاز نمبر1 میں دی گئی نشستوں کے علاوہ ان اسمبلیوں میں عیسائیوں' ہندوؤں' سکھوں بدھوں پارسیوں اور قادیانیوں یا شیڈول کاسٹس کے لئے اضافی نشستیں ہوں گی۔ آئین میں دوسری ترمیم کے بل کا متن۔

یہ قرین مصلحت ہے کہ بعد ازاں درج اغراض کے لئے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین میں مزید ترمیم کی جائے۔ لہٰذا بذریعہ ہذا حسب ذیل قانون وضع کیا جاتا ہے۔ مختصر عنوان اور آغاز نفاذ یہ ایکٹ آئین (ترمیم دوم) ایکٹ 1974ء کہلائے گا۔ یہ فی الفور نافذ العمل ہو گا۔ آئین کی دفعہ 106 میں ترمیم۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین میں جسے بعد ازاں آئین کہا جائے گا۔ دفعہ 106 کی شق 3 میں لفظ اشخاص کے بعد الفاظ اور قوسین اور قادیانی یا لاہوری جماعت کے اشخاص (جو اپنے آپ کو احمدی کہلاتے ہیں) درج کئے جائیں گے۔ آئین کی دفعہ 360 میں ترمیم۔

آئین کی دفعہ 360 میں شق نمبر2 کے بعد حسب ذیل نئی شقیں درج کی جائیں گی۔ نمبر3 جو شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو آخری نبی ہیں' کے خاتم النبیین ہونے پر قطعی اور غیر مشروط طور پر ایمان نہیں رکھتا جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی بھی مفہوم یا کسی بھی قسم کا نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے یا جو کسی ایسے مدعی کو نبی یا دینی مصلح تصور کرتا ہے وہ آئین یا قانون کی اغراض کے لحاظ سے مسلمان نہیں ہیں۔

بیان و اغراض

جیسا کہ تمام ایوان کی خصوصی کمیٹی کی سفارشوں کے مطابق قومی اسمبلی میں طے پایا ہے کہ اس بل کا مقصد اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین میں اس طرح ترمیم کرنا ہے تاکہ ہر شخص جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے قطعی اور غیر مشروط طور پر ایمان نہیں رکھتا یا حضرت محمد ﷺ کے بعد نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے یا جو کسی ایسے مدعی کو نبی یا دینی مصلح تسلیم کرتا ہے اسے غیر مسلم قرار دیا جائے۔

عبدالحفیظ پیرزادہ
وزیر انچارج

دوم ---- ختم نبوت کی تحریک پاکستان میں کامیاب ہوئی تو پوری دنیا پر قادیانیوں کا کفر و نفاق واضح ہو گیا اور دنیا کے بعید ترین ممالک کے مسلمان بھی قادیانیوں کے بد ترین کفر سے واقف ہو گئے۔

سوم ---- بہاولپور سے ماریشس تک بہت سی عدالتوں نے قادیانیوں کو غیر مسلم حیثیت کی بنا پر فیصلے دیئے۔

چہارم ---- "مجلس تحفظ ختم نبوت" کی تحریک نے نہ صرف پاکستان کو بلکہ دیگر اسلامی ممالک کو قادیانیوں کے غلبہ و تسلط سے محفوظ کر دیا اور تمام دنیا کے مسلمان قادیانیوں کو ایک سازشی اور مرتد ٹولہ سمجھ کر ان سے محتاط اور رچوکنا رہنے لگے۔

پنجم ---- بے شمار لوگ جو قادیانیوں کے دام ہمرنگ زمین کا شکار ہو کر مرتد ہو گئے تھے۔ جب ان پر قادیانیت کا کفر کھل گیا تو وہ قادیانیت کو چھوڑ کر دوبارہ دامن اسلام سے وابستہ ہو گئے۔

ششم ---- ایک وقت تھا کہ مسلمانوں کا ملازم پیشہ نوجوان طبقہ قادیانیوں سے بے حد مرعوب تھا۔ چونکہ قادیانی پاکستان میں اعلیٰ مناصب پر قابض تھے۔ اس لئے وہ ایک طرف اپنے ماتحت عملے میں قادیانیت کی تبلیغ کرتے اور دوسری طرف اچھے مناصب کے لئے صرف قادیانیوں کا انتخاب کرتے۔ اس سے مسلمانوں کے نوجوان طبقہ کی صریح حق تلفی ہوتی تھی۔ اور بہت سے نوجوان اچھی ملازمت کے لالچ میں قادیانی مذہب کے ہمنوا ہو جاتے تھے۔ اب اگرچہ کلیدی آسامیوں پر بہت سے قادیانی فائز ہیں اور ملازمتوں میں ان کا حصہ مسلمانوں کی نسبت اب بھی زیادہ ہے۔ مگر اب قادیانیوں کے سامنے مسلمان نوجوانوں کا احساس کمتری ختم ہو رہا ہے اور نوجوانوں کی طرف سے مطالبے ہو رہے ہیں کہ قادیانیوں کو ان کی حصہ رسدی سے زیادہ ادارے میں نشستیں نہ دی جائیں۔

ہفتم ---- قیام پاکستان سے 1974ء تک "ربوہ" مسلمانوں کے لئے ایک ممنوعہ قصبہ تھا وہاں مسلمانوں کے داخلے کی اجازت نہیں تھی۔ حتیٰ کہ ریلوے اور ڈاکخانہ کے سرکاری ملازموں کے لئے قادیانی ہونے کی شرط تھی۔ لیکن اب "ربوہ" کی سنگینی ٹوٹ چکی ہے وہاں اکثر سرکاری ملازم مسلمان ہیں۔ دو سال سے مسلمانوں کی نماز باجماعت بھی ہوتی ہے اور "مجلس تحفظ ختم نبوت" کا مبلغ نماز جمعہ پڑھا رہا ہے۔

☆ ---- قادیانی اپنے مردوں کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنے پر اصرار کرتے تھے لیکن اب مسلمانوں کے قبرستان میں ان کا دفن کیا جانا ممنوع ہے۔

☆ ---- پاسپورٹ، شناختی کارڈ، اور فوجی ملازمتوں کے فارموں میں قادیانیوں کو اپنے مذہب کی تصریح کرنا پڑتی ہے۔

☆ ---- پاکستان میں ختم نبوت کے خلاف کہنا یا لکھنا قابل تعزیر جرم قرار دیا جا چکا ہے۔

☆ ---- سعودی عرب، لیبیا اور بعض دیگر اسلامی ممالک میں قادیانیوں کا داخلہ ممنوع ہے اور انہیں

"اسلام کے جاسوس" قرار دیا جاچکا ہے۔

☆ ------ مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کے خلاف لب کشائی کی پاکستان میں اجازت نہیں تھی مگر اب صورت حال تبدیل ہو چکی ہے۔

☆ ------ قادیانی جو بیرون ممالک میں یہ پروپیگنڈہ کیا کرتے تھے کہ پاکستان میں قادیانیوں کی حکومت ہے اور ہمارا دارالخلافہ "ربوہ" ہے وہ اس جھوٹ پر نہ صرف پوری دنیا میں ذلیل ہو چکے ہیں۔ بلکہ خدا کی زمین اپنی فراخی کے باوجود ان پر تنگ ہو رہی ہے۔

اس مرحلہ پر جماعت ہی کی روئیداد کے حوالہ سے "جماعت کے 5 نکاتی منصوبہ" کو بھی نقل کی جارہا ہے جو اس اعتبار سے بھی ضروری ہے کہ قادیانیوں کے غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے کے بعد جو تاثر ابھرا کہ اب مجلس کے وجود کی ضرورت نہیں' اس کی اصلیت سامنے آتی ہے اور اس فیصلہ کے بعد امت کی جو ذمہ داریاں بڑھ گئی ہیں ان پر روشنی پڑتی ہے۔

اس تحریر میں جماعت کی بعض محاذوں پر کارکردگی اور بعض عزائم اور منصوبوں کا بھی تذکرہ ہے جس کی روشنی میں جماعتی اکابرو احباب اپنا محاسبہ کرسکتے ہیں تو دوسرے مسلمان بھی سوچ سکتے ہیں کہ اس اہم مشن کے لئے ان کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟

پانچ نکاتی فارمولا

"بہت سے لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ پاکستان میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دے دیا گیا۔ لہذا ختم نبوت کا مشن اب ختم ہو چکا... لیکن یہ غلط فہمی ہے۔ جماعت ختم نبوت کا مشن ختم نہیں ہوا۔ بلکہ اس کے دائرہ کار اور اس کی ذمہ داریوں میں کئی گنا اضافہ ہو گیا ہے اب تک جماعت کی بیشتر توجہ اندرون ملک قادیانیوں کے رد و تعاقب کی طرف تھی۔ مگر ستمبر 74ء کے بعد پوری دنیا جماعت ختم نبوت کی دعوت و تبلیغ کا میدان بن چکا ہے۔ جہاں جہاں قادیانی پہنچے ہیں' وہاں وہاں سے جماعت کے امیر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری مدظلہ 'کو تقاضوں پر تقاضے آرہے ہیں 'کہ یہاں ختم نبوت کے کام کی ضرورت ہے۔ اس لئے 74ء سے پہلے اگر جماعت کو بیسیوں کارکنوں کی ضرورت تھے تو اب سینکڑوں کی نہیں بلکہ ہزاروں کی ضرورت ہے پہلے اگر اس کا کام ہزاروں میں چل سکتا تھا تو اب لاکھوں کا نہیں بلکہ کروڑوں روپے کا نقشہ سامنے آتا ہے۔ بہر حال پہلے بھی خدا کے بھروسے یہ جماعت چل رہی اور آئندہ بھی اس کا یہی سہارا ہے۔ تاہم مسلمانوں کے سامنے جماعت کے نئے مسائل اور نئے تقاضوں کا پیش کرنا بھی ضروری ہے۔

1۔ جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے۔ ختم نبوت کی تحریک پوری دنیا میں پھیل چکی ہے اور کم و بیش ہر جگہ قادیانیوں سے وہی معرکہ سرگرم ہے جو یہاں ہمارے ملک میں رہا' اس لئے فوری ضرورت اس امر کی ہے کہ ساری دنیا کے ممالک میں اور بالخصوص ان ممالک میں جہاں قادیانیوں کا زیادہ تسلط ہے ختم نبوت کے

مضبوط مرکز قائم کئے جائیں اور چونکہ باہر کی دنیا قادیانیوں کی کتابوں سے واقف نہیں اس لئے ضرورت ہے کہ یہاں سے کثیر تعداد میں مبلغ بھیجے جائیں اور ان کے ساتھ ضروری لٹریچر بھی دیا جائے۔ چنانچہ نئے مبلغین کی تعلیم و تربیت کے منصوبہ کا اعلان کیا جا چکا ہے۔ شوال 1396ھ سے اعلیٰ استعداد کے حامل پندرہ حضرات کا داخلہ لیا جائے گا اور انہیں قادیانیت کی مکمل تعلیم دے کر ختم نبوت کی تبلیغ کے لئے وقف کیا جائے گا۔

2۔ اس طرح یہ امر بھی فوری طور پر توجہ طلب ہے کہ اردو' عربی' انگریزی' فارسی' فرانسیسی اور افریقی و ایشیائی ممالک کی معروف زبانوں میں۔۔۔ خصوصاً ان ممالک کی زبانوں میں جہاں قادیانی ہیں۔ رد قادیانیت پر لٹریچر تیار کر کے شائع کیا جائے یہ لاکھوں روپے کا منصوبہ ہے ابتدائی قدم کے طور پر جماعت نے توکلاً علی اللہ 1974ء میں تقریباً ستر ہزار روپے کا اشاعتی لٹریچر شائع کر کے اندرون و بیرون ملک تقسیم کیا۔ جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

1۔ اشد العذاب علی مسیلمۃ البنجاب	(ایک ہزار)
2۔ قادیانیوں سے ستر سوالات	(دو ہزار)
3۔ ملت اسلامیہ کا موقف (عربی ایڈیشن)	(دو ہزار)
4۔ ربوہ سے تل ابیب تک	(پانچ ہزار)
5۔ پیام اقبال	(تین ہزار)
6۔ فتح قادیاں کا مکمل نقشہ جنگ	(دو ہزار)
7۔ صحیفۃ الحق	(ایک ہزار)
8۔ مرزائیوں کے گلے میں لعنت کا طوق	(تین ہزار)
9۔ الابطال الاستدلال الدجال	(دو ہزار)
10۔ صحیفہ آسمانی بر طائفہ قادیانی	(ایک ہزار)
11۔ قادیاں میں قیامت خیز بھونچال	(دو ہزار)
12۔ قادیانیوں کو دعوت اسلام	(پانچ ہزار)
13۔ مرزائی اور تعمیر مسجد	(ایک ہزار)
14۔ مرزائی اسرائیلی فوج میں	(پانچ ہزار)
15۔ "ملت اسلامیہ کا موقف" (انگریزی ایڈیشن)	(دو ہزار)

3۔ ایک اہم ترین ضروری بات یہ ہے کہ بیرونی ممالک سے ذہین و فطین نوجوانوں کو پاکستان لایا جائے۔ اور انہیں قادیانیت سے متعلق تعلیم دے کر ان ممالک میں تبلیغ ختم نبوت کا کام ان کے سپرد کیا

جائے۔ اس مقصد کے لئے ملتان میں ایک عالمی مرکز تبلیغ زیر تعمیر ہے۔ جس کے لئے قریباً 53 مرلے کا قطعہ اراضی حضوری باغ روڈ ملتان پر خرید کیا جا چکا ہے اس کی سہ منزلہ عمارت کا نقشہ بھی منظور ہو چکا ہے۔ جس میں ایک عالی شان مسجد، عظیم الشان لائبریری، دار المبلغین، دار الضیوف، پریس، دار المطالعہ وغیرہ کا نہایت عمدہ انتظام ہو گا۔ اس منصوبے کی لاگت کا ابتدائی تخمینہ 35 لاکھ روپے ہے۔ مسجد کی تعمیر "توکلاً علی اللہ" شروع کر دی گئی ہے جس پر ڈیڑھ لاکھ روپیہ صرف کیا جا چکا ہے۔

4۔ پاکستان میں قادیانیوں کی سازشی سرگرمیاں ختم نہیں ہوئیں۔ بلکہ اور زیادہ گہری ہو گئی ہیں۔ اس جماعت کی مجلس شوریٰ نے فیصلہ کیا کہ لاہور، اسلام آباد اور بالخصوص ربوہ میں ختم نبوت کے مراکز تعمیر کئے جائیں، جو جامع مسجد، ختم نبوت لائبریری اور ختم نبوت درسگاہ، دار المبلغین اور دار الضیوف پر مشتمل ہوں۔ بحمد اللہ "ختم نبوت مشن ربوہ" کے لئے 9 کنال اراضی کا وسیع قطعہ حاصل کر لیا گیا اور تعمیرات کا ابتدائی کام بھی شروع کر دیا گیا ہے۔ مجلس "تحفظ ختم نبوت" کے صدر المبلغین حضرت مولانا محمد حیات "فاتح قادیاں ربوہ" میں فروکش ہو گئے ہیں۔ شوال المکرم سے مبلغین کا تربیتی کورس انشاء اللہ "ختم نبوت مشن ربوہ" میں شروع ہو گا۔

5۔ ختم نبوت کے کارکنوں کے درمیان عالمی سطح پر مواصلاتی روابط و تعلقات کو مزید منظم کرنے کی فوری ضرورت ہے تاکہ کسی ملک اور کسی خطے میں قادیانیوں کی ارتدادی و سازشی سرگرمیوں کا سراغ ملے تو اس کا ریکارڈ مرتب کیا جا سکے۔

حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے لئے 1390ھ کا سال اس اعتبار سے بڑا پریشان کن تھا کہ اس میں حضرت مولانا محمد ابراہیم میاں چنوں، حضرت مولانا محمد انوری فیصل آباد اور مولانا مفتی محمد نعیم لدھیانوی رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے ارباب باطن اور مجاہدین حریت کے ساتھ مولانا کے مشفق و مہربان استاد مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ تعالیٰ بھی وفات پا گئے۔ مولانا پر ان بزرگوں کے سانحہ ارتحال کا بڑا اثر تھا ادھر سیاسی محاذ پر ملک میں موجود محاذ آرائی اور سب سے بڑھ کر سیاسی محاذ پر علماء کے باہمی انتشار سے وہ انتہائی پریشان تھے، اس کے باوجود برابر مصروف عمل رہے اور تین سال کی مدت پوری ہو جانے کے بعد چنیوٹ کی کانفرنس کے موقعہ پر اجلاس طلب کر کے نئے مرکزی انتخاب کا فیصلہ کر چکے تھے۔

مولانا کی آخری شوریٰ

اس انتخاب میں احباب نے ایک بار پھر امارت کا بوجھ آپ کے کندھوں پر ڈال دیا، آپ نے جن حضرات کو اپنی مجلس شوریٰ کا رکن نامزد کیا ان کے اسماء گرامی اس لئے درج کئے جا رہے ہیں کہ آپ کی آخری شوریٰ اور آپ کے حسن انتخاب کا اندازہ ہو سکے۔

1۔ حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری صاحب مدظلہ

2۔ حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب جامعہ رشیدیہ ساہیوال
3۔ حضرت مولانا سراج الدین صاحب ڈیرہ اسماعیل خان
4۔ حضرت مولانا عبدالوحید صاحب ڈھڈیاں سرگودھا
5۔ حضرت مولانا فضل احمد صاحب تلہ گنگ
6۔ حضرت مولانا حافظ محمد رمضان علوی صاحب راولپنڈی
7۔ حضرت مولانا لال حسین اختر صاحب ملتان
8۔ حضرت مولانا نذیر حسین صاحب پنوں عاقل سندھ
9۔ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب میانوی
10۔ حضرت مولانا غلام احمد صاحب احمد پور شرقیہ
11۔ حضرت مولانا قاضی عبداللطیف صاحب شجاع آباد (1)

سانحہ ارتحال

اس پہلی مجلس شوریٰ کا اجلاس آپ نے 2 ربیع الاول 1391ھ کو ملتان میں طلب فرمایا لیکن 10 صفر 1391ھ کو سلانوالی ضلع سرگودھا میں دل کے دورہ کے سبب 26 صفر کو دفتر ملتان میں انتقال فرما گئے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ اس طرح یہ اجلاس اس طرح ہوا کہ امیر مجلس موجود نہ تھے اور اس میں مولانا لال حسین اختر کو امیر منتخب کیا گیا جنہوں نے اس شوریٰ کو جوں کا توں باقی رکھا۔

اسی تاریخ کو قلعہ قاسم ملتان میں آپ کا جنازہ ہوا جو حضرت امیر شریعت کے بعد ملتان کی تاریخ کا سب سے بڑا جنازہ تھا۔ حضرت اقدس رائے پوری قدس اللہ سرہ العزیز کے خلیفہ ارشد مولانا عبدالعزیز آف ساہیوال نے جنازہ پڑھایا اور مدرسہ خیر المدارس ملتان کی دارالحدیث سے متصل استاذ المحترم مولانا خیر محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ کے پہلو میں آپ کو دفن کیا گیا۔

جیسا کہ آپ معلوم کر چکے ہیں کہ آپ کا آخری سفر سلانوالی کا تھا جہاں مدرسہ حسینیہ کا جلسہ تھا جس کے کرتا دھرتا حضرت مدنی قدس سرہ کے خادم حکیم شریف الدین مرحوم تھے تو اس مدرسہ کے خدام میں معروف احراری کارکن مولانا سید فضل الرحمٰن شاہ احرار بھی شامل تھے۔ مجلس کے مبلغ برائے سرگودھا برادرم مولانا عزیز الرحمٰن خورشید ہمراہ تھے، دل کی تکلیف کے سبب بذریعہ فیصل آباد ملتان لے جایا گیا 14 دن کی علالت کے بعد اس مرد حق آگاہ نے مجلس کے دفتر میں جان جاں آفریں کے سپرد کی۔

---

(۱) ان میں سے ۱، ۲، ۵، ۶، ۷، ۸، اور ۹ نمبرات پر مندرجہ حضرات اپنے امیر و امام کی طرح اللہ تعالیٰ کے حضور جا چکے ہیں۔ رحمہم اللہ تعالیٰ (علوی)

آخری علالت

مولانا کے منجھلے صاحبزادے برادرم مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری کے بقول

"سلانوالی سے واپسی پر مسلسل دفتر ہی میں رہے۔ نشتر ہسپتال کے ڈاکٹر مختار احمد صاحب ہسپتال لے جانا چاہتے تھے لیکن مولانا نہ مانے' ڈاکٹر سیال صاحب کا علاج رہا اور ان کے ایک کمپاؤنڈر مسلسل وہاں رہے۔

ڈاکٹر حضرات کی ہدایات کے علی الرغم جماعتی کاموں میں مشغول رہے' خطوط اور فون کے ذریعے احباب سے رابطہ رکھا۔

وفات سے قبل بٹیرے کا شوربہ اور دلیہ برائے نام کھایا' اپنے کپڑے خود درست کئے مکہ معظمہ کا ایک رومال تکیے پر بچھایا۔ مولوی عزیز صاحب خود مولانا کی خواہش سے گھر گئے کہ کھانا کھالیں لیکن خود واپس بلالیا' اچانک تکلیف ہوئی ڈاکٹر رشید بھاگے بھاگے آئے لیکن دوا بھی نہ کھا سکے "رب حزن عظیم" کا جملہ پڑھا مولانا لال حسین اختر نے کلمہ شہادت پڑھا اور اس طرح آناً فاناً روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ بالکل آخری وقت میں نظر برابر آسمان کی طرف تھی' پسینہ بہت تھا مولانا لال حسین کے بقول آسمان سے نزول ملائکہ کا منظر دیکھنے کے لئے آپ کی نظر آسمان پر جم گئی لیکن وفات ہوتے ہی چہرہ خود بخود قبلہ رو ہو گیا۔

صاحبزادہ گرامی مولانا عزیز نے دوسرے رفقاء سمیت غسل دیا۔۔۔۔ حضرت رائے پوری قدس سرہ کا ایک کرتہ آپ کے پاس تھا جو حضرت نے عطا فرمایا تھا ایک مرتبہ وہ سفر سندھ میں گم ہو گیا لیکن قدرت الٰہی سے مل گیا۔ سفر بنگال میں یعقوب باوا صاحب کو بتلا دیا کہ میری موت ہو جائے تو اس کرتہ کو کفن میں شامل کرلیں' بنگال سے واپسی پر اسے آبائی گھر محفوظ کر دیا' لیکن وفات سے ایک ماہ قبل ملتان منگوا لیا اس کو کفن کے ساتھ سی دیا گیا' بعض جسے مولانا عبداللہ آف ساہیوال لے گئے کفن کے لئے باقی کپڑا استاذ محترم مولانا خیر محمد کی اہلیہ نے بھیجا جو آب زم زم میں بھیگا ہوا تھا۔

وفات ہوتے ہی سارے ملک میں اطلاعات کا سلسلہ شروع ہو گیا' مفتی محمود صاحب کو فوراً اطلاع دی گئی جن کا فوری تاثر یہ تھا کہ

"مجلس ہی نہیں' ملک کے دینی ادارے بلکہ عالم اسلام یتیم ہو گیا"

تدفین کا مسئلہ

آپ کے فرزند نسبتی استاذ محترم مولانا محمد صدیق استاذ حدیث مدرسہ خیر المدارس فرماتے ہیں کہ

"وفات سے کچھ دن قبل مدرسہ تشریف لائے استاذ محترم مولانا خیر محمد کی قبر پر حاضری دی پھر

فرمانے لگے کہ قبر کہیں بھی بن جائے کوئی حرج نہیں لیکن یہ خواہش ضرور ہے کہ ایسی جگہ بنے جہاں کوئی فاتحہ پڑھ دے "آخر انسان ہوں گنہگار اور ضرورت مند"

چنانچہ مولانا کے انتقال کی خبر ملتے ہی مولانا محمد صدیق نے مدرسہ کے مفتی مولانا عبدالستار اور دوسرے اساتذہ کی تائید سے حضرت الاستاذ کے فرزند گرامی مولانا حافظ رشید احمد سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ مولانا کی قبر حضرت الاستاد کے ساتھ بن جائے۔ وہ مان گئے ادھر مولانا لال حسین، مولانا عبدالرحیم اشعر اور مولانا عزیزالرحمٰن وفد کی شکل میں مدرسہ آئے اور یوں قبر کا مسئلہ حل ہو گیا۔ مولانا محمد صدیق ہی کی روایت ہے کہ حضرت الاستاذ مولانا خیر محمد کے انتقال کے بعد ایک دن فرمایا کہ حضرت الاستاذ نے خواب میں زیادت کرائی اور فرمایا کہ یہ میری بچی ہے، اس سے نکاح کر لو---- تعبیر کے مسئلہ میں پریشان تھے--- آخر ان کے پہلو میں قبر سے تعبیر سامنے آگئی۔

مولانا محمد صدیق بتلاتے ہیں کہ مولانا خیر محمد کے انتقال کے بعد تیزی سے معاملات کو سمیٹنا شروع کر دیا جیسے انہیں اپنے وقت موعود کا احساس ہو چکا تھا۔ چنانچہ 6 ماہ بعد یہ سانحہ پیش آگیا۔ مولانا مرحوم کا سانحہ ارتحال معمولی واقعہ نہ تھا قاسم باغ کے وسیع پارک کا عظیم جنازہ ان کی عظمت کی گواہی دے رہا تھا۔ حضرت امام اہل سنت احمد بن حنبل قدس اللہ سرہ العزیز نے اہل حدیث کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ---- "ہمارا تمہارا فیصلہ جنازوں سے ہو گا"

ملک کا پریس، مشائخ، علماء، اہل مدارس، اور مسلمانوں کے ہر طبقہ کے افراد نے ان کی وفات کے صدمہ کو شدت سے محسوس کیا بعض جرائد نے جو لکھا وہ پیش خدمت ہے تاکہ مولانا کی عظمت کا اندازہ ہو سکے۔

اس کے بعد چند خطوط کے اقتباسات پیش کئے جائیں گے۔ گویا "در حدیث دیگراں" کے حوالے سے آپ کے سامنے ان کی تصویر پیش کر رہا ہوں۔

حضرت الامام مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی یادگار "ہفت روزہ خدام الدین لاہور" کی اشاعت 19 مئی 1972ء میں ایک طویل مضمون چھپا۔ اس کا ایک اقتباس ہے

"آپ علماء حق کے اس گروہ سے تعلق رکھتے تھے جنہوں نے اپنی تمام صلاحیتیں اعلیٰ مقصد اور نیک مشن کے لئے وقف کر دیں اور اپنے مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ہر مصیبت کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا حتیٰ کہ دار و رسن کو بھی چوم لیا آپ نے جس بے جگری اور دلیری کے ساتھ فرنگی اور اس کے خود کاشتہ پودے کا مقابلہ کیا وہ تاریخ میں سنہری حروف سے لکھا جائے گا، فی الحقیقت آپ کی زندگی دعوت و عزیمت کا تابناک باب ہے اور یہ مقام ہر کسی کو میسر نہیں آتا۔"

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا ٭ ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں (صفحہ 7)

مولانا قدس اللہ سرہٗ العزیز کے زندگی کے ساتھی، مجلس احرار اسلام کے تقسیم ملک سے قبل نائب صدر، امیر شریعت قدس اللہ سرہ العزیز کے بھائی "غلام غوث" مولانا احمد علی رحمتہ اللہ تعالیٰ کے معتمد، بہت سے بونوں کو خاک فرش سے اٹھا کر اوج ثریا تک پہنچانے والے مخلص عالم وانسان اور دور آخر میں اپنوں کے ستم کا نشانہ بننے والے مظلوم لیکن راضی بہ قضا۔ مولانا غلام غوث ہزاروی نے ہفت روزہ ترجمان اسلام لاہور کی اشاعت 30 اپریل 71ء میں جو اداریہ سپرد قلم کیا وہ جوں کا توں نقل ہے۔ یہ اداریہ ایک تاریخ ہے، ایک مرثیہ ہے، ایک پیغام ہے۔ ٦

"آہ مولانا محمد علی جالندھری"

اس دنیا میں کسی کو دوام و بقا حاصل نہیں ہے، جو آیا اس کو جانا ہے کامیاب وہ ہے جس نے حیات مستعار کو مقصد حیات اور رضاالٰہی میں خرچ کر ڈالا جس نے اعلاء کلمتہ اللہ کے لئے تگ و دو کی جس نے اسلام کی سربلندی کے لئے کوششیں کیں، جس نے کفر کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ جس نے منکرین اسلام سے جنگ کی۔ جو دین کو بچانے کے لئے ملحدین و مرتدین کے سامنے سینہ سپر ہوا حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری ان گنے چنے بزرگوں میں سے تھے جنہوں نے مسئلہ ختم نبوت کی حفاظت کو زندگی کا مقصد بنالیا تھا جنہوں نے اس سلسلہ میں فی سبیل اللہ جدوجہد کی اور بیت المال قائم کیا جنہوں نے ختم نبوت کے لئے ملتان میں دفتر ختم نبوت کے نام سے عالیشان بلڈنگ تعمیر کردی۔ جنہوں نے دیہات تک میں فتنہ ارتداد کی مسلسل سرکوبی کی اور تبلیغ کا میدان سرگرم رکھا۔ جنہوں نے تمام نئے اور پرانے مخلص و مبلغین اسلام کو جوڑے رکھا۔ لوگوں نے ان کی دیانت و امانت میں بھی کیڑے نکالے۔ مگر آج مولانا محمد علی ہم میں موجود نہیں ہیں اور ہم اس کی جگہ ان جیسا دیانتدار، امانت دار اور قابل اعتبار عالم و مبلغ نہیں پیدا کر سکتے نہ کسی سے پاسکتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد علی صاحب عارضہ قلب سے رحلت فرما گئے اناللہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت مولانا کی وفات مجھ جیسوں کے لئے بھی پیغام سفر ہے۔ مولانا عمر میں مجھ سے کم تھے مگر اس لعل بے بہا کو حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی رحمتہ اللہ علیہ نے حاصل کیا اور ان کی جوہر وار شمشیر تبلیغ کو بروئے کار لا کر کفر و ارتداد کے راستے بند کر دیئے۔ مولانا مرحوم نے مجلس احرار اسلام میں فرنگی استبداد کے خلاف عرصہ تک جہاد کیا۔ آخر کار حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ کے دست راست بن کر تحفظ مسئلہ ختم نبوت کے لئے وقف ہو گئے۔ اور ان کے وصال کے بعد ان کی جانشینی

---

(۱) حضرت مولانا ہزاروی قدس سرہ العزیز کی بعض یادداشتیں احقر کے پاس محفوظ ہیں۔ مولانا کی سیرت و سوانح لکھنے کا عزم رکھتا ہوں دیکھیں ایسا کب ہوگا اللھم وفقنا لما تحب و ترضیٰ (علوی)

کا حق ادا کیا (فجزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء) آپ کا روحانی تعلق حضرت شاہ عبد القادر صاحب رائے پوری قدس سرہ سے تھا۔ آپ مجلس احرار اسلام کے دوسرے درجہ کے بزرگوں میں سے تھے۔ احرار اسلام کے صف اوّل کے رہنماؤں میں سے پہلے چودھری افضل حق صاحبؒ رخصت ہوئے۔ پھر حضرت مولانا

حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ داغ مفارقت دے گئے۔ آخر کار امیر شریعت بخاری شاہؒ کا وصال ہو گیا۔ جس سے مجلس احرار اسلام کے اندر سے گویا روح نکل گئی۔ ان کے بعد محترم شیخ حسام الدین صاحبؒ رونق بزم احرار بنے آخر وہ بھی راہی بقاء ہو گئے پھر ایک ٹمٹاتا چراغ سحری محترم ماسٹر تاج الدین صاحب تھے جن کو مل کر یا دیکھ کر تسلی کر لی جاتی تھی۔ وہ بھی اپنے رب کو پیارے ہو گئے اور اس طرح مجلس احرار اسلام کے صف اوّل کے عظیم رہنما اپنا فرض ادا کر کے عالم جاودانی کو رخصت ہو گئے۔

صف دوم کے اکابر علماء میں سے محترم قاضی احسان احمد صاحب شجاع آبادیؒ نے نقل مکانی میں پہل کی اور اب مولانا محمد علی صاحبؒ جالندھری ان کے پیچھے چل دیئے۔ اس طرح یہ مجاہدوں، مبلغوں، حق و صداقت کے علمبرداروں کا قافلہ خیر و خوبی سے سفر ختم کر کے آخری منزل کو پہنچ گیا۔ اللہ تعالیٰ ان سب پر ہزاروں رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین

دنیا کا مسلّمہ آئین ہے کہ یہاں نہ فرد کو دوام ہے نہ جماعت کو مجلس احرار اسلام اپنے وقت میں اپنا کام پورا کر چکی ہے۔ اب نئے حالات کی ذمہ داری نئے ذمہ داروں پر ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو گزرے ہوئے بزرگوں کے نقش اقدام پر چلنے کی توفیق دے اور ہم کو ایمان کے ساتھ ان سے ملا دے۔

غم زدہ غلام غوث ہزاروی

ناظم جمعیت علماء اسلام مغربی پاکستان، ایم این اے

○ ہفت روزہ ترجمان اسلام کی اشاعت 14 مئی 71ء میں آج کے تباہ حال جھنگ کے نامور اور مخلص صحافی جناب بلال زبیری مرحوم کا ایک مقالہ چھپا اس کے چند اقتباس ملاحظہ فرمائیں

میری مولانا مرحوم سے نیاز مندی کا آغاز 1942ء میں ہوا جبکہ میں سیاست کی دنیا میں ابھی طفل مکتب تھا بلکہ گھٹنوں چلنا سیکھ رہا تھا۔ مرحوم مجلس احرار اسلام پنجاب کے صدر رہتے اور ایک تبلیغی جلسہ میں ان کی تقریر سننے کا اتفاق ہوا میں نے اپنے چھوٹے سے دماغ میں ان کی باتیں محفوظ کر لیں۔

حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی ایک دفعہ جھنگ تشریف لائے تو ان کی پیشوائی کے لئے میں بھی حاضر تھا۔ ان بزرگوں کی چند لمحہ مجلس نے مجھے سیاست کی وادی میں لا کھڑا کیا اور پھر انہی بزرگوں کے ساتھ زندگی کا ایک طویل حصہ بسر ہوا۔

مولانا محمد علی مرحوم، ماسٹر تاج الدین مرحوم اور مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی کو میں ایک ہی درجہ کے بزرگ سمجھتا ہوں اور اس کی وجہ ان تینوں کی سادگی، درویشی اور فاقہ مستی ہے۔ گو اکابر مجلس

احرار تمام کے تمام درویش تھے لیکن ان تینوں میں یہ قدر مشترک تھی۔ میں نے ان تینوں کو خلوت و جلوت میں یکساں دیکھا۔ مولانا غلام غوث صاحب کا مزاج جلالی ہے۔ مگر ان دونوں کا مزاج جمالی تھا۔

عقیدہ ختم نبوت کی حفاظت مولانا مرحوم کی زندگی کا منشور بن چکا تھا۔ عملی 'سیاسی اور دینی محاذوں پر انہوں نے قادیانیت کا موثر تعاقب کر کے ملت اسلامیہ پر جو احسان کیا وہ ہماری ملی تاریخ کا سنہرا باب ہے۔

مولانا محمد علی جالندھری جیسا انتھک معتدل مزاج اور صاحب بصیرت دینی حلقوں میں شاید ہی کوئی فرد ہو۔ مرحوم کی لگن کا یہ عالم تھا کسی جماعت کو جلسہ کا پروگرام دینے کے بعد حالات خواہ کیسے ہی کیوں نہ ہوتے ہر قیمت پہنچنے کی کوشش کرتے تھے۔ راقم الحروف نے متعدد جلسوں میں ان کے ہمراہ شمولیت کی۔ پیدل بھی پانچ دس میل سفر کرنا پڑا تو گریز نہیں کیا۔ سائیکل مل گیا تو اس پر سوار ہو گئے۔ جو بھی ذریعہ میسر آیا اختیار کیا۔ کھانے پینے میں بھی بڑی احتیاط کرتے تھے۔ سادہ غذا پسند کرتے' سادہ لباس پہنتے' عام طور پر خالص پنجابی زبان کو ذریعہ اظہار بناتے۔ عام فہم مثالیں دے کر مسائل کی ماہیت لوگوں کو سمجھاتے۔ اور علماء کی مجلس میں بیٹھتے تو نکتہ آفرینی ان کا ذوق ہوتا۔ نہایت مخلص اور سچے انسان تھے علماء دیوبند کے مسلک اور عمومی زندگی کا نمونہ تھے۔ ان کی بے وقت اور اچانک موت نے جو خلا پیدا کیا ہے اس کا پورا ہونا بظاہر ممکن نظر نہیں آتا۔ کیونکہ جو شخصیت بھی اس جہان سے اٹھی وہ خلا چھوڑ گئی۔ مولانا حسین احمد مدنیؒ مولانا ابوالکلام آزادؒ مفتی کفایت اللہؒ مولانا احمد سعیدؒ مولانا احمد علیؒ مولانا حسرت موہانیؒ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ مولانا خیر محمدؒ مولانا قاضی احسان احمد رحمہم اللہ علیہ کے جانے کے بعد ان جیسا پھر امت نے پیدا نہیں کیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

○ کلاچی ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کے معروف علمی خاندان کے گوہر شب چراغ اور پختہ کار عالم دین مولانا قاضی عبدالکریم زید مجدہم کا ایک مقالہ ہفت روزہ ترجمان اسلام لاہور کی دو اشاعتوں 28 مئی اور 4 جون 1971ء میں چھپا۔ میرے نزدیک یہ مقالہ ایسا ہے کہ اسے من و عن نقل کر کے محفوظ کر دینا بڑا ضروری ہے قاضی صاحب جیسے صاحب علم اور کہنہ مشق اہل قلم نے مولانا المرحوم کی حیات مبارکہ اور ان کی خصوصیات کو بڑی خوبصورتی سے سپرد قلم کیا ہے۔

جزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء عنی وعن سائر المسلمین

آہ مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ ؒ

قافلہ شد واپسی مانیں ۔۔۔ اے کس ما بے کسی مانیں

قافلہ چلا گیا ہماری قتل رحم واپسی کو دیکھئے

اے ہمارے دستگیر ہماری بے کسی پر رحم کیجئے

مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر مدرسہ عربی خیر المدارس جالندھر حال ملتان کے روح رواں پاکستان کی جنگ آزادی کے نڈر سپاہی سادگی کا عجیب مرقع اور خلوص و ایثار کی اپنی نظیر آپ' حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری رحمتہ اللہ علیہ کے سفر آخرت سے فدایان ختم نبوت علماء حق اور ملت پاکستانیہ کے لاکھوں مسلمانوں کو جو دھکا لگا ہے اس کے اثرات یقیناً عرصہ دراز تک محسوس ہوتے رہیں گے۔ دینی اسلامی عربی مدارس کے سالانہ جلسے سالہاسال تک آپ کے فقدان پر روتے رہیں گے۔ کفرو ارتداد' الحادو دہریت کے مقابلہ میں ملک کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے مبلغین اپنے آپ کو مدت تک بے یارو مددگار سمجھتے رہیں گے دین کی خدمت ہوتی رہے گی۔ دینی تعلیم کی اہمیت بیان کی جاتی رہے گی۔ کفرو ارتداد سے مقابلے اور مناظرے بھی ہوتے رہیں گے۔ الجھے ہوئے حالات میں بحث و تمحیص اور مشورے بھی لئے جاتے رہیں گے۔ مگر اندازہ یہ ہے کہ محمد علیؒ کو نہ پاکر ایک طویل مدت تک یہ سب خدام دین اداس رہیں گے اور انہیں بہت بڑی خلا محسوس ہوتی رہے گی اور بر زبان حال سب کہہ رہے ہوں گے۔

خالی ہے میکدہ خم و ساغر اداس ہیں
تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

امام العصر علامہ زمان حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمتہ اللہ علیہ کے وصال پر کہا جاتا ہے کہ جب احاطہ مولسری دارالعلوم دیوبند (زادہا غرآو شرقاً وودماً واستحکاماً) میں حضرتؒ کا جنازہ رکھا گیا اور طلباء بے اختیار رو رو کر نڈھال ہو رہے تھے تو سنا یوں ہے کہ شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہ نے درخت کا سہارا لیتے ہوئے طلباء سے فرمایا کم عقلو تم کیوں رو رہے ہو۔ تمہیں تو استاد مل جائیں گے۔ رونا علماء کو چاہیے جنہیں انور شاہ جیسا راہنما و مشکل کشا نہیں مل سکے گا۔

الحادو دہریت اور ارتداد و پرویزیت کے مقابلہ میں عوام میں کام کرنے والے علماء کی صف میں مولانا محمد علی جالندھری رحمتہ اللہ علیہ کی پوزیشن بھی کچھ اس ہی طرح کی تھی۔ عوام کو سمجھانے والے ایک حد تک مل جائیں گے لیکن خود اس قسم کے مبلغین کو افہام و تفہیم کے طور و طریق سمجھانے والا محمد علیؒ اب غالباً نہیں مل سکے گا۔ افہام و تفہیم کا جو سلیقہ اور ایک حد تک الہامی طریقہ حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم پر قدرت کی طرف سے القاء کیا گیا تھا۔ اس پر بڑے بڑے اکابر کو بھی رشک آتا تھا۔

۱۔ دارالعلوم نعمانیہ ڈیرہ اسماعیل خان میں ایک دفعہ مولانا مرحوم نے تقریر کرنی تھی۔ ماو شما کی بات نہیں حضرت مولانا عبدالحنان صاحب رحمتہ اللہ علیہ آل انڈیا جمعیتہ علماء ہند کے ناظم آخر جنہیں چالیس کروڑ کی آبادی میں دہلی عروس البلاد کے دفتر سے اکابر جمعیتہ علماء ہند نے کام پر متعین کیا تھا۔ ان کی شخصیت معمولی تو نہیں ہو سکتی تھی۔ لیکن راقم الحروف کا عینی مشاہدہ ہے کہ مولانا عبدالحنانؒ نے پوچھا

دیکھئے مولانا محمد علی صاحب کی تقریر شروع نہیں ہوئی جب انہیں علم ہوا کہ مولانا تقریر فرمارہے ہیں تو فوراً سامعین کی صف میں جاکر شریک ہوگئے اور بڑے ہی غور و خوض سے کان لگاکر آخر تک سنتے رہے۔

2۔ مولانا لطف اللہ صاحب جالندھری مرحوم کو ایک دفعہ بندہ نے ایک مجلس میں اپنے ساتھیوں سے یہ کہتے ہوئے سنا۔ بھائیو پرویز کا فتنہ بڑھ رہا ہے اب اس فتنہ کے مقابلہ میں ہمیں کام کرنا چاہیے۔ مولانا محمد علی صاحب سے فوری طور پر اس موضوع پر ایک دو تقریریں کرالینی چاہئیں تاکہ پورے ملک میں ہم انہیں پھیلادیں۔ اب ظاہر ہے مخلص کارکنوں کو جب بھی کسی فتنہ کی سرکوبی کے لئے کام کرنا ہوگا تو یقیناً انہیں مولانا محمد علی صاحب کے فقدان پر دو آنسو بہانے ہی پڑیں گے۔

ع اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخِ زیبا لے کر

3۔ ملک کے موجودہ ممتاز سیاسی راہنما جمعیۃ علماء اسلام کے ناظم عمومی اور مدرسہ قاسم العلوم ملتان کے شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مدظلہ نے پشاور میں ایک مجلس کے دوران کتنا صحیح فرمایا تھا کہ لوگ حضرت شاہ صاحب بخاری کو خطیب سمجھتے ہیں حالانکہ وہ سید ہیں۔ ہزاروں سے متجاوز مسلمانوں کے پیر ہیں۔ حسین اور خوبرو ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ لحن دواؤدی کے مالک ہیں۔ ان کی باتیں آخر کیوں نہیں سنی جائیں گی سیادت، جاذبیت پیری اور شخصیت موجب توجہ خلائق خوبروئی اور خوبصورتی میں کشش، غضب کی خوش آوازی دلوں کی مقناطیس۔ آپ نے فرمایا میں سمجھتا ہوں عہد حاضر کا سب سے بڑا خطیب مولانا محمد علی جالندھریؒ ہیں۔ آپ اپنے قول کے مطابق ایک کاشتکار کے بیٹے ہیں۔ پیر ہونے کا ان پر گمان تک نہیں کیا جاسکتا۔ شکل و صورت میں بلال ثانی۔ خوش آوازی کا ان کا حلق سے گزر تک نہیں ہوا۔ لمبی چوڑی تقریر میں بھی بہت ہی تھوڑا احادیث النبویہ اور آیات قرآنیہ کا حوالہ ملے گا شعر و اشعار کے نام سے بھی ناواقف ہیں۔ مگر نہ صرف عوام بلکہ خواص بھی نہ صرف علماء بلکہ تعلیم یافتہ بھی گھنٹوں تک آپ کی تقریر میں محو استماع رہیں گے۔ آپ نے فرمایا در حقیقت خطیب انہیں کہنا چاہیے۔

4۔ مدرسہ عالیہ معراج العلوم بنوں میں ایک دفعہ سالانہ جلسہ پر مولانا مرحوم نے رات کو نو بجے تقریر شروع کی اور ایک بجے ختم کی۔ مسلسل چار گھنٹے اللہ کا دین بیان کیا۔ چار موضوعات لئے اور ہر ایک پر گھنٹہ گھنٹہ تقریر فرمائی۔ ایک گھنٹہ تعلیم دین پر زور دیا۔ ایک گھنٹہ مرزائیت کے پرخچے اڑائے اور ایک گھنٹہ مودودیت کے بیان پر صرف فرمایا۔ مجمع ہمہ تن گوش بنا رہا اور مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اسٹیج پر بیٹھے ہوئے علماء کرام کی آنکھیں بار بار بے قابو ہوجاتی تھیں اور چشم اشک بار سے آپ کی فصاحت و بلاغت معنوی اثرات اور روحانی تاثرات پر داد و تحسین دے رہے تھے۔

5۔ اسی مجلس میں فرمایا تھا میری تقریر دو صورتوں میں بن جاتی ہے جب میں سفر پر جاتا ہوں اور

شاہ صاحب بخاریؒ کو حالات کے ناسازگار ہونے کی وجہ سے میری فکر ہو۔ایسی صورت میں تقریر خوب بن جاتی ہے دوسری صورت یہ ہے کہ مجمع میں کوئی صوفی اللہ کا نیک بندہ موجود ہو تو بھی طبیعت قدرتاً کھل جاتی ہے اور خوب بیان ہوتا ہے۔

6۔ بنوں سے واپسی پر ڈیرہ آتے ہوئے بس میں حضرت مولانا مرحوم نے 1953ء کی تحریک ختم نبوت کی کچھ باتیں سنائیں۔ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب بھی ساتھ تھے۔ اسی ضمن میں شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمتہ اللہ کا ذکر خیر آیا آپ نے فرمایا کہ ایک دفعہ ہم نے درخواست دی کہ ہمارے بچوں کو ہم سے ملنے کی اجازت ملنی چاہیے۔ حضرت شیخ التفسیرؒ سے بھی عرض کیا گیا کہ حضرت آپ اس سلسلہ میں درخواست پر دستخط فرمادیں۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت کی خودداری نے یہ درخواست دینے میں گرانی محسوس کی۔بار بار کہنے سے بھی نہیں مانتے۔مولانا جالندھریؒ نے فرمایا کہ ایک دفعہ اکیلے میں آپ کو پاکر عرض کیا حضرت اس میں کیا حرج ہے۔بچوں کی خیریت دیکھ کر تسلی ہو جائے گی چونکہ بالکل اکیلے تھے، حضرت نے فرمایا، مولانا پتہ چل ہی جاتا ہے۔بحمد اللہ وہ سب بخیریت ہیں۔میں نے اندازہ لگایا کہ حضرت کو کشف سے ان کی خیریت معلوم ہو جاتی ہے۔اس لئے آپ بلا ضرورت حکام کا احسان نہیں لینا چاہتے لیکن فرماتے ہیں میں نے اس پر بھی عرض کیا کہ حضرت آپ کو تو اطمینان ہے لیکن ان لوگوں کو تو آپ کی زیارت کر کے ہی اطمینان ہو سکتا ہے۔مولانا جالندھریؒ نے فرمایا۔اس پر حضرت نے تھوڑا سکوت فرمایا اور شاید یہ بھی کہا کہ کچھ آنکھیں بند کرلیں۔اس کے بعد فرمایا اس وقت مولانا انور صاحب اور دوسرے بچے گھر نہیں ہیں مقصد یہ تھا کہ اگر درخواست دے دی جائے اور منظور بھی کرلی جائے تو جب ان کو بلایا جائے گا اور وہ گھر پر نہیں ہوں گے تو ملاقات تو ہوگی نہیں اور ان کا مفت احسان ہو جائے گا۔ مولانا جالندھری نے فرمایا۔بعد میں تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ واقعی صاحبزادگان گھر پر تشریف نہیں رکھتے تھے۔گویا حضرت کا کشف صحیح نکلا۔

7۔ حضرت مولانا مرحوم کی خصوصیات میں سے یہ بات بھی تھی کہ آپ کے دلائل میں بڑا وزن ہوتا تھا اور بات بڑی اعتماد سے فرمایا کرتے تھے۔دوٹوک بات کہنے کی ایک مثال پندرہ سال گزر جانے کے باجود نہیں بھول رہا۔

1956ء میں ملتان میں حضرت مفتی محمود صاحب کی دعوت پر علماء کی کنونشن ہو رہی تھی۔امارت اور صدارت کا مسئلہ زیر بحث آیا۔متعدد حضرات نے اس پر اظہار خیال فرمایا۔مولانا نے فرمایا۔اکابر---- سے میں پوچھتا ہوں کہ صدارتی طریق جائز ہے یا ناجائز۔اگر یہ جائز ہی نہیں تو بات ہی ختم ہے۔اس میں سوال و جواب کی گنجائش ہی نہ رہی اور اگر جائز دونوں ہیں، طریق صدارت بھی اور طریق امارت بھی تو پھر ہم بحث کریں گے۔یہ آخری جملہ کچھ اس طرح بھرپور اعتماد سے فرمایا جس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ اگر

سارا ہاؤس بھی اس کے خلاف ہو تو بھی آپ پورے اطمینان سے بحث فرمائیں گے اور گویا یہ یقین کئے بیٹھے ہیں کہ میں بحث میں سب پر غالب آؤں گا۔

8۔ معاملہ فہمی بھی آپ کا وصف خاص شمار کیا جاتا تھا۔ معاملہ کی تہہ تک پہنچنے میں آپ کو زیادہ دیر نہیں لگتی تھی اسی 56ء کے اجتماع میں جداگانہ اور مخلوط انتخابات کا مسئلہ چھڑ گیا۔ جب اس پر بحث شروع ہونے لگی اور بعض حضرات نے اس پر زور دیا کہ یہ مسئلہ ضرور زیر بحث ہی آنا چاہیے تو مولانا مرحوم ہی تھے جنہوں نے شدت سے فرمایا اس مسئلہ کو نہ چھیڑو۔ ورنہ اتنا شدید اختلاف رونما ہونے کا خطرہ ہے۔ کہ کنونشن ہی خدانخواستہ ناکام نہ ہو جائے اور اگر لامحالہ یہ مسئلہ چھیڑنا ہی ہے تو (انتہائی درد سے فرمایا) پھر خدا کے لئے اس ہاؤس میں زیر بحث نہ لائیں۔ سب کمیٹی بنالیں وہ بند کمرے میں اس پر خوب فراخدلی سے بحث و تمحیص کر لے اور پھر آخری فیصلہ کے لئے اسے ہاؤس میں لایا جاسکتا ہے۔ چنانچہ فیصلہ یہی ہوا کہ اس وقت اس مسئلہ پر بحث کو ملتوی کر دیا گیا۔ اور پھر جمعیتہ کے قریبی ہی اجلاس میں اس کا بہترین حل نکلا کہ جداگانہ اور مخلوط دونوں طریق انتخاب احکام شرعیہ کے خلاف ہیں۔ ایک اسلامی ملک کی بااختیار دستور ساز اسمبلی میں صرف مسلمان ہی ممبر بن سکتا ہے اور بس یعنی جداگانہ اور مخلوط دونوں کے مقابلہ میں اسلامی انتخاب کی تجویز بااتفاق آرا پاس ہوئی۔ اور اہل حق میں اختلاف کا کوئی خطرہ ہی باقی نہ رہا۔

9۔ یہ بات دیکھنے کی سعادت تو نصیب نہیں ہوئی لیکن موثق ذرائع سے سنا گیا ہے کہ جب 53ء میں مرزائیوں کے خطرناک ارادوں کے پیش نظر ملک و ملت کے اس شدید فتنہ کے خلاف مسلمانوں میں اختلافات یکسر ختم کرنے اور مضبوط ترین اتحاد کی ضرورت محسوس ہوئی۔ سنا ہے کہ یہی مولانا محمد علی صاحب مرحوم طویل و عریض اور شدید اختلافات کے باوجود مولانا ابوالحسنات صاحب مرحوم کے دروازہ پر چل کر گئے انہیں اپنے دروازے پر اپنے کسی شدید مخالف کو دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی۔ مولانا مرحوم نے فرمایا۔ حضرت! ختم نبوت کے دشمن سازشیں کر رہے ہیں۔ ہمارے اختلافات سے وہ بہت بڑا فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ میں آپ کے دروازے پر آیا ہوں۔ آپ سے صاف کہنا چاہتا ہوں کہ اگر اس وقت آپ نے دشمنان ختم نبوت کے مقابلہ میں ہم لوگوں کی خدمات حاصل کرنے سے انکار کیا اور خدانخواستہ تاج و تخت ختم نبوت کو کوئی بھی تکلیف پہنچی تو میدان حشر میں سرور کائنات فخر موجودات شفیع المذنبین رحمتہ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں آپ کا دامن پکڑ کر عرض کروں گا کہ حضرت میں ان کے دروازے پر گیا تھا لیکن انہوں نے مجھ سے ختم نبوت کے سلسلہ میں خدمت لینے سے اعراض کیا تھا۔

کہتے ہیں مولانا ابوالحسنات مرحوم مولانا محمد علی جالندھریؒ کے ان پر درد کلمات سے اتنے متاثر ہوئے کہ آنسو جاری ہو گئے اور پھر علماء نے جو کچھ کیا' وہ دنیا کے سامنے ہے مجلس عمل کی صدارت سنبھالی۔ مرزائیت کے فتنہ کو عالم آشکارا ہونا پڑا۔ دس ہزار نوجوانوں کو لاہور میں جام شہادت نوش کرنا پڑا۔ سنی' شیعہ' دیوبندی' بریلی مقلد اور غیر مقلد سب ہی کو تاج و تخت ختم نبوت کی حفاظت کے لئے ایک ہی

سٹیج پر دیکھا گیا اور دشمنان دین کے در و دیوار پر لرزہ طاری ہوا۔ اس عظیم عمارت کی بنیاد میں آپ نے سن لیا کہ مولانا جالندھری ہی کے ان پر سوز کلمات اور آپ کے اس دینی جذبہ اور جوش عمل کو بہت بڑا دخل تھا۔ فرحمہ اللہ تعالٰی رحمتہ واسعتہ اس وقت جبکہ ختم نبوت کے دشمن نئے نئے بھیس بدل کر ملک و ملت کے لئے خطرہ بن رہے ہیں کاش کوئی محمد علی نکل آتا۔ جس کا جذبہ حق اور جوش عمل مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق کی تخم پاشی کر کے ملت اسلامیہ کی ہچکولے کھاتی ہوئی کشتی کو ساحل مراد پر پہنچا دیتا۔

مردے از غیب بروں آید و کارے بکند

10۔ وضاحتی مثالوں سے مسائل کو سمجھانے کا اللہ تعالٰی نے مرحوم و مغفور کو خاص ملکہ عطاء فرمایا تھا۔ وتلک الامثال نضربھا للناس وما یعقلھا الاالعالمون کے ماتحت آپ کثرت سے مثالیں دے دے کر مشکل سے مشکل مسئلہ عوام کو سمجھانے میں کامیاب ہو جاتے تھے۔

مثلاً" منکرین سنت کے اس قول پر کہ جو کچھ قرآن مجید میں حرام کیا گیا ہے وہی چیزیں حرام ہیں۔ قرآن مجید کے علاوہ احادیث سے کسی چیز کی حرمت ثابت نہیں ہو سکتی۔ فرمایا کرتے تھے' قرآن مجید کی نص صریح سے تو انسان کے بول و براز کی حرمت ثابت نہیں کی جاسکے گی تو کیا ان کے نزدیک یہ حلال ہوں گے ؟۔ پھر فرماتے معلوم ہوا جو احادیث کا انکار کرے گا' اسے گندگی کھانی پڑے گی۔

11۔ نظم و ضبط اور قاعدہ کی پابندی میں بھی آپ کو خاص امتیاز حاصل تھا۔ سچ یہ ہے کہ آپ بہت سی خوبیوں اور خصوصی اوصاف کے مالک تھے اور ہر خصوصیت پر دل گواہی دیتا تھا کہ

ع کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا ایں جاست

یہ لطیفہ خود ان کی زبان سے سنا تھا۔ فرمایا کہ جب میں ملتان آیا اور غالباً" حسین آگاہی میں ایک مدرسہ کی بنیاد رکھنی چاہی' میں نے مدرسہ کے لئے ایک اشتہار جاری کیا تو ایک دوکاندار نے مجھ سے پوچھا۔ مولانا یہ اشتہار آپ نے جاری کیا ہے' میں نے کہا جی ہاں۔ اس نے کہا' میں بھی بچہ بھیجنا چاہتا ہوں۔ کتنے طالب علم آپ کے مدرسہ میں ہیں۔ میں نے کہا کوئی بھی نہیں۔ اس نے کہا' استاد کتنے ہیں' میں نے کہا ایک بھی نہیں' وہ حیران ہوا کہ پھر اشتہار کاہے کا' میں نے کہا' اس میں مدرسہ بنانے کا اعلان کیا گیا ہے۔ لیکن بچے میں اس وقت لوں گا جب استاد رکھ لوں اور استاد اس وقت رکھوں گا جب اس کے لئے پہلے ہی سے ایک سال تک کی تنخواہ کی رقم میرے جیب میں آجائے تاکہ کم از کم ایک سال تک اس جانب سے مجھے اطمینان ہو جائے۔ فرماتے ہیں کہ اس وقت کے لحاظ سے میں سمجھا تھا کہ ابتداء ایک حافظ ناظرہ کے لئے میں دس روپے ماہوار پر رکھ سکتا ہوں۔ اس لئے جب اس نے پوچھا کہ سال کی تنخواہ کے لئے کتنی رقم کی ضرورت ہے تو میں نے کہا۔ ایک سو بیس روپے۔ فرمایا' اس دکاندار نے مجھے ایک سو بیس روپے نکال کر دیئے میں نے دوسرے ہی دن حافظ کو مقرر کر لیا اور اس دکاندار سے کہا کہ اب کل سے تم اپنا بچہ

بھیج دو۔سنا ہے‘ چند سال میں اس مدرسہ کا نام اتنا بڑھا کہ ایک معتد بہ تعداد میں کتابیں فراہم کی گئیں اور پانچ ہزار روپیہ مدرسہ کے خزانہ میں بھی بچ رہا۔اور جب تقسیم کے بعد آپ کے استاد حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ تقسیم کے مصائب اٹھاتے ہوئے ملتان پہنچے اور جالندھر میں خیر المدارس کا مدرسہ کتب خانہ اور ایک استاد بھی شہید کردیئے گئے تو ملتان میں تشریف لے آنے کے بعد سنا یہی ہے کہ والعہدہ علی الراوی کہ آپ نے وہی مدرسہ اس کی کتابیں اور محفوظ رقم حضرت مولانا کے حوالے کرکے فرمایا۔اب آپ اسے سنبھالئے اور وہی تخم اب بفضل تعالیٰ فازرہ فاستغلظ فاستوی علی سوقہ یعجب الزراع کا مصداق بن کر خیر المدارس کے نام سے پورے پاکستان میں اساطین دین کے لئے قابل رشک بنا ہوا ہے۔

کعبہ را ہر دم تجلی مے فزود
ایں را اخلاصات ابراہیم بود

استاد اور شاگرد کے اس اتحاد نے سبحان اللہ

ع "دو دل یک شود بشکند کوہ را"

کا منظر پیش کردیا۔ فرحمہم اللہ رحمتہ واسعہ۔ نظم و ضبط اور باقاعدگی پسند طبیعت ہی کا اثر تھا کہ ایک دفعہ نجم المدارس کلاچی کے سالانہ جلسہ پر تشریف لائے۔مدرسہ کی روئداد از اول تا آخر پڑھی اور کارروائی کا رجسٹر دیکھ کر فرمایا مجالس شوریٰ کی کارروائیوں پر اکثر اراکین شوریٰ کے دستخط دیکھ کر میں نے اندازہ لگایا کہ کارکن اکثر میٹنگوں میں حاضر ہوتے رہتے ہیں۔یہ بات اکثر اداروں میں نہیں پائی جاتی اگر نجم المدارس کے کارکن اسی طرح دلچسپی لیتے رہے تو انشاء اللہ یہ ادارہ بہت جلد ترقی کرے گا۔

12۔ زہے سعادت کہ اللہ کے جس پیارے بندے نے ملک کے گوشے گوشے تک ختم نبوت کا پیغام پہنچایا‘ کما تعیشون تموتون کے ماتحت دفتر ختم نبوت ہی میں آخری گھڑیاں گزاریں۔اسی میں جان جان آفرین کے سپرد کی۔یہیں سے جنازہ اٹھایا گیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بروایت حضرت مولانا لال حسین صاحت اختر مدظلہ آخری جملہ ختم نبوت اور پھر کلمہ شہادت آپ کی زبان سے سنا گیا۔والحمد للہ ثم الحمد للہ

طاب حیا" وطاب میتا" فقدس سرہ و نور ضریحہ۔ اللھم فلا تحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہ

13۔ راقم الحروف نے خیر المدارس کے زمانہ جالندھر میں حضرت الاستاذ مولانا محمد عبداللہ صاحب حال شیخ الحدیث جامعہ رشیدیہ ساہیوال کے رخصت پر جانے کی وجہ سے دس پندرہ دن ہدایہ ثالث کا درس حضرت مولانا سے لیا تھا۔اپنی نالائقی کی وجہ سے آپ کی خدمت و احترام وغیرہ تو کچھ نہ کرسکا لیکن آپ کا خلوص للہیت اور روحانی تصوف ہی تھا کہ اطلاع وصال پر آنکھیں بے قابو ہوگئیں۔جنازہ

میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی اور راستہ میں جانے والے رفقاء سفر سے درخواست کرنے پر مجبور ہوا کہ حضرت کے ایصال ثواب کے لئے ستر ہزار بار کلمہ شریف پڑھ لیا جائے۔ سوچتا رہا کہ ان اللہ والوں نے بھی کیا غضب کا خلوص پایا ہے کہ ان کی دس روزہ شاگردی نے ہمارے مکدر اور قساوت بھرے قلب پر یہ اثر کیا جبکہ ہم دس سالہ شاگردوں کے دلوں میں اس کا عشر عشیر بھی اپنا مقام بنانے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

ہم نے پھولوں پر جور کیا ہاتھ کانٹے ہو گئے
تم نے کانٹوں میں قدم رکھا گلستان کر دیا

خیر المدارس ملتان میں دار الحدیث کے عقبی حصہ میں بے نظیر مشفق استاد اور بے مثال وفادار شاگرد کو پہلو بہ پہلو صرف دو بدو دیکھ کر بے اختیار یہ دو شعر یاد آئے۔

چہ خوش است با تو بزمے بہ نہفتہ ساز کردن
در خانہ بند کردن سر شیشہ باز کردن

قریب یار ہم کو دفن کرنا ورنہ محشر تک
صدائے نالہ شوق آئے گی گور غریباں سے

تاریخ وصال کے لئے ذیل کا قطعہ موزوں ہوا جو آپ کے عمر بھر کے مبارک شغل کا آئینہ دار اور حسن انجام کے لئے فال نیک ہے

شد ز شغلش چوں بہ ہاتف گفتگو
عشق با ختم نبوت گفت او

1971 458-1040-3-470

جبکہ حضرت الاستاذ مولانا خیر محمد صاحب نور اللہ مرقدہ کی تاریخ قطعہ ذیل سے معلوم ہو سکتی ہے

شد ز تاریخش بہ ہاتف گفتگو
خیر از و خیر المدارس گفت او

1970ء 336-810-14-810

مرحوم آغا شورش کاشمیری قافلہ احرار کے فرد تھے۔ گو بعد میں ان کے سفر کی نوعیت مختلف ہو گئی۔ قلم کے دھنی مرحوم شورش نے بڑے بڑوں کے لتے لئے تاہم مولانا ابو الکلام اور امیر شریعت سے ان کی نیاز مندی اٹوٹ رہی۔ زندگی میں مولانا جالندھری سے اختلاف کے لئے مواقع سامنے آئے لیکن مولانا کی وفات پر آغا ٹوٹ پھوٹ کر رہ گئے۔ اپنے رسالہ چٹان کی اشاعت 24 مئی 1971ء میں انہوں نے جو شذرہ

سپرد قلم کیا اس کے آخر میں جمعیت علماء اسلام کے رہنماؤں کے حوالہ سے مرحوم شورش نے جس تلخی کا مظاہرہ کیا ہے اس پر گفتگو کا نہ وقت ہے نہ موقعہ- تاہم ریکارڈ کی درستگی کیلئے یہ لکھنا غلط نہیں کہ 1968ء میں مرحوم ایوب خان کے دور اقتدار کے آخری لمحات میں آغا جس ابتلاء کا شکار ہوئے اس میں جہاں حضرت اقدس میاں عبدالہادی دین پوری، مولانا جالندھری رحمہم اللہ تعالیٰ نے مرحوم آغا کے لئے صبر آزما جدوجہد کی وہاں جمعیتہ کے اکابر اور کارکنوں کا کردار بھی تاریخ کا حصہ ہے بعد میں مرحوم بھٹو کے معاشی پروگرام کے حوالہ سے جماعت اسلامی کی مکروہ سیاست نے یہاں جو گل کھلائے اسی کا شاخسانہ تھا کہ آغا اور اکابرین جمعیتہ میں بے حد بغض پیدا ہو گیا- اس معاملہ میں قصور فریقین کا تھا اے کاش وہ معاملات کو اس سطح پر نہ لے جاتے- اب جبکہ وہ سبھی حضرات اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں تو رب العزت سے دعا ہی کی جاسکتی ہے- کہ اللہ تعالیٰ ان کی خطائیں معاف فرما کر ان کے درجات بلند فرمائے-

تاریخ کا یہ عجیب پہلو ہے کہ مرحوم شورش جن لوگوں کے سبب مولانا جالندھری اور ایسے ہی بہت سے حضرات کے جنازوں میں شرکت نہ کر سکے ان کے سرخیل مفتی محمود مرحوم نے شورش مرحوم کا جنازہ پڑھایا بہرحال شورش مرحوم کا شذرہ درج ذیل ہے-

"پچھلے دنوں مولانا محمد علی جالندھریؒ اللہ کو پیارے ہو گئے اس خبر سے طبیعت کو بے حد ملال ہوا- مولانا اپنی خوبیوں کے ایک ہی انسان تھے- قبل از آزادی وہ مجلس احرار اسلام پنجاب کے صدر رہے- مجلس احرار اسلام، تحریک ختم نبوت کے باعث خلاف قانون قرار دی گئی تو اپنے بڑے چھوٹے رفقاء کے ساتھ قید ہو گئے- رہا ہوئے تو مجلس تحفظ ختم نبوت کی بنیاد رکھی- سیاست سے عملاً" الگ ہو گئے- لیکن مسئلہ ختم نبوت کے لئے اپنے تئیں وقف کر دیا اور مرتے دم تک اسی دھن میں لگے رہے اللہ تعالیٰ نے انہیں فقر و درویشی کے علاوہ علم و نظر کی دولت سے مالا مال کیا- اور وہ منطق میں ڈھلے ہوئے انسان تھے- پنجابی زبان کے وہ ایک ایسے مقرر تھے کہ ان کی خطابت میں روانی، فراست، شکوہ، دلیل، نغمہ اور جادو کوٹ کوٹ کر بھرا ہوتا- وہ ہر زبان کے مقرر کو اپنی زبان میں لاجواب کر سکتے تھے انہیں اپنے زبان و بیان کی صداقت پر غیر معمولی اعتماد تھا-

ان کی موت سے احرار کے پرانے قافلے کی آخری آواز ختم ہو گئی- وہ شاہ جیؒ کے نائب اور عمر میں ان سے چھوٹے تھے لیکن شاہ جیؒ کو ان سے گہرا لگاؤ تھا- انسان میں کمزوریاں بھی ہوتی ہیں ممکن ہے اس نیک نفس اور درویش خو انسان سے کوئی بشری سہو ہو گیا ہو لیکن وہ ان لوگوں میں سے تھے جنہیں ان کی نیکیاں صلحائے امت کی صفوں میں بٹھاتی اور ان کی سیرتوں کو دوسرے کے لئے نمونہ بنا دیتی ہیں-

پارسا "کچھ علماء و صلحاء" نے جس زبان میں راقم کو نوازا اور اپنے ترجمان میں جس بیدردی سے گالیاں دیں- مولانا دفتر چٹان میں آکر اس مجموعہ مغلظات پر پریشانی کا اظہار کرتے رہے- انہیں سخت رنج

تھا لیکن کسی کو روکنے کی پوزیشن میں نہ تھے۔میں نے اس ژاژخائی پر انہیں سخت غمزدہ پایا۔اب کہ وہ اللہ کے ہاں چلے گئے تو راقم نے ملتان جانا چاہا تا کہ ان کے سفر آخرت میں کندھا دے لے لیکن صرف اس لئے رک گیا کہ ان "علماء و صلحاء" کی شرکت کا یقین تھا۔جن کے متعلق راقم نے ہمیشہ دعا کی ہے کہ
اے رب!ان کے ہر احسان سے بچانا زندگی اور موت دونوں صورتوں میں۔ان کی دعا عذاب الہٰی سے کم نہیں۔دوزخ منظور لیکن یہ دعائے مغفرت کریں نامنظور

صرف ان دو چار صورتوں کے باعث اکثر دوستوں کے جنازے چھوٹ گئے مولوی محمد اکرم اور ان کے بڑے بھائی مولوی محمد اسلم رحلت کر گئے لیکن ان کی موجودگی کے تصور سے طبیعت میں اس قدر تنفر بھر گیا کہ دل آمادہ نہ ہوا۔بہرحال مولانا کی یاد میں دل اب تک اشکبار ہے وہ اسلام کے لئے پیدا ہوئے اور اسلام پر فدا ہو گئے۔اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کریں۔"

16 جون 1969ء کا "چٹان" میرے سامنے ہے۔ آغا شورش مرحوم کے برادر نسبتی خواجہ صادق مرحوم کے قلم کی ایک تحریر مولانا کے حوالہ سے بار بار پڑھ رہا ہوں۔اسی شمارہ کے پچھلے پورے صفحہ پر مولانا محمد علی کی تصویر ہے۔کتاب کے ناشر پسند نہ کریں گے ورنہ میں ضرور اس تصویر کو کتاب کا حصہ بناتا کہ تصویر کے حوالہ سے میرا ذوق ازھری علماء کا ہے۔(اکابر اور بزرگوں سے معذرت کے ساتھ)۔اسی سر ورق کی تصویر کے حوالہ سے خواجہ صادق مرحوم کی ایک تحریر شامل کر رہا ہوں۔جب مولانا زندہ تھے)
اس تحریر سے مولانا کی شخصیت،کردار،سیرت اور علم کی گہرائی کا کسی قدر اندازہ ہو سکے گا۔

مولانا محمد علی جالندھری

(خواجہ صادق کاشمیری)

"میں تو صرف اس مشن کا خدمت گزار ہوں جو سید عطاء اللہ شاہ بخاری علیہ رحمتہ نے میرے سپرد کیا تھا مجھے سیاسیات سے اتنی دلچسپی بھی نہیں جتنی ماش کے دانے پر سفیدی ہوتی ہے۔میں سمجھتا ہوں کہ تحریکی سیاست 14 اگست 1947ء کے بعد ختم ہو چکی ہے۔یہ ملک اسلام کے لئے حاصل کیا گیا تھا اسلام ہی اس ملک کی اصل بنیاد ہے اور یہاں اسلام ہی کے لئے سب کچھ ہونا چاہیے۔

میری زندگی کا بہت بڑا حصہ گزر چکا ہے۔اب منزل کے اس موڑ پر ہوں کہ جتنی رہ گئی ہے اسی راہ میں صرف کرنا چاہتا ہوں---اور فخر سے کہہ سکتا ہوں کہ شاہ جیؒ کے قافلہ کے حدی خوانوں میں ایک میں بھی ہوں یہ تھے الفاظ مولانا محمد علی جالندھری کے جب میں نے ان سے انٹرویو حاصل کرنا چاہا"۔

مولانا محمد علیؒ لاہور تشریف لاتے تو دفتر چٹان کو بھی اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف فرماتے۔ آغا شورش کاشمیری کی نظربندی کے دوران ان کے بال بچوں کی دلجوئی گویا ان کا معمول ہو گیا تھا۔ان میں

قرون اول کے مسلمانوں کی سادگی پائی جاتی ہے۔ کوئی آدمی ان سے چپ چاپ نشستوں میں اندازہ نہیں کر سکتا کہ اس سادہ سے انسان میں علم و جہد کی کتنی بستیاں آباد ہیں۔ وہی گاڑھے کا تہبند یا شلوار' اس پر پرانی وضع کا کرتہ' پاؤں میں لال کھل کا پنجابی جوتا' سر پہ رائے پوری چہ گوشہ ٹوپی۔۔۔ چال میں تمکنت نہ لطافت' لمبے لمبے ڈگ' لہجہ ٹھیٹھ' اردو میں پنجابی کے پیوند اور پنجابی دو آبہ کی' مقرر بلا کے' منطق' علم اور دین کا خطیبانہ شکوہ' قرآن و حدیث میں گتھے ہوئے الفاظ' پہلی نظر میں محسوس ہو گا کہ ہمارے سامنے کوئی پنجابی کسان کھڑا ہے اور ہم اس سے ہم کلام ہیں پھر ایکا ایکی معلوم ہو گا کہ ہمارا مخاطب کسان نہیں بلکہ علم و نظر کا شناسا ہے اور ہم واقعی کسی تیور شناس عالم سے بات چیت کر رہے ہیں۔۔۔

سادگی کا یہ حال ہے کہ صلاح الدین نے ان کی تصویر لی اور انہیں بالکل پتہ نہ چلا کہ فلش گن سے کیا چیز نکلی ہے؟۔۔۔ یہ کیا ہے صلاح الدین جا چکا تھا اور وہ کتاب دیکھنے میں منہمک تھے۔ مجھے یقین ہے کہ جب تصویر چھپ کر سامنے آئے گی تو وہ حیران ہوں گے۔ عجب نہیں انہیں غصہ آئے کیونکہ وہ اس مدرسہ فکر سے تعلق رکھتے ہیں جو تصویر کشی' تصویر بینی' تصویر سازی بلکہ تصویر آرائی کا شرعاً مخالف ہے۔ ان کا خیال ہے کہ تصویر کے شوق نے بھی فتنے پیدا کئے ہیں نتیجتہً اخلاص رخصت ہو چکا ہے۔

میں نے ان سے انٹرویو لینا چاہا' لیکن وہ طرح دے گئے۔ میں نے بہت سے سوال مرتب کئے اور چاہا کہ ان کے جواب حاصل کروں۔ راضی نہ ہوئے البتہ گفتگو میں بہت سی گفتنی و ناگفتنی باتیں کہہ گئے۔

مولانا محمد علی مرحوم پنجاب کے سیاسی حوادث و وقائع کی ایک چلتی پھرتی تاریخ ہیں آزادی سے پہلے وہ سیاسی جدوجہد کی ایک کہانی تھے۔ ان کے سامنے حالات بنتے اور بگڑتے رہے' واقعات نے پھریری لی' تاریخ نے پلٹے کھائے' جغرافیہ نے انگڑائی لی' سیاست کا لاوا ابھر نکلا' انتخابات کی بارش ہوئی' اختلافات کی ژالہ باری نے طبیعتوں کی فصل کو ویران کیا' انگریز چلا گیا' ملک اس کے پنجہ سے نکلا' پھر شخصیات کے ایک عظیم قافلے میں شامل رہے' بالا بلند انسانوں سے واسطہ پڑا' کوتاہ قامت لوگوں کو دیکھا اور پرکھا' چوٹیں بھی کھائیں اور زخم بھی اٹھائے۔ ان کا سینہ سینکڑوں سیاسی اور شرعی رازوں کا دفینہ ہے۔ لیکن وہ کچھ بتاتے نہیں' ان کا خیال ہے کہ بہت سی کہانیاں ادھوری رہ جائیں تو انسب ہے۔ کیوں؟ اس کا جواب ان کا فقر و استغنا ہے' بہت سی باتیں وہ مسکرا کے ٹال جاتے ہیں۔ وہ دیوبند کے فارغ التحصیل ہیں۔ زندگی کا آغاز دینی مدرسوں کی سفارت سے کیا۔ دونوں ہی میں بہت آگے نکل گئے۔ جس علاقہ میں دینی طلبہ کو حقیر سمجھا جاتا بلکہ ان کی تحقیر کی جاتی۔ اس علاقے میں علم دین کی مشعلیں روشن کیں اور "خانزادگان کبیر" (اصطلاح اقبال) کو احساس دلایا کہ وہ جن بوریہ نشینوں کو حقارت سے تکتے ہیں وہ کس علم اور مسند کے وارث ہیں؟

مولانا جالندھری نے حضرت انور شاہ علیہ الرحمتہ اور حضرت حسین احمد مدنی علیہ الرحمتہ کی

آنکھیں دیکھی ہیں ان کے شاگرد ہوئے ان سے فیض حاصل کیا اور ان کے خوشہ چین رہے۔ نتیجتاً ان کے تلمذ سے ان میں دن کی گہری بصیرت پیدا ہو چکی ہے۔ حضرت رائے پوری قدس سرہ العزیز سے بیعت ہیں ان کی ہزاروں صحبتوں سے متمتع ہوئے۔ انہی کی نگاہ نے ان کے شعور، جذبے اور ارادے کی تربیت کی ہے۔ شاہ جیؒ کے رفیق بھی تھے اور نائب بھی، شاہ جیؒ ہی نے انہیں ختم نبوت ﷺ کے مشن پر لگایا اور اسی کے ہو گئے۔ وہ جلال و جمال کے انسان نہیں، علم و کمال کے انسان ہیں۔ ختم نبوت ﷺ کا مشن انہیں گویا ورثہ میں ملا ہے۔ سید انور شاہؒ کا تلمذ، حضرت رائے پوریؒ کی صحبت اور شاہ جیؒ کی رفاقت نے ان میں عشق مقصد کی پختگی پیدا کر دی ہے، ان میں تنظیم پیدا کرنے کی بے پناہ صلاحیت ہے۔ وہ سروسامان اکٹھا کر سکتے اور عشق کے مختلف خانوں کو سجا بھی سکتے ہیں۔ اس وقت ان کا وجود گویا عشق کے ویرانہ آباد میں شاہ جیؒ کے قافلے کی ایک بے لچک آواز ہے۔

میں نے پاکستان میں اسلام کی سرگزشت کے مختلف دردبیان کرتے ہوئے جب انہیں بعض حقائق سے مطلع کیا تو فرمایا:۔

یہ سب کچھ یوں ہی ہوتا رہے گا، شروع سے ہو رہا ہے۔

صدیق اکبرؓ کے عہد میں بھی اتنے فتنے اٹھے تھے۔ انہی فتنوں نے خلافت راشدہ کے اوراق مجلیٰ کو مجروح کرنا چاہا لیکن قرن اول کے مسلمانوں کی غیرت اور صحبت یافتگان رسالت ﷺ کی حمیت نے کسی فتنے کو پنپنے نہ دیا۔

پھر مختلف علاقوں اور مختلف بادشاہوں کے اقتدار میں اسلام طرح طرح کے فتنوں کا ہدف بنا، لیکن اسلام کی تیغ آبدار چمکتی رہی اور صدیوں تک اسلام کا قافلہ آگے بڑھتا گیا۔ اب اگر اس دریا میں ٹھہراؤ پیدا ہو گیا ہے یا دنیائے اسلام پچھلی دو صدیوں سے منتشر ہے اور اس کے دل و دماغ کی حالت مضطرب ہو گئی ہے تو اس کی وجوہ ہیں۔ ان وجوہ کی نشاندہی ہو چکی ہے۔ گویا ان کا سراغ لگایا جا چکا ہے۔ اب ان پر قابو پانا باقی ہے۔

میرا ایمان ہے کہ اسلام آزمائش میں نہیں بلکہ ہم لوگ جو اس کے پیرو کہلاتے ہیں آزمائش میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں اپنے دین کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے اور وہ اس کی حفاظت کرے گا۔ البتہ ہم اپنے فرض سے کس حد تک عہدہ براء ہوئے ہیں اس کا جواب خود ہمارے ذمے ہے۔ افسوس ہے کہ ہم نے مٹنے والی ملتوں کی عادتیں قبول کر لی ہیں۔

اور جب میں نے سوال کیا کہ پاکستان میں لادین طاقتیں سر اٹھا رہی ہیں، کیا دینی حلقوں کا فرض نہیں کہ وہ اپنے فروعی اختلافات ختم کر کے متحد ہو جائیں مولانا نے فوراً فرمایا

بے شک ان حالات میں علماء کا اتحاد پہلی شرط ہے ان کے درمیان اختلافات رہے تو ہم بہت کچھ

کھو بیٹھیں گے۔ ہمارا وجود تو کوئی چیز نہیں، ممکن ہے ہم وہ مسندیں ہی گنوا دیں جن سے ہمارا وجود قائم ہے

اس ضمن میں آخری تحریر حضرت الشیخ المحدث مولانا السید محمد یوسف بنوری قدس اللہ سرہ العزیز کی ہے۔ مولانا بنوری کی عظمت کے حوالہ سے یہ تحریر اس فصل میں سب سے پہلے آنا چاہیے تھی، لیکن ہم نے بوجوہ اس عظیم انسان کی عظیم تحریر کو حرف آخر بنایا ہے اور ابتداء میں اس تحریر کی چند سطریں ایک صفحہ میں نقل کردی ہیں تاکہ قاری کتاب کھولتے ہی بنوریؒ کی رائے جالندھریؒ کے متعلق پڑھ لے اور اسے احساس ہو جائے کہ مولانا جالندھریؒ کیا تھا؟ ان کا مقام کیا تھا؟

بنوری و جالندھری (رحمہم اللہ تعالیٰ) ہر دو امام العصر حضرت شیخ السید انور شاہ کاشمیری قدس اللہ سرہ العزیز کے فیض یافتہ تھے۔ 1926ء میں انجمن خدام الدین لاہور کے سالانہ جلسہ میں امام کاشمیری نے پانچ صد علماء کے ساتھ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو "امیر شریعت" قرار دے کر سب سے پہلے بیعت کی تو علامہ بنوری نے پانچویں نمبر پر بیعت کی۔ بنوریؒ امام کاشمیری کے علوم و معارف کے وارث و امین تھے تو مولانا جالندھری، قادیانیت کے حوالے سے حضرت العلام انور شاہ کے ذوق و مسلک اور جذبات و احساسات کے علمبردار تھے۔ مولانا بنوری، اپنے استاد کے ذوق سے آشنا تھے اس لئے ساری عمر کسی نہ کسی حوالہ سے مجلس ختم نبوت کے معاون رہے تاہم ایک دور ایسا آیا وہ دور مولانا جالندھری کی امارت کا تھا۔ کہ مولانا بنوری رکن شوریٰ کے طور پر اس نظم کا حصہ بن گئے اور پھر مولانا جالندھری کی وفات کے بعد مولانا لال حسین اختر اور مولانا محمد حیات کے مختصر ادوار کے بعد احباب کی خواہش پر امیر مجلس قرار پائے اور پھر اس کام میں اس طرح لگے کہ انہی کے دور میں 1974ء کا تاریخی فیصلہ ہوا۔ اس فیصلہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی رُحانیت، اکابر و کارکنان جماعت کے خلوص و ایثار، حکومت وقت کی حقیقت پسندی اور امت کے اتحاد کے ساتھ مولانا بنوری کی جدوجہد اور دعائے سحرگاہی کا بڑا حصہ ہے اس راہ میں جس نے جدوجہد کی۔۔۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے۔۔۔۔

بہر حال اب آپ ملاحظہ فرمائیں مولانا بنوریؒ کا وہ ذاتی نوٹ۔۔ جو ان کے رسالہ "بینات" کی اشاعت ربیع الثانی 1391ھ بمطابق جون 1971ء میں چھپا۔

24 صفر 1391ھ (21 اپریل 1971ء) بروز بدھ علمی و دینی دنیا کو ایک عظیم سانحہ پیش آیا، اس دن ظہر کے بعد چار بجے فون پر اطلاع ملی کہ حضرت مولانا محمد علی جالندھری 2 بج کر 20 منٹ پر ملتان میں واصل بحق ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت مولانا جالندھری مرحوم دور حاضر کے علماء دین میں بڑی خوبیوں کے آدمی تھے۔ عالم، عاقل، مدبر، ذکی، مجاہد، جفاکش، متواضع، باوقار اور انتھک جدوجہد کرنے والے انسان تھے، ان تمام علمی و دینی

کمالات کے ساتھ نہایت منکسرالمزاج اور خاموش طبع لیکن بے مثل مقرر اور پرجوش خطیب تھے، جب کسی جلسہ گاہ کی اسٹیج پر تقریر شروع کرتے تو معلوم ہوتا کہ خاموش سمندر کی موجوں میں یکایک بلا کا تلاطم شروع ہو گیا، تقریر نہایت مدلل و موثر ہوتی، موضوع سے باہر کبھی نہ جاتے، مخاطبین وسامعین کو سمجھانے کی فوق العادت قوت حق تعالیٰ نے عطاء فرمائی تھی، ٹھوس علمی مسائل کی تشریح اور مثالوں سے ذہن نشین کرانے میں اپنے عصر میں بے نظیر تھے، اسلام کے بنیادی عقیدہ ختم نبوت کے جانثار، رد قادیانیت کے امام اور رفض و تشیع اور بدعت والحاد کی تردید میں یکتا تھے، چار چار گھنٹے بے تکان بولتے تھے اور عوام و خواص میں یکساں مقبول تھے۔

مرحوم نے نصف صدی سے زیادہ بیش بہا دینی، علمی اور سیاسی خدمات انجام دیں، عرصہ دراز تک امام الخطباء حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے رفیق کار رہے، اور اس سے پہلے عرصہ تک حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ کے "خیر المدارس" میں دست راست رہے، ملتان میں مرکزی دفتر ختم نبوت کی ایک لاکھ کی شاندار عمارت یادگار چھوڑی، جو دعوت وارشاد کا مرکز اور مبلغین ختم نبوت کی تربیت گاہ ہے، اس کے علاوہ مغربی پاکستان میں ختم نبوت کے مراکز قائم کئے اور ان میں دفتر، ٹیلی فون، اور مبلغین کا انتظام کیا۔

مولانا مرحوم دار العلوم دیوبند کے مایہ ناز فارغ التحصیل، امام العصر حضرت مولانا سید محمد انور شاہؒ کے شاگرد تھے اور حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوریؒ سے بیعت کا شرف حاصل کیا تھا۔ یاد پڑتا ہے کہ تیس سال قبل لاہور کی ایک کانفرنس میں، جو جناب محمود خان لغاری کی کوشش سے ہو رہی تھی، مولانا مرحوم کی تقریر پہلی بار سنی، اور وہیں حضرت مولانا عبد الشکور لکھنویؒ کی تقریر سنی تھی، پاکستان بننے کے بعد مختلف مجالس میں اور مجلس ختم نبوت کی شوریٰ کے متعدد اجتماعات میں انہیں نہایت قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوا، بلاشبہ ان کی وفات موجودہ وقت میں جبکہ سر پر قادیانیت والحاد کی گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں، امت اسلامیہ اور مسلمانان پاکستان کے لئے بڑا دردناک سانحہ ہے۔

مصائب شتی جمعت فی مصیبته ولم یکفها حتی قفتها مصائب

(آپ کی موت کے حادثہ میں کئی مصیبتیں جمع ہو گئی ہیں، اور اس کے بعد تو گویا لگاتار مصائب پر مصائب شروع ہو گئے)

حق تعالیٰ کی مشیت ہر چیز پر غالب ہے، علمی و دینی دور ختم ہوتا جا رہا ہے اور جہل و بے دینی کا دور بڑی سرعت سے آ رہا ہے۔ فالی اللہ المشتکی --- حق تعالیٰ مرحوم کو اپنی رحمت و رضوان کے اعلیٰ مقام پر فائز فرما کر جنت الفردوس نصیب فرمائے، ان کے تمام زلات و سیئات، معاف فرمائے اور جدید نسل اور ان کے اخلاف کو ان کی جانشینی کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

در حدیث دیگراں

حضرت مولانا قدس اللہ سرہ العزیز کے سانحہ ارتحال پر جہاں ہزاروں افراد ملتان پہنچ کر جنازہ میں شریک ہوئے، وہاں بہت دنوں تک مختلف ذوق کے لوگ ملتان پہنچ کر مولانا کے اعزہ اور جماعت کے رفقاء سے تعزیت کرتے رہے۔ جبکہ ٹیلی گرام، فون اور خطوط کا سلسلہ الگ ہے۔

ہم یہاں ڈاک کے وسیع ذخیرہ میں سے چند خطوط منتخب کر کے پیش کر رہے ہیں۔ بلکہ ان خطوط کو بھی من وعن نقل کرنے کے بجائے ان کے بعض اقتباس-----

○ حضرت الامام لاہوری قدس اللہ سرہ العزیز کے وارث حقیقی اور قافلہ علماء کے بہادر جرنیل، مرقع شرافت مولانا عبید اللہ انور -آہ کہ وہ اب خود نہیں، رحمتہ اللہ تعالیٰ- نے لکھا

حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ نے عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ اور تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں جو زریں خدمات سرانجام دی ہیں، لائق صد افتخار ہیں۔ مولانا نے جو مقدس مشن جاری رکھا تھا اس کی تکمیل کے لئے میری تمام ترہمدردیاں اور عملی تعاون آپ کے ساتھ ہے۔ (پسران اور مبلغین کے نام-26 اپریل71ء)

○ مخدومنا المعظم مولانا خان محمد نقشبندی مجددی دام مجدہم ومتع اللہ المسلمین بطول حیاتہم نے لکھا۔

حضرت مولانا رحمتہ اللہ علیہ بڑے ہی مبارک اور باکمال شخصیت تھے اور ہم مسلمانوں کے لئے ان کا وجود مسعود انعامات الٰہی میں سے تھا۔

ایسے پر آشوب دور میں مسلمانان پاکستان کا اس عظیم شخصیت سے محروم ہو جانا دراصل ہم مسلمانوں کی بدبختی ہے۔ (بنام مولانا محمد شریف جالندھری 27 صفر1391ھ)

○ حضرت الاستاذ، محدث کبیر مولانا محمد سرفراز خان صفدر زیدمجدہم ومتع اللہ المسلمین ببقائهم اپنی علالت کے سبب اس وقت ڈسکہ ضلع سیالکوٹ میں تھے۔ انہوں نے لکھا

ڈسکہ ہی میں یہ اندوہناک اور کمر توڑ خبر سنی کہ حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھریؒ کا انتقال ہو گیا ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

یہ جانکاہ خبر سن کر بے حد پریشانی ہوئی کہ مرد مجاہد اور فتنہ ارتداد کے مقابلہ میں سر سکندری ایسے موقع پر ہم سے جدا ہو گئی ہے، جبکہ ہم ان کی قیادت کے محتاج تھے۔ (بنام مولانا محمد شریف 28 صفر91ھ)

○ مولانا مفتی محمود رحمتہ اللہ تعالیٰ ایک عرصہ سے ملتان میں مقیم تھے۔ اس حوالہ سے مولانا المرحوم سے ان کے بہت ہی بے تکلفانہ تعلقات تھے۔ 62ء کی اسمبلی کے ممبر منتخب ہونے کے بعد مفتی صاحب کو نوابزادہ نصر اللہ خان صاحب کے پاس لے جانے والے ان سے سیاسی میدان میں مفتی صاحب کی رہنمائی

کی خواہش کرنے والے مولانا جالندھری ہی تھے۔

جو لوگ انتقال کی خبر سن کر سب سے پہلے دفتر مجلس میں آئے ان میں مفتی صاحب بھی تھے۔۔۔ جو آہ کہ اب خود مرحوم ہو چکے ہیں۔۔۔ انہوں نے اپنی تحریر میں لکھا

"فتنہ ارتداد کے انسداد کے لئے جس شخص نے اپنی تمام زندگی وقف کر دی وہ حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ تھے۔ احرار کے پختہ کار اور کہنہ مشق رہنما اور صف اول کے علماء میں نمایاں تر۔۔۔ مولانا کی شخصیت اس باب میں یقیناً روشنی کا مینار تھی آج وہ ہم میں نہیں تو ان کی کمی کا شدید احساس ہو رہا ہے۔"

○ احرار کے خاموش اور مخلص کارکن، مجلس کی مرکزی شوریٰ کے رکن اور راولپنڈی اسلام آبادی میں مجلس کی مفوضہ ذمہ داریوں کے ذمہ دار، مرحوم کے انتہائی معتمد مولانا محمد رمضان علوی۔۔۔ آہ کہ وہ بھی اب نہیں رہے۔ رحمتہ اللہ تعالیٰ، اپنی شدید علالت کے سبب جنازہ میں نہ پہنچ سکے جس کا انہیں شدید قلق تھا۔۔۔ انہوں نے لکھا۔۔۔!

"مولانا ہم سے جدا ہو گئے۔ لکھتے ہوئے قلم لرز رہا ہے۔ میں بذات خود صاحب فراش ہوں نماز کی ادائیگی بھی مشکل سے ہو رہی ہے۔ میری بدنصیبی کہ آخری زیارت سے محروم رہا ذرا بھی سفر کے قابل ہوتا تو جنازہ میں شرکت کرتا۔۔۔ اللہ کرے کہ تحفظ کی باگ ڈور مضبوط ہاتھوں میں دے۔" (بنام مولانا عزیز الرحمٰن و اراکین مجلس 24 صفر 91ھ)

○ مولانا کے یار طریقت اور بزم رائے پور کے گل سر سبد مولانا محمد سعید احمد رحمتہ اللہ تعالیٰ آف ڈونگہ بونگہ (بہاول نگر) نے لکھا

"اس قحط الرجال کے دور میں ان کا اس طرح جانا ایک ایسا المیہ ہے کہ جس سے ہر دینی جذبہ رکھنے والے کا دل بیٹھ جاتا ہے، یہ ایک ایسا خلاء ہے جس کا پر ہونا ممکن ہی نہیں ہے۔" (مولانا لال حسین اخترؒ اور صاحبزادگان کے نام، 26 اپریل 1971ء)

○ مولانا کے بچپن کے ساتھی اور ساری عمر کے اہل تعلق اور فقیر والی (بہاول نگر) کے مختصر سے گاؤں میں عظیم دینی درسگاہ اور عظیم لائبریری کے بانی و منتظم مولانا فضل محمد رحمتہ اللہ تعالیٰ نے لکھا

"مولانا امت مسلمہ کی متاع گراں مایہ تھے۔۔۔ اپنی ذات میں ایک انجمن، ایک موتمر اور ایک ادارہ تھے۔۔۔ مولانا کے انتقال سے مسلمان یتیم ہو گئے، خلوص و للہیت کا پتلا دیانت و متانت کا قالب ہم سے ہمیشہ کے لئے بچھڑ گیا۔" (مولانا عزیز الرحمٰن کے نام، 3 مئی 1971ء)

○ صوبہ سرحد کے مردم خیز خطہ بنوں کے ہونہار فرزند، مخلص و مدبر عالم مولانا صدر الشہید ایم این اے رحمتہ اللہ تعالیٰ نے لکھا

"مولانا کا شمار ان مشاہیر قوم میں سے تھا جو اپنے پیچھے اپنا ثانی نہیں چھوڑتے" (مولانا عزیز الرحمٰن و اراکین و مجلس کے نام 28 اپریل 1971ء)

○ ضلع جھنگ کے انتہائی مخلص و مدبر عالم' اس خطہ کے انسانیت دشمن جاگیرداروں کی نگاہوں میں کھٹکنے والے درویش صفت انسان مولانا محمد ذاکر ایم این اے رحمتہ اللہ تعالیٰ نے لکھا

''حضرت مولانا مرحوم اسلاف کی یادگار تھے' دینی جذبات' ملی احساسات بالخصوص تحفظ ختم نبوت کی خدمات میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے۔ مرحوم کے سفر آخرت اختیار کر جانے سے علمی و دینی دنیا میں جو خلا پیدا ہو گیا ہے اس خلا کا پر ہونا مشکل ہی نہیں محال نظر آتا ہے''۔(مولانا لال حسین و مبلغین کے نام' یکم ربیع الاول 1391ھ)

○ لاہور کی معروف دینی درسگاہ جامعہ اشرفیہ کے مہتمم مولانا عبید اللہ نے لکھا

حضرت جالندھریؒ کی وفات کی خبر پڑھ کر آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا اور حضرت مرحوم کی صورت' ان کا اخلاص' ان کی بے لوثی' ان کے ایمان کی پختگی ایک ایک کر کے تمام صفات نظروں کے سامنے آ گئیں۔

○ مجلس احرار اسلام کے رفیق دیرینہ' اکابر کی آنکھوں کے نور' متعدد تاریخی و جماعتی کتب کے مصنف و مئولف' جناب جانباز مرزا نے لکھا

ان کے خلوص' محبت رسول ﷺ اور زندگی کی انتھک محنت سے اختلاف کی گنجائش نہیں وہ بلاشبہ ایک تحریک تھے' اور بہادر سپاہی۔(بنام مولانا عزیز الرحمٰن' 23 اپریل 71ء)

○ رحیم یار خان کے معروف خادم دین و ملت سردار محمد اجمل خان لغاری جو خود بھی سفر آخرت پر روانہ ہو چکے ہیں' کے مکتوب میں ہے۔

اس اندوہناک واقعہ کا صدمہ جس قدر آپ کو ہے اس کا اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا' لیکن قوم کا بھی ناقابل تلافی نقصان ہوا ہے' آپ اسلاف کی یادگار تھے' تفکر و تدبر آپ کی فطرت ثانیہ تھی--- آپ کی ذات جامع صفات تھی نیز دور ماضی کی مجسم تاریخ--- چودھری صاحب اور شاہ جیؒ کے ہر دو رکے صحیح جانشین (مولانا عزیز الرحمٰن کے نام)

○ شمالی پنجاب کے معروف تاریخی قصبہ بھیرہ میں مسلک ولی اللّٰہی کی یادگار درسگاہ کے مہتمم الحاج مولانا افتخار احمد بگوی رحمتہ اللہ تعالیٰ کے مکتوب میں ہے۔

آپ کی وفات حسرت آیات سے ملت کا ناقابل تلافی نقصان ہوا۔(مولانا لال حسین اختر کے نام 29 اپریل 71ء)

○ لاہور کے معروف مسلکی مکتبہ رشیدیہ کے منتظم اور مقبول عام ''بیس بڑے مسلمان'' نامی کتاب کے مرتب مولانا حافظ عبدالرشید ارشد نے لکھا

میں اگرچہ حضرت مولانا سے بظاہر دور رہا لیکن جن دو چار حضرات سے مجھے والہانہ محبت و

عقیدت تھی ان میں سرفہرست نام حضرت مولانا کا تھا۔ آپ کے گرامی قدر والد ماجد علم و عمل کے تاجدار تھے ان کا خلوص و للّٰہیت اور سوز و گداز تعریف و توصیف کے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا وہ ہمارے قافلہ کے سالار تھے، ان کو دیکھ کر اور ان کے پاس بیٹھ کر خیال ہوتا تھا کہ دنیا اہل درد سے خالی نہیں ہوئی لیکن ع۔ اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر (مولانا عزیز الرحمٰن کے نام، 22 اپریل 71ء)

○ جزائر فیجی کی مسلم لیگ کے سیکرٹری محترم ایم ٹی خان صاحب نے لکھا :

یہ اسی بزم کے اہم رکن ہیں جس نے جزیرہ میں قادیانی ریشہ دوانیوں کے پیش نظر مجلس کو لکھا اور پھر اس محاذ پر بے پناہ خدمت سرانجام دی۔

اس دردناک اور ناقابل تلافی حادثہ سے عموماً فیجی کے تمام مسلمانوں اور خصوصاً مسلم لیگ کے ممبروں کو بہت ہی صدمہ پہنچا، ہم مسلمانان فیجی کو مولانا کی بدولت تبلیغی کاموں میں بڑی مدد مل رہی تھی۔ ان کی کمی شدت سے محسوس ہوگی۔۔۔ ان کی زندگی تمام مسلمانوں کے لئے مشعل راہ تھی۔ (مولانا لال حسین اختر کے نام، 6 مئی 71ء)

○ جماعت اسلامی کی ذیلی تنظیم جمعیۃ اتحاد العلماء کے ناظم اعلیٰ مولانا گلزار احمد مظاہری مرحوم کے بقول

اس پر آشوب دور میں جبکہ پاکستان اپنی تاریخ کے انتہائی نازک موڑ سے گزر رہا ہے ایک جید عالم دین کا ہم سے اٹھ جانا ملت اسلامیہ کا ناقابل تلافی نقصان ہے۔ مولانا جالندھری اس کارواں کے سرخیل تھے جس کی زندگیاں انگریزوں کے خلاف جہاد کرتے گزر گئیں۔ وہ تحریک ختم نبوت کی چلتی پھرتی تاریخ تھے ان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں (۲۴ اپریل 1971ء)

○ معروف شیعہ رہنما سید مظفر علی شمسی نے لکھا

حضرت مولانا کی خدمات جلیلہ اور انتھک محنتیں جو ختم نبوت کے سلسلہ میں تھیں وہ محتاج تعارف نہیں، مرحوم نے اپنی جان پر کھیل کر علم سرکار دوعالم ﷺ کو بلند رکھا اور باغیان ختم نبوت کو ہر محاذ پر شکست دی۔ (بنام مولانا محمد شریف 9 مئی 1971ء)

شعراء کے احساسات

حضرت مخدوم العلماء مولانا محمد عبداللہ درخواستی دام مجدہم کی معروف زمانہ درس گاہ کے استاذ حدیث اور مفتی مولانا غلام حیدر کا مرثیہ

مرثیہ حضرت مولانا جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

موت نے صدیوں سے گلشن اجاڑے ہیں باربار — ہو گئے لاکھوں ہزاروں لعل آغوش غبار

موت عالم موت عالم کا ہوا منظر عیاں — حسرتا مرد مجاہد حسرتا ضوع دیار

مسکراتا شوق دید حق تو رخصت ہوا — حلقہ احباب تیرا رو رہا ہے زار و زار

جو کیا تھا قول انور شاہ سے پورا کیا — کردی تو نے جان ناموس رسالت ؐ پر نثار

عمر تیری وقف تھی حق کی حمایت کے لئے — تیرے مرقد پر ہمیشہ رحمتیں ہوں بے شمار

تقریر تیری تھی مثالوں کی سمندر بے کنار

احرار کے معروف شاعر امین گیلانی کا درد میں ڈوبا ہوا مرثیہ

مولانا محمد علی جالندھری ؒ

چل بسا ختم نبوت کا جو دیوانہ تھا — جل گیا شمع رسالت ؐ کا جو پروانہ تھا

علم و اخلاص کی دولت سے بھرا تھا دامن — لیکن انداز مزاج اس کا فقیرانہ تھا

بات جو کرتا تھا وہ دل میں اتر جاتی تھی — اس کے سمجھانے کا انداز حکیمانہ تھا

اس کا ہر قول ہوا کرتا تھا معقول و بجا — اس کی ہر بات میں اک رنگ فقیہانہ تھا

اس کے ماتھے پہ اکابر کی حکایت تھی رقم — اس کی آنکھوں میں گئے دور کا افسانہ تھا

حفظ ناموس رسالت ؐ کی لگن تھی اس کو — داد و بیداد زمانہ سے وہ بیگانہ تھا

چل دیا، پاس بخاری ؒ کے بخاری ؒ کا رفیق — ان کا آپس میں بہت پیار تھا یارانہ تھا

دفتر ختم نبوت سے جنازہ نکلا — زندگی جس میں گزاری، یہی کاشانہ تھا

اختر اب تم ہو، علم اس کا نہ جھکنے پائے — اشعر اب تم ہو، چراغ اس کا نہ بجھنے پائے

22 اپریل 1971ء کو حضرت مولانا مرحوم کی وفات کی خبر پڑھ کر یہ اشعار لکھے (امین گیلانی)

مجلس تحفظ ختم نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت مولانا جالندھری قدس اللہ سرہ العزیز کی سیرت و سوانح بڑے اختصار کے ساتھ سامنے آ گئی' اس تحریر کو جتنا پھیلایا جائے پھیل سکتی ہے لیکن میں نے اس سے قصداً" صرف نظر کیا۔

البتہ مجلس کے حوالہ سے میں کچھ لکھنا چاہتا ہوں اور یہ عنوان اسی خواہش کا مظہر ہے اور یہ اس لئے مولانا اور مجلس لازم و ملزوم اور روح و قالب کی مانند ہیں اس لئے اس عنوان ---پر لکھنا ازبس لازم ہے--- مولانا المرحوم کی حیات مبارکہ کا ایک دور وہ ہے جب آپ جماعتی زندگی اور تنظیم میں نہ تھے بلکہ درس و تدریس وعظ و نصیحت اور دعوت تبلیغ کے میدان میں تھے اور بلاشبہ اس میدان میں بھی ان کا جواب نہ تھا دوسرا دور جماعتی زندگی کا ہے لیکن انہوں نے اس حوالہ سے مجلس احرار اسلام کے پلیٹ فارم سے ابتداء کی تو اسی کے تسلسل مجلس تحفظ ختم نبوت کے دفتر سے ان کا جنازہ اٹھا۔

بلاشبہ ایفاء و وفاداری کی ایسی مثالیں نہ ملیں گی---- وفاداری بشرط استواری عین ایمان ہے۔

مجلس احرار اسلام متحدہ ہندوستان کے ان لوگوں کی جماعت تھی جو دین اسلام کے سپریم لاء ہونے پر یقین رکھتے' مخلص' ایثار پیشہ اور درمیانی طبقہ کے یہ حضرات بلاشبہ ایسے تھے کہ ان کی مثال چشم فلک نے نہ دیکھی ہو گی مولانا اس جماعت کی صف اول کے لوگوں میں شامل تھے اور تقسیم کے وقت متحدہ پنجاب کے صدر اور بلاشبہ یہ بڑا اعزاز تھا اور ان کی صلاحیتوں کا زبردست اعتراف

تقسیم ملک کے بعد حضرت امیر شریعت قدس سرہ العزیز نے حالات و حقائق کا احساس کرتے ہوئے سیاسی میدان کو خیر باد کہہ دیا اور دعوت و تبلیغ کے میدان کو اپنا لیا

دستوری اور جمہوری اعتبار سے ملک کا ابتدائی دور بڑا ہنگامہ خیز تھا اور ملک مسلسل الحاد پسند و باطل پرست افراد کے تسلط میں آ رہا تھا بالخصوص قادیانی حضرات پر پرزے نکال رہے تھے اور مسلم لیگ کی مادر پدر آزاد اور دینی اقدار' علمی روایات اور انسانی احساسات سے عاری قیادت اس نہایت سازشی اور فتنہ پرور اقلیت کی زلف کا شکار ہو کر اس کے لئے راستہ ہموار کر رہی تھی---یہ دانستہ حرکت تھی یا لیگی قیادت کو مستقبل کا شعور نہ تھا---- ہر دو اعتبار سے معاملہ سنگین تھا۔

علماء اور دینی قوتوں نے ان حالات سے نمٹنے کے لئے اگر ایک طرف 23 دستوری نکات کا اہتمام کیا تو دوسری طرف اپنی صفوں کو منظم کر کے حکومت پر دباؤ ڈالنے کا عزم کر لیا تاکہ مرزائیت اور اباحت پسند ملک و ملت کے لئے فتنہ نہ بنیں۔

سچائی اور شعور سے بے بہرہ لیگی قیادت نے حقیقت پسندی کا مظاہرہ کرنے کے بجائے مجلس احرار اور جمعیت علماء ہند سے وابستہ اکابر اور کارکنوں پر ملک دشمنی اور مسلم مفادات سے غداری کا وہ مکروہ اور بھونڈا الزام لگانا شروع کر دیا جو اب تک بھی پاکستان کے ارباب اختیار کا ایسا مکروہ ہتھیار ہے جسے جب چاہا'

جس کے خلاف چاہا استعمال کر لیا۔

اس میں شبہ نہیں کہ مجلس احرار اور جمعیتہ کا موقف تقسیم کے حق میں نہ تھا لیکن سوال یہ ہے کہ تقسیم کا موقف وحی الٰہی پر مشتمل تھا کہ اس سے اختلاف کفر قرار دیا جائے؟

یہ سیدھی سادی بات سمجھ لی جائے تو بہت سے درد دور ہو سکتے ہیں اور حالات سنبھل سکتے ہیں لیکن جب یار لوگ اپنی سیاست بازی کے لئے ایک "ایشو" کو محفوظ ہتھیار کا درجہ دے دیں تو پھر کیا ہو سکتا ہے؟ یہاں جی ایم سید سے لے کر شیخ مجیب الرحمٰن جیسے سکہ بند مسلم لیگیوں کو بھی اسی انداز سے یاد کیا گیا جبکہ آج کل جی ایم سید بوجوہ پسندیدہ شخصیت ہیں جیسے کہ خان عبدالولی خان' ان کا خاندان اور ان کی جماعت آج کل پسندیدہ قرار پائی ہے۔

بہر حال شاہ جی جیسے مرد درویش نظر و بصیرت انسان نے حالات کو بھانپ کر ایک مناسب فیصلہ کر لیا اور ملک کو قادیانی ریشہ دوانیوں سے بچانے کے لئے وطن عزیز کی مختلف الفکر شخصیات اور جماعتوں سے رابطہ شروع کر دیا جس کے نتیجہ میں مجلس عمل معرض وجود میں آئی اور قانون کے دائرہ میں رہ کر حکومت پر دباؤ ڈالنے اور اپنے معقول و مناسب مطالبات منوانے کی جدوجہد شروع کی۔

اس جدوجہد کو عقل و دانش سے عاری حکمرانوں نے غلط نظر سے دیکھا۔ ٹکراؤ اور تشدد کی پالیسی اختیار کی اور لاتعداد رہنمایان ملت اور کارکنوں کو جیل میں ڈال کر ہزاروں کو جبر کے ہتھیاروں سے کچل دیا۔

یہی موڑ ہے جس پر بوتے حکمرانوں نے فوج کا سہارا لیا اور پھر فوج کو اس کا ایسا چسکا پڑا کہ وہ اس ملک کا مقدر بن گئی اور آئے روز اپنی قوم کو فتح کرنا اس کا "مقدس منشور" قرار پایا اس دور کی مسلم لیگی حکومت نے جس طرح اسلامی اور انسانی اقدار کو پامال کیا اس کی مثال ماضی قریب کی تاریخ میں غیروں کے دور میں بھی شاید نہ مل سکے انتہا یہ ہے کہ خواجہ ناظم الدین جیسے مرد صالح اور صوم و صلوٰۃ کے پابند وزیر اعظم قادیانی اہل قلم کو نواز رہے تھے تاکہ وہ جرائد و رسائل کا اہتمام کر سکیں۔ [۱]

1953ء کی تحریک ختم نبوت کی تاریخ۔۔۔ایک الگ موضوع ہے پہلے کہیں اشارہ کر چکے ہیں کہ

---

[۱] لاہور سے معروف قادیانی ادیب و شاعر جناب ثاقب زیروی کا ہفت روزہ "لاہور" شائع ہوتا ہے جس کی جلد 40 کا شمارہ 48 (30 نومبر 1991ء) ہمارے سامنے ہے جناب ثاقب نے اس شمارہ کے صفحہ 4 پر چودھری ظفر اللہ خان کے بھائی کے متعلق لکھی گئی ایک کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے جہاں اس بات پر فخر کا اظہار کیا کہ 1953ء کی تحریک کے دوران چند ماہ کے لئے لاہور کی جبری بندش کے علاوہ اس کی اشاعت کا کبھی ناغہ نہیں ہوا اس کو اشاعت کے ضمن میں جن حضرات نے ابتدائی سرمایہ کا اہتمام کیا ان کا ذکر کیا
اس فہرست سے ثابت ہوتا ہے کہ بنیادی سرمایہ کا سب سے بڑا حصہ خواجہ ناظم الدین اور انکی اہلیہ نے فراہم کیا۔ یا للعجب
ع۔ کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا (علوی)

اس موضوع پر ٹھوس کام ابھی ایک فرض ہے گو کہ اس حوالہ سے کئی تحریرات سامنے آچکی ہیں اس تحریک کا آخری المناک پہلو وہ انکوائری کورٹ تھی جس میں جسٹس منیراور جسٹس کیانی شامل تھے اور انہوں نے ایک ایسی رپورٹ مرتب کی جو خود نام نہاد مسلمانوں کی طرف سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک مکروہ دستاویز کا درجہ رکھتی ہے۔اناللہ وانا الیہ راجعون

تحریک ختم نبوت کے بعد 20 اپریل 54ء کو ملتان میں حضرت امیر شریعت کے دولت کدہ پر راہنمایان احرار کا اجتماع ہوا جس میں شاہ جی نے اپنے سابقہ ارشاد کا اعادہ فرماتے ہوئے سیاست سے علیحدگی اور مجلس کے دعوتی مشن کا اظہار واعلان فرمایا(دیکھیں روئیداد مجلس 1391ھ ص14)

البتہ یہ بھی ہوا کہ شاہ جی نے واضح کر دیا کہ اگر کچھ احباب سیاست سے دلچسپی رکھتے ہیں اور بہر طور یہ کام کرنا چاہتے ہیں تو بسم اللہ--

اس موقع پر شیخ حسام الدین اور ماسٹر تاج الدین رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے حضرات نے سیاسی کام کرنے کی خواہش کا نہ صرف اظہار کیا بلکہ شاہ جی سے مولانا محمد علی کو مانگا بھی کہ وہ سیاسی پلیٹ فارم پر کام کریں لیکن شاہ جی کا جواب یہ تھا۔

"انہیں آپ کو دے کر اپنے پاس کیا رکھوں گا؟" (۱)

بہر حال جو طے ہوا اس کی توثیق کے لئے 4۔5 ستمبر54ء کو ٹوبہ ٹیک سنگھ ضلع لائل پور (اب لائل پور فیصل آباد ہے اور ٹوبہ مستقل ضلع) میں اجتماع کا اہتمام ہوا۔ حضرت شاہ جی علالت کے سبب شریک بزم نہ تھے۔باقی حضرات جو تھے ان کے اسماء گرامی یہ ہیں۔حضرت مولانا قاضی احسان احمد صاحب' حضرت مولانا محمد علی صاحب' مولانا عبدالرحمٰن صاحب میانوی' مولانا لال حسین صاحب اختر' مولانا تاج محمود صاحب' سائیں محمد حیات صاحب' مولانا عبدالرحیم صاحب اشعر' مولانا محمد لقمان صاحب' مولانا

---

(۱) حضرت امیر شریعت رحمہ اللہ نے اس اجلاس میں مجلس احرار اسلام کو باقی رکھنے اور منظم کرنے کی دلی خواہش اور عزم کا اظہار فرمایا۔ چنانچہ حضرت امیر شریعت ہی کے حکم پر مجلس احرار اسلام کی باگ ڈور حضرت شیخ حسام الدین اور ماسٹر تاج الدین انصاری نے سنبھال لی اور جماعت کی سیاسی حیثیت کو بحال رکھا حضرت امیر شریعت نے مجلس تحفظ ختم نبوت کے قیام میں بھی اسی لئے مکمل دلچسپی لی کہ یہ جماعت کے شعبۂ تبلیغ تحفظ ختم نبوت کا ہی ایک تسلسل تھا تب احرار خلاف قانون تھی اور مجلس احرار کے تمام کارکن اور زعماء مجلس تحفظ ختم نبوت کے عنوان سے ہی کام کر رہے تھے۔ ۱۹۵۸ء میں جماعت پر سے پابندی ختم ہوئی تو ملتان میں حضرت امیر شریعت سرخ قمیص پہن کر رضاکاروں کے جلوس میں شریک ہوئے، پرچم احرار لہرایا اور خطاب فرمایا۔ اس خطاب میں آپ نے احرار کو منظم و باقی رکھنے کی ہدایت فرمائی۔
تاہم آپ آخر وقت تک احرار اور تحفظِ ختم نبوت دونوں کی سرپرستی فرماتے رہے۔ (ناشر)

قاضی عبداللطیف صاحب، مولانا غلام محمد صاحب، مولانا خلیل الرحمان صاحب، مولانا مجاہد الحسینی صاحب، مولانا محمد شریف صاحب بہاولپوری، چوہدری بشیر احمد صاحب شیخوپورہ، مولانا محمد صدیق صاحب مرید کے، مولانا احمد صاحب، حافظ احمد دین صاحب، مولانا محمد شریف صاحب جالندھری"۔

مولانا جالندھری نے پالیسی کی وضاحت کی اور واضح کیا کہ شاہ جی کے یہاں (20 اپریل 54ء) کو ایک بات طے ہو چکی ہے، سیاست کے شائقین اپنی راہ الگ کر چکے ہیں مزید کوئی دوست ایسا کرنا چاہے تو اس کے لئے بھی راہ کھلی ہے۔ رہ گئی مجلس تو "وہ محض تبلیغی جماعت رہے گی۔" (روداد 91ھ ص15)

اس موقع پر قاضی احسان احمد صاحب نے بھی مفصل گفتگو کی اور دوسرے حضرات نے بھی گفتگو میں حصہ لیا قاضی صاحب کی گفتگو کا خلاصہ یہ ہے۔

آج کے حالات میں ملک میں تبلیغی ادارہ کا قیام از بس ضروری ہے۔ 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد ہمارے اکابر نے اسلام کے تحفظ کے لئے مدارس دینیہ کا قیام ضروری خیال فرمایا تھا اور ان حضرات نے مدارس اسلامیہ کے ذریعہ دین کی خدمت سرانجام دی۔ اب مدارس اسلامیہ کے ساتھ ساتھ ایک ایسے ادارے کی ضرورت ہے جس کا کام محض تبلیغ دین ہو۔ ادارے کے مبلغین مہذب اور تعلیم یافتہ دنیا میں تبلیغ دین کے ساتھ ہی ایسے دور دراز علاقوں میں جائیں جہاں کی اکثریت غیر تعلیم یافتہ اور دین سے بے خبر ہے۔

اسی موقعہ پر ایک دس نکاتی اصولی چارٹر سامنے آیا جو گویا مجلس کے لئے سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے ضروری ہے کہ اس کو محفوظ کر دیا ہے۔

1۔ مجلس احرار نے جب سیاست سے علیحدگی اختیار کی تو مقصد الیکشن سے علیحدگی تھا۔ لیکن ملکی اور شہری حقوق سے دستبرداری یا حکومت پر جائز نکتہ چینی سے دستبرداری مراد نہ تھی۔ اب مجلس ختم نبوت کی بنیاد یہ ہے کہ یہ جماعت صرف تبلیغی جماعت ہے اس کو دینی باتیں صرف وعظ و پند کے طور پر کہنی ہوں گی۔ تنقید اور نکتہ چینی کا رنگ نہ ہو گا اس کی بنیاد ہی صرف تبلیغ ہے۔ اس لئے کسی کو کسی وقت بھی اس کی بنیادی اساس تبدیل کرنے کا حق نہ ہو گا۔

2۔ تبلیغ کا مفہوم پہنچانا ہے۔ منوانا نہیں، اس لئے ہر مبلغ کو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ مجھے دین کی بات عوام تک پہنچانا ہے۔ منوانا میرے فرائض میں داخل نہیں۔

3۔ چونکہ یہ کام اور دین کی ضرورت متقاضی ہے کہ یہ جماعت نہ صرف ملک کے اندر بلکہ باہر بھی اپنے مبلغ بھیجے۔ اس لئے تمام حضرات اس نیک مقصد کے لئے نئے کارکن پیدا کرنے کی سعی کریں۔

4۔ چونکہ تمام عقائد حقہ کی تبلیغ ضروری ہے اس لئے مبلغ حضرات مرزائیت کے علاوہ دوسرے فرقہ ہائے باطلہ کے عقائد سے بھی واقفیت پیدا کریں لیکن تبلیغ میں منافرت کا رنگ نہ ہو۔

5۔ مبلغ حضرات تقریر کے علاوہ تحریر کی طرف بھی توجہ دیں۔ تبلیغ کے لیے مضمون نگاری بھی ضروری ہے۔ مختلف مسائل پر مضامین لکھ کر مجاہد صاحب [1] کو دکھلائیں تاکہ وہ ادبی اصلاح فرما سکیں۔ ثانوی درجہ پر جو حضرات انگریزی زبان کو سیکھنے کی سعی فرمائیں گے جماعت ان کے کاغذ کتاب اور قلم وغیرہ کے اخراجات کی کفیل ہوگی۔

6۔ تمام حضرات شدت کے ساتھ ارکان اسلام کی پابندی کریں جبکہ جماعت محض تبلیغی ہے اور لوجہ اللہ کام کرنا ہے۔ تو سب کو اوقات نماز اور احکام دین کی پابندی ضروری ہے۔ جو صاحب جس جگہ جائیں اگر وہاں کوئی عالم دین یا روحانی پیشوا ہوں تو ان کی خدمت میں ضرور حاضر ہوں۔ اپنا مقصد عرض کر کے دعا اور اعانت کی درخواست کریں۔

7۔ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی تبلیغی جماعت کے اجتماعات میں شریک ہوں اور ان حضرات کے ساتھ مل کر بھی تبلیغی فرائض انجام دیں۔

8۔ ہر مبلغ سفر میں ہو یا دفتر میں' ہفتہ وار تبلیغی اجتماع ضرور بلائیں' جس میں اس جگہ کے کارکن شریک ہوں' ضروریات دین کی تعلیم دی جائے اور تبلیغ کی طرف متوجہ کیا جائے۔

9۔ مجلس تحفظ ختم نبوت ایک خاص مسئلہ کے لئے معرض وجود میں آئی تھی۔ مگر اس کے ہر مسئلہ کو پہنچانا مبلغ کے فرائض میں داخل ہے۔ جماعت کے مبلغ کی روش مملکت پاکستان کے فرقوں میں منافرت کا باعث نہ ہو۔ کسی کی دل شکنی نہ ہو۔ کسی کو اعتراض کا موقعہ نہ دیا جائے۔

10۔ دستوری کمیٹی جس کے ارکان حضرت مولانا محمد علی صاحب' حضرت مولانا تاج محمود صاحب' حضرت مولانا مجاہد الحسینی صاحب مقرر ہوئے کہ جماعت کا دستور مرتب کریں اور آئندہ اجلاس سرگودہا میں پیش کریں۔ مذکورہ اراکین اگر ضرورت محسوس کریں تو مزید دو رکن اپنے ساتھ ملالیں۔ (اگلا اجلاس مجبوری کے سبب سرگودہا کے بجائے ملتان مرکزی دفتر میں ہوا)

جیسا کہ آپ نے دیکھا 10ویں نکتہ کا تعلق ایک سہ رکنی کمیٹی سے ہے جو دو رکن مزید ساتھ لے سکتی ہے (اگر ضرورت محسوس کرے) اس کا کام دستور کی ترتیب تھی۔ اس کمیٹی کے سربراہ مولانا جالندھری تھے تین ماہ کے عرصہ میں دستور مرتب ہو کر سامنے آیا تو 13 دسمبر 54ء میں ملتان میں اجلاس منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں بڑی تعداد میں علماء اور کارکن تشریف لائے۔ حضرت امیر شریعت قدس سرہ ایک مختصر سے کرایہ کے مکان میں مقیم تھے' اتنے بڑے اجلاس کی وہاں گنجائش نہ تھی اور شاہ جی کی علالت ان کے دفتر تشریف لانے میں سدراہ تھی اس لئے ان کی اجازت سے اجلاس دفتر مرکزیہ میں ہوا صدارت مولانا جالندھری نے کی۔ کمیٹی کے رکن مولانا تاج محمود رحمتہ اللہ تعالیٰ مرتبہ دستور کی ایک

[1] (مولانا مجاہد الحسینی اس وقت جماعت کے ترجمان اخبار کے ایڈیٹر تھے)

ایک شق پڑھتے اس پر بحث ہوتی۔ جو ترامیم سامنے آتیں وہ نوٹ کرلی جاتیں اور اس قسم کی تمام ترامیم آخر میں مولانا محمد علی چند رفقاء کے ساتھ شاہ جی کے پاس لے کر گئے یوں دستور کا کٹھن مرحلہ طے ہوا۔ دستوری مرحلہ طے ہونے کے بعد آخری اجلاس میں مولانا محمد علی نے فرمایا موجودہ حضرات کو پرانے ساتھی سمجھ کر دعوت دی گئی ہے۔ اب جو حضرات مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کے نصب العین سے متفق ہیں وہ میثاق رکنیت پر دستخط کردیں۔ اسی موقعہ پر میثاق رکنیت کا اہتمام ہوا اور اتفاق رائے رکھنے والے حضرات کے دستخط کرائے۔۔۔ پہلا دستخط حضرت امیر شریعت کا ہے۔ (بنیادی دستاویز کی کاپی کتاب میں شامل ہے) اکثر حضرات نے اتفاق رائے کا مظاہرہ کیا اور دستخط کردیئے۔

مولانا تاج محمود نے اس بات کا اظہار کیا کہ عارضی انتخاب ہو جانا چاہیے چنانچہ مولانا محمد علی کی تحریک پر حضرت امیر شریعت پہلے امیر قرار پائے اور حضرت شاہ جی نے احباب کے مشورہ سے مولانا جالندھری کو ناظم عمومی نامزد فرمایا۔ جو ان کی مولانا پر اعتماد کی سب سے بڑی دلیل ہے اور ساتھ ہی ان کی بصیرت کا شاہکار۔۔۔۔ مناسب ہوگا کہ اس موقعہ پر پہلی شوریٰ کے ارکان کے اسماء گرامی بھی درج کر دیئے جائیں تاکہ ابتدائی دور میں اس کشتی کے کھیون ہاروں کے اسماء محفوظ کرسکیں۔

اسمائے گرامی مجلس شوریٰ

حضرت امیر شریعتؒ، محمد علی صاحب جالندھریؒ، مولانا عبدالرحمٰن صاحب میانویؒ، مولانا لال حسین صاحب اخترؒ، مولانا تاج محمود صاحبؒ، مولانا مجاہد الحسینی صاحب، مولانا محمد رمضان صاحب میانوالی، مولانا نذیر حسین صاحب بنوں عاقل، مولانا علاء الدین صاحب ڈیرہ اسماعیل خان، حافظ محمد شریف صاحب ملتان، ماسٹر اختر حسین صاحب ملتان۔

مولانا جالندھری ابتداء ہی سے مجلس کے کلیدی رکن تھے ابتداء میں وہ حضرت امیر شریعت کیساتھ ناظم اعلیٰ رہے پھر ان کی وفات کے بعد قائم مقام امیر، اسکے بعد امارت قاضی صاحب کے حصہ میں آئی تو وہ بدستور ناظم اعلیٰ رہے، ان کی وفات کے بعد امیر قرار پائے اور یہ سلسلہ ان کی وفات تک قائم رہا۔

گویا مجلس کے قیام 54ء سے اپنی وفات 71ء تک (لگ بھگ 17 برس) وہ مجلس کے ابتدائی رکن، کلیدی عہدے دار اور ذمہ دار حیثیت سے مصروف کار رہے۔

ان کو اللہ تعالیٰ نے جو صلاحیتیں بخشی تھیں ان کا انہوں نے بھرپور استعمال کیا اور مجلس کا حلقہ اثر مغربی پاکستان کے بعد مشرقی پاکستان (وہاں نظم اب بھی قائم ہے اور برابر رابطہ) ہندوستانؒ، یورپ، مشرق

۱؎ چند سال قبل مرکز علمی دارالعلوم دیوبند کی انتظامیہ بالخصوص حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے فرزند رشید مولانا سید اسعد زید مجدھم نے وہاں باقاعدہ مرکز قائم کیا اور دارالعلوم میں اس ضمن میں ایک مستقل شعبہ کی

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

بعید، مشرق وسطیٰ، اور افریقی ممالک تک قائم ہو گیا۔ اس میں بنگلہ دیش، ہندوستان، یورپ، جزائر فجی کا کام تو ان کے دور کا ہے جبکہ دوسرے مقامات پر ان کے بعد رابطہ ہوا۔ بہر حال الاول فالاول کے مصداق باقی مقامات کی کارکردگی بھی ایک طرح انہی کے حسنات کا حصہ ہے۔ مالی اعتبار سے ان کا دیانت دارانہ طرز عمل جہاں ایک ریکارڈ ہے وہاں اتنا صاف ستھرا حساب کم ہی کسی ادارے کا نظر آئے گا۔

ایک ملائے مکتبی کا معاشیات کے اس اہم پہلو میں مجتہدانہ رول اس کی خداداد صلاحیتوں کا مظہر ہے حساب کے معاملہ میں ملک کے نامور آڈیٹر حضرات کی رپورٹس اس حوالہ سے بڑی اہم ہیں۔ مثلاً مجلس کے 89۔88۔1387ھ تین سال کے حالات کی رپورٹ لاہور کی معروف فرم حسین چودھری نے یہ دی۔

ہم نے مندرجہ بالا سالہائے کے حسابات آڈٹ کئے حسابات درست ہیں اور ایسے صحیح اور عمدہ حسابات بہت کم دیکھنے میں آئے ہیں۔ (رپورٹ 91ھ ص 24)

حسین چودھری فرم کے مالکان سے جو حضرات واقف ہیں انہیں معلوم ہو گا کہ ملک کی یہ قدیم ترین چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ کمپنی ہے جس نے ہندوؤں کو ناک چنے چبوائے۔ کس طرح سختی سے آڈٹ کرتی ہے۔ تو انہیں اندازہ ہو گا کہ ان کے معیار پر پورے اترنے والے محمد علی جالندھری اور ان کے تربیت یافتہ ہی ہو سکتے ہیں۔ سفر اور خوراک کے معاملہ میں وہ حد درجہ کفایت شعار تھے۔ ریل کے عام درجات میں سفر کرنا۔ ضرورت پر گھوڑے، اونٹ، سائیکل پر سفر کر لینا یا میلوں پیدل چل لینا ان کے لئے باعث ثواب و سعادت تھا وہ ایسے انسان تھے کہ سردی تک سفر میں جب قدرتی طور پر سامان زیادہ ہوتا ہے، قلی سے احتراز کرتے، سامان خود اٹھا لیتے اور بارگاہ رب العزت میں عرض کرتے۔ "اللہ میاں جو پیسے قلی کو دینے تھے وہ میری طرف سے مجلس کا چندہ قبول فرما" (روداد 1391ھ ص 29)

اس کے تو ہم عینی گواہ ہیں کہ کسی نے ٹھنڈے گرم کی پیشکش کی تو فرماتے کہ جتنے پیسے مجھ پر خرچ کرنے ہیں وہ مجلس کو بطور چندہ دے دیں۔۔۔ وقت بے وقت کھانے پینے سے بچتے۔ بہت احتیاط برتتے اور نہایت سادہ کھانے پر اکتفا کرتے۔ ان کے زمانے میں ملک کے اکثر بڑے شہروں اور اہم قصبات میں

بقیہ حاشیہ سابقہ صفحہ

بناء ڈالی جو اس محاذ پر برابر سرگرم عمل ہے۔ پاکستان میں قادیانی حضرات اپنی صد سالہ جشن نہ کر سکے اور ان کا امیر و امام لندن چلا گیا تو اب وہ اس تقریب کو ہندوستان میں اپنے بابا کی جنم بھومی قادیان میں کر رہے ہیں۔ مخلص اصحاب نظر کا کہنا ہے کہ ہندوستان میں بعض گرامی قدر شخصیات مثلاً علماء لدھیانہ، مولانا گنگوہی، مولانا محمد علی مونگیری، مولانا محمد انور شاہ کاشمیری، مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوری اور الیاس برنی رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے حضرات کی مساعی سے قادیانیت نہ ہونے کے برابر تھی۔ اب پاکستان کے حالات کے سبب انہوں نے دوبارہ ادھر کا رخ کیا ہے تاہم اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ ان کا تعاقب کرنے کے لئے اہل نظر وہاں بھی منظم شکل میں موجود ہیں۔ (علوی)

جماعت کے دفاتر قائم ہوئے۔ جن میں سے بہت سے دفتر جماعت کے ملکیت تھے۔ ہر اہم جگہ مبلغ کا تقرر، مرکزی سطح پر چند اچھے مبلغین کا اہتمام، نئے مبلغین کے لئے تربیت گاہ، بعض مقامات پر قرآنی مکاتب اور ابتدائی مدارس قائم کئے الغرض انہوں نے مختلف حوالوں سے اتنا کام کیا کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔[۱۰۶]

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کی ایک تقریر آخر میں نقل کردی جائے جو انہوں نے 8 مئی 58ء کو اس وقت ارشاد فرمائی جو 8، 9 مئی 58ء کو دفتر مرکزیہ ملتان میں حضرات مبلغین عظام کے اجلاس کے افتتاح پر فرمائی۔

اس تقریر سے مولانا کی فطرت سلیم اور جماعت کے متعلق ان کے جذبات و احساسات کو سمجھنے میں بڑی مدد ملے گی۔ ان کا خلوص سامنے آئے گا، وہ جماعت کو کس رخ پر چلانے کے متمنی تھے، کارکنوں اور مبلغین کو کس طرح دیکھنا چاہتے تھے، ان سب باتوں کا اندازہ اس بات سے ہوگا اور یہ بات بالکل صحیح ہے کہ یہ الہامی تقریر کل کی طرح آج بھی تازہ ہے اور جس طرح کل کے احباب و مبلغین نے اسے پلے باندھا آج کے احباب کو بھی لازم ہے کہ اس کے ایک ایک حرف کو توجہ سے پڑھیں، بار بار پڑھیں اور پلے باندھیں۔ عمل کریں۔۔۔۔

"جس وقت مجلس تحفظ ختم نبوت کے نام پر تحریک کے بعد کام شروع کیا گیا تو نہایت نازک دور تھا۔ کسمپرسی کا عالم تھا۔ لیکن ان مشکلات کے باوجود خواہش تھی کہ جس طرح اکابر نے ملک میں مفت دینی تعلیم کا انتظام کیا ہوا ہے اسی طرح ایک ادارہ ہو جو تبلیغ دین کا کام مفت انجام دے۔

الحمد للہ! کہ امید سے کہیں زیادہ بہتر نتائج برآمد ہوئے۔ ساتھی منظم ہو گئے قوم نے روپے سے امداد کی۔ اس سے قبل کوئی ادارہ اس مطلب کا نہیں تھا۔ میں اس کامیابی پر خدا تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں اور آپ ساتھیوں کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ عیسائیوں نے ابتداء اسلام میں کہا تھا کہ اسلام تین چیزوں کی وجہ سے سربلند ہے۔ "اتحاد، موت سے محبت اور دنیا سے بیزاری" اگر غور کیا جائے تو یہ تین چیزیں مسلمانوں میں پیدا ہو جائیں تو پھر سے مسلمانوں کی زندگی آجائے۔ الحمد للہ! کہ جماعت کے نظم کے ماتحت تمام ساتھی تندہی سے کام کر رہے ہیں۔ لیکن اس ترقی پر مجھے کچھ فکر بھی لاحق ہے۔ جوں جوں نظم میں وسعت آتی ہے ذمہ داریاں بڑھتی ہیں۔ ساتھیوں کی مقبولیت سے شیطان کو وسوسہ ڈالنے کا موقعہ ملے

---

۱۰۶ الحمد للہ کہ یہ سلسلہ مسلسل بڑھ رہا ہے۔ دفاتر کا قیام مبلغین کی تقرری، تربیت گاہ، مرکزی کتب خانہ میں توسیع اور بیرونی ممالک کی خدمات کا دائرہ برابر بڑھ رہا ہے جس سے حضرت امیر شریعت اور مولانا سمیت تمام مرحوم بزرگوں اور احباب کی روحیں اپنی اپنی قبروں میں مسرور و مطمئن ہوں گی اور سب سے بڑھ کر یہ سلسلہ حضور ختمی مرتبت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مسرت و خوشی کا باعث ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی رضا میسر آئے گی۔ وفقنا اللہ تعالی وایاہم لما یحب ویرضیٰ۔ (علوی)

گا اس لئے نہایت خلوص کے ساتھ کام کرنے کی ضرورت ہے اور ہر وقت ہمیں دست بدعا رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کام کو قبول فرمائے اور مزید توفیق عطاء فرمائے"

"ہم لوگ دیہات میں تبلیغ دین کے لئے جاتے ہیں اکثر جگہ جلسہ کے منتظم ایسے ہوتے ہیں جو نان شبینہ تک کے محتاج ہوتے ہیں لیکن علماء کی منت کر کے لاتے ہیں۔ مرغیاں کھلاتے ہیں' سواری کیلئے گھوڑے لاتے ہیں۔ خدمت کرتے ہیں حالانکہ تبلیغ دین کے لئے مصائب برداشت کرنے کا بوجھ عوام سے کہیں زیادہ علماء پر ہے ڈرتا ہوں کہ کہیں یہ بات علماء کی گرفت کا باعث نہ بن جائے۔ پچھلے دنوں خان پور سے آ رہا تھا کہ گاڑی میں حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب بہلوی مدظلہ (شجاع آباد ملتان کے معروف شیخ طریقت' مقرر قرآن' مجاہد' چند سال قبل انتقال فرما گئے) بھی موجود تھے جو اس دور میں غنیمت ہیں۔ ان کے ساتھ جن بزرگوں کا تعلق ہو جاتا ہے ان کی اصلاح ہو جاتی ہے اور تعلق باللہ اور اعراض عن الدنیا پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ دوران سفر فرمانے لگے کہ "تبلیغ بہت گراں ہوتی جا رہی ہے علماء زاد راہ بہت چارج کرتے ہیں" جب میں نے جماعت کے حالات بیان کئے کہ ہم خدام بغیر فیس وصول کئے اور بغیر مقرر کئے جاتے ہیں تو بہت خوش ہوئے۔ ایسے ہی پیر صدر الدین خان گڑھی نے کہا" دفتر میں اطراف ملک سے ایسے خطوط آتے ہیں کہ ہم نے فلاں فلاں جماعتوں کو اس لئے چھوڑ دیا ہے کہ وہ خرچ بہت کرواتے ہیں ابھی چند دن ہوئے ایسا ہی ایک خط ضلع کیمبل پور سے آیا ہے"

"حضرت تھانویؒ نے صحیح پیر کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ لکھی ہے کہ اس علاقہ کے اہل علم اور دین دار لوگ اس کی طرف متوجہ ہوں۔۔ یث پاک میں بھی یہی مضمون فرمایا گیا ہے کہ مقبولیت پہلے آسمان پر ہوتی ہے پھر دنیا میں آتی ہے۔ اس ملک میں حضرت اقدس مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ حضرت حافظ الحدیث مولانا درخواستی مدظلہ اہل اللہ کے سرتاج ہیں۔ وہ ہماری جماعت کے کام کی تعریف کرتے ہیں اور کامیابی کیلئے دعا فرماتے ہیں۔ حضرت درخواستی مدظلہ نے اس سال دستار بندی کے جلسہ میں اکابرین کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ .

"ھٰؤلاء اٰبائی" اور مبلغین کی طرف اشارہ کر کے فرمایا "ھٰؤلاء اخوانی" اور طالب علموں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا "ھٰؤلاء ابنائی"

معلوم ہوا کہ ہمارے معزز مبلغین اہل اللہ کے ہاں محبوب ہیں کسی نے حضرت اقدس رائے پوری کے ہاں حضرت مولانا میانوی صاحب (قافلہ احرار و مجاہدین ختم نبوت میں سے ایک نڈر و بے باک انسان' چند سال قبل اللہ کو پیارے ہو گئے۔ رحمتہ اللہ تعالیٰ) کی شکایت عین کھانے کے وقت کی تو حضرت مدظلہ (اپنے وقت کے عظیم شیخ طریقت مجاہد انسان بلکہ مجاہدین حریت کے قافلہ کے سالار) نے کھانا چھوڑ دیا اور فرمایا کہ یہ لوگ صحابہؓ کے نقش قدم پر ہیں یہی بات حضرت نے لاہور اور لائل پور میں فرمائی۔ اتحاد'

محبت اور خلوص کی ضرورت ہے نبوت کا کام ہمارے ذمہ ہے ملک کی اقتصادی حالت بد سے بد تر ہوتی جا رہی ہے ایسے میں خدا کا شکر کرو کہ لوگ تمہاری خدمت کر رہے ہیں۔ وہ شخص بہت خوش قسمت ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے دین کے کام میں روٹی دیتا ہے۔ تمہارے ساتھ بہت سے لوگ فارغ ہوئے کیا وہ علماء تنگ دست ہیں جو تمہارے ساتھ ہیں؟ ذی الحجہ میں ہم سب لوگ پابند تھے لیکن آمدن گذشتہ سال سے زیادہ ہوئی۔ ذالک فضل اللہ

مولانا لال حسین اختر صاحب کے واقعات کو مشعل راہ بناؤ کہ وہ تم سے قابل اور معمر ہیں لیکن سب سے زیادہ مشقت برداشت کرتے ہیں اور اپنے منتظم کی بات ہر حال میں مانتے ہیں۔ رمضان میں اگر کوئی کام کرے تو دفتر ڈبل تنخواہ دیتا ہے۔ مولانا نے سرگودھا میں چند دن کام نہ کیا تو خود سے تنخواہ وضع کرا دی۔

1۔ دو باتیں کہتا ہوں کہ ایک ضابطہ کی پابندی، ضابطہ بناتے وقت جیسا چاہو بنا لو۔ اگر سخت ہے نرم کر لو۔ لیکن جب طے کر لو تو اس کی پابندی کرو۔

2۔ دوم جلسوں پر جاؤ تو کوئی چیز نہ مانگو جو ملے کھا لو۔ آپس میں محبت سے رہو۔ اپنے منتظم کی اطاعت کرو۔ "ولو سلط علیکم عبد حبشی" اپنے بنائے کی لاج رکھو وعدہ خلافی نہ کرو۔ طے شدہ پروگرام میں ردوبدل نہ کرو۔ رخصت حاصل کردہ سے زیادہ نہ گزارو، باہر جلسوں پر آئندہ کے لئے وقت خود نہ دو بلکہ داعی سے کہو کہ دفتر کو لکھے۔"

بہرحال حضرت امیر شریعت، قاضی صاحب، مولانا جالندھری، مولانا محمد حیات، مولانا لال حسین اختر، مولانا محمد شریف بہاولپوری، مولانا عبدالرحمٰن میانوی، مولانا محمد شریف جالندھری اور ایسے ہی متعدد مخلصین کی شبانہ روز محنتوں سے مجلس کا معاملہ آج

اصلها ثابت وفرعها فی السماء

کا مصداق ہے۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ اس کار خیر کو سدا بہار رکھے اور اس سے وابستہ جملہ حضرات کو دولت خلوص سے سرفراز فرمائے۔

ع۔ ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

اختتام 27 جمادی الاول 1412ھ

4 دسمبر 1991ء

شب پنجشنبہ 10 بجے

تعارف مؤلف:

نام: محمد سعید الرحمن علوی رحمہ اللہ
ولدیت: مولانا حافظ محمد رمضان علوی رحمہ اللہ
پیدائش: ۴/اپریل ۱۹۴۸ء
انتقال: ۲/اکتوبر ۱۹۹۴ء

تعلیمی اسناد:

تجوید و قرأت، حفظ قرآن (۱۹۵۶ء)
درس نظامی مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ (فرسٹ ڈویژن) ۱۳۸۷ھ-۱۹۶۶ء
شھادۃ العالمیہ فی العلوم الاسلامیہ عربیہ ۱۴۰۵ھ
فاضل اردو پنجاب یونیورسٹی لاہور ۱۹۸۶ء
بی-اے پنجاب یونیورسٹی لاہور ۱۹۸۷ء
ایم-اے عربی-پنجاب یونیورسٹی لاہور (فرسٹ ڈویژن) ۱۹۹۱ء
ایم-اے اسلامیات پنجاب یونیورسٹی لاہور (سیکنڈ ڈویژن) ۱۹۹۳ء

رسائل و جرائد

ذیل کے رسائل و جرائد میں آپ کے مقالات و مضامین شائع ہوتے رہے

۱-ماہنامہ "المعارف" ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور
۲-سہ ماہی "منہاج" دیال سنگھ ریسرچ سیل لاہور
۳-ماہنامہ "الحق" اکوڑہ خٹک، ضلع نوشہرہ (صوبہ سرحد)
۴-ماہنامہ "نقیب ختم نبوت" ملتان
۵-پندرہ روزہ "الاحرار" لاہور
۶-ہفت روزہ "چٹان" لاہور
۷-ہفت روزہ "خدام الدین" لاہور
۸-ماہنامہ "شمس الاسلام" بھیرہ
۹-ماہنامہ "اشراق" لاہور
۱۰-ماہنامہ "الرشید" لاہور
۱۱-ماہنامہ "میثاق" لاہور
۱۲-ماہنامہ "حکمت قرآن" لاہور
۱۳-ہفت روزہ "حرمت" راولپنڈی
۱۴-ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور
۱۵-ہفت روزہ "لولاک" فیصل آباد
۱۶-ماہنامہ "قومی ڈائجسٹ" لاہور

تراجم

۱۔ کیمیائے سعادت از امام غزالی رحمہ اللہ (مطبوعہ لاہور ۲۔ تعبیر الرؤیا امام ابن سیرین (مطبوعہ لاہور)
۳۔ مغازی رسول ﷺ عروہ بن زبیر (سیرت رسول پر موجود پہلی کتاب)
مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور
۴۔ احیاء علوم الدین مصنفہ امام غزالی (پیراگرافک ترتیب فہرست مضامین)
۵۔ مختصر القدوری (فقہ کی معروف کتاب) غیر مطبوعہ ۶۔ مقدمہ، تاریخ ابن کثیر (البدایہ والنہایہ)
۷۔ مقدمہ سوانح ابنِ تیمیہ ۸۔ اہل بیت نبوت، (مطبوعہ بساط ادب لاہور)
۹۔ خلفاء راشدین، حسنِ کردار و عمل، (مطبوعہ بساط ادب لاہور) ۱۰۔ *یذید بن معاویہؓ کے خلاف
دو سنگین الزامات (ڈاکٹر محمد العریفان)
*امیر یذید کے خاندانی حالات (محمد بن ابراہیم الشیبانی)

تالیفات

۱۔ لسان القرآن ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور (زیر ترتیب) ۲۔ مولانا محمد علی جالندھریؒ (بخاری اکیڈمی ملتان)
۳۔ استاذ القراء قاری محمد شریف رحمہ اللہ ۴۔ مقدمات متعدد کتب علمیہ و تاریخیہ بعنوان "حرفے چند"
۵۔ افکار شیعہ ۶۔ واقعہ کربلا اور مراسم عزاء

ادارت

۱۔ مدیر ہفت روزہ خدام الدین لاہور ۱۹۷۴ء تا ۱۹۸۴ء ۲۔ رکنِ شعبہ ادارت: ماہنامہ میثاق لاہور

مقالات و کالم نویسی

آپ کے سینکڑوں مقالات و کالم درج ذیل اخبارات میں شائع ہوئے۔
۱۔ روزنامہ "امروز" لاہور ۲۔ روزنامہ "مشرق" لاہور
۳۔ روزنامہ "جنگ" لاہور ۴۔ روزنامہ "پاکستان" لاہور
زندگی کے آخری ایام میں آپ روزنامہ "پاکستان" کے شعبہ ادارت سے وابستہ تھے اور مستقل کالم نگار تھے۔

تدریس و خطابت

۱۔ جامع مسجد مرکزی حضرو (اٹک) ۲۔ جامعہ فرقانیہ مدنیہ راولپنڈی
۳۔ مدرسہ حسینیہ سلانوالی سرگودھا ۴۔ مدرسہ انجمن خدام الدین شیرانوالہ گیٹ لاہور
۵۔ انجمن خدام القرآن ماڈل ٹاؤن لاہور ۶۔ جامعہ صدیقیہ گلشن راوی سکیم لاہور
۷۔ جامع مسجد الشفاء شاہ جمال لاہور

قیام لاہور بیس سال

مصنف:

مولانا محمد اسحٰق صدیقی سندیلوی رحمۃ اللہ علیہ

عقیدہ ختم نبوت پر اپنی نوعیت کی

منفرد اور ممتاز کتاب قیمت: ۲۵ روپے

قادیان سے اسرائیل تک

تالیف: ابو مدثرہ بشیر احمد

قادیانیت کے سیاسی تعاقب میں پہلی منفرد کتاب

جس کا جواب آج تک قادیانیوں کے ذمہ ہے

قیمت: ۶۰ روپے

وفاق المدارس الاحرار پاکستان کے تحت قائم دینی ادارے

مجلس احرار اسلام، دینی انقلاب کی داعی جماعت ہے۔ یہ انقلاب دینی مزاج اور دینی ماحول پیدا کئے بغیر ممکن نہیں۔ موجودہ کافرانہ نظام ریاست، جمہوریت اور کافرانہ تہذیب و ثقافت کے خلاف نئی نسل کی ذہن سازی اور تربیت کے لئے مدارس میں ایسا ماحول پیدا کیا جانا ازحد ضروری ہے جو دینی انقلاب کی منزل قریب تر کر دے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے مجلس احرار اسلام کے شعبۂ تبلیغ کے زیر اہتمام وفاق المدارس الاحرار پاکستان کے تحت درج ذیل 22 مدارس تعلیم و تدریس میں مصروف ہیں۔

- مدرسہ ختم نبوت مسجد احرار، ربوہ جھنگ فون: ۲۱۱۵۲۳ (۰۴۵۲۴)
- بخاری پبلک سکول، ربوہ ضلع جھنگ
- مدرسہ معمورہ جامع مسجد ختم نبوت دار بنی ہاشم، ملتان فون: ۵۱۱۹۶۱ (۰۶۱)
- مدرسہ معمورہ مسجد نور تغلق روڈ، ملتان
- مدرسہ محمودیہ مسجد المعمور ناگڑیاں، ضلع گجرات
- مدرسہ معمورہ تعلیم القرآن چک نمبر ۱۵۸ الف۔ 10-R جہانیاں ضلع خانیوال
- دار العلوم ختم نبوت جامع مسجد چیچاوطنی فون: ۶۱۱۶۵۷ (۰۴۴۵)
- دار العلوم ختم نبوت (جدید مرکز احرار) مرکزی مسجد عثمانیہ، ہاؤسنگ سکیم چیچاوطنی، فون: ۶۱۰۹۵۵ (۰۴۴۵)
- مدرسہ ختم نبوت مسجد ختم نبوت شہزاد کالونی صادق آباد
- مدرسہ معمورہ، موضع چھینا، میلسی ضلع وہاڑی
- مدرسہ ختم نبوت مسجد ختم نبوت نواں چوک، گڑھا موڑ ضلع وہاڑی
- مدرسہ عربیہ صدیقیہ بھل ضلع بھکر
- مدرسۃ العلوم الاسلامیہ جامع مسجد گڑھا موڑ (وہاڑی) فون: ۶۹۰۰۱۳ (۰۶۹۳)
- مدرسہ ابوبکر صدیق جامع مسجد ابوبکر صدیق تمہ تگ (چکوال)
- بخاری مسجد۔ (زیر تعمیر) سرگودھا روڈ۔ پنڈی بھٹیاں ضلع جھنگ
- بستان عائشہ (برائے طالبات) دار بنی ہاشم، ملتان فون: ۵۱۱۳۵۶ (۰۶۱)
- مدرسۃ البنات (برائے طالبات) گڑھا موڑ ضلع وہاڑی
- مدرسہ معاویہ جھنگ روڈ، ٹوبہ ٹیک سنگھ
- مدرسہ ختم نبوت چشتیاں ضلع بہاولنگر
- مدرسہ احرار اسلام مسجد سیدنا علی المرتضیٰ، چکڑالہ، ضلع میانوالی
- مدرسہ احرار اسلام، چاہ چرھوئے والا کروالی، ضلع مظفر گڑھ
- مدرسہ معمورہ مسجد معاویہ بستی مہرپور ضلع مظفر گڑھ

12۔ ادارے اپنے اخراجات خود برداشت کرتے ہیں جبکہ 10۔ اداروں کا کفیل وفاق ہے۔ جن میں بامشاہرہ تعلیم و تدریس اور دیگر امور سرانجام دینے والے افراد کی کل تعداد ۳۰ ہے۔ ان کے اخراجات کا سالانہ تخمینہ ۱۵ لاکھ روپے ہے۔ مستقبل کے تعلیمی، تنظیمی، اور تعمیری منصوبوں کی تکمیل پر تقریباً 30 لاکھ روپے خرچ ہوں گے۔ تعاون آپ کریں، دعا اور کام ہم کریں گے، اجر اللہ پاک دیں گے۔

ترسیل زر کیجیے: بذریعہ منی آرڈر، بنام: سید عطاء المحسن بخاری مدیر وفاق المدارس الاحرار پاکستان دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان۔ بذریعہ بینک ڈرافٹ یا چیک اکاؤنٹ نمبر ۲۹۹۳۲، حبیب بینک، حسین آگاہی ملتان۔

عقیدۂ ختمِ نبوت کا محافظ،
مجلسِ احرار اسلام کا ترجمان
ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت ملتان
زیر سرپرستی: حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ
رئیس التحریر: ابنِ امیر شریعت، قائدِ احرار
حضرت مولانا سید عطاء المحسن بخاری مدظلہ
مدیر: سید محمد کفیل بخاری
*گیارہ سال سے فتنۂ مرزائیت کے خلاف قلمی جہاد میں مصروف ہے
*علمی مضامین و مقالات *تاریخ و سیرت *تذکرۂ اسلاف
*حالاتِ حاضرہ کے بے لاگ تجزیے *شعر و ادب اور طنز و
مزاح سے بھرپور ایک فکری، ادبی اور تاریخی معیاری جریدہ
رابطہ: دارِ بنی ہاشم، مہربان کالونی ملتان